

مسلکِ اعلیٰ حضرت

(منظر پسِ منظر)

تصنیف

حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی

ترتیب و تقدیم محمد رحمت اللہ صدیقی

رضا دار المطالعہ
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

مسلکِ اعلیٰ حضرت منظر پسِ منظر
حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی
رضا دار المطالعہ

مسلک اعلیٰ حضرت

منظر اور پس منظر

ناشر

رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

تقسیم کار

حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں شریف

دیکھی نہ گئی مجھ سے اندھیروں کی سرکشی
پھر بن کے آفتاب نکلنا پڑا مجھے

مسلک اعلیٰ حضرت

منظر اور پسِ منظر

مؤلف

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، (ایم اے.)

صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

ترتیب و تقدیم

محمد رحمت اللہ صدیقی

☆ نام کتاب : مسلک اعلیٰ حضرت: منظر اور پسِ منظر
☆ نام مؤلف : مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، (ایم اے)
☆ ناشر : رضا دار المطالعہ، پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار
☆ تقسیم کار : حضرت بخشی اکیڈمی محلّہ چودھری سرائے بدایوں
☆ طبع جدید : جنوری ۲۰۱۳ء/۱۴۳۴ھ
☆ تعداد : گیارہ سو (۱۱۰۰)
☆ صفحات : ۴۰۰
☆ ہدیہ : Rs.200/=

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ امجدیہ ٹیامحل جامع مسجد دہلی
(۲) مدنی کتاب گھر ٹیامحل جامع مسجد دہلی
(۳) نظامی کتب خانہ، محلّہ سوتھا بدایوں
(۴) ادارہ پیغامِ رضا، ممبئی
(۵) مدرسہ رضویہ محبوب العلوم ڈمراواں ضلع بانکا، بہار
(۶) مولانا محمد علیم الدین رضوی، مدرسہ دینیات تعلیم القرآن تلہر ضلع شاہ جہاں پور (یوپی)

انتساب

ان مشائخ بدایوں کے نام
جن کے قلم کی بکھری ہوئی روشنائی سے
آج بھی ظلمتوں کا سینہ چاک ہو رہا ہے۔

محمد شمشاد حسین رضوی
ناظم
حضرت بخشی اکیڈمی بدایوں شریف

فہرست مضامین

☆☆☆

باب اول

مصنف اور مرتب کی باتیں

چند اہم باتیں

''مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر'' درج ذیل مقالات پر مشتمل ہے......

(۱) افتراق امت......فکر و تجزیہ

(۲) فرقۂ ناجیہ اور اس کی علامتیں

(۳) بریلوی مسلک یا بریلوی کلچر

(۴) مسلک اعلیٰ حضرت پر ایک فکری تحریر

(۵) مسلک اعلیٰ حضرت اور کچھ جدید فکری زاویے

(۶) لفظ بریلوی فکر و تنقید کے تناظر میں (دو قسطیں)

(۷) مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف پس منظر اور پیش منظر

(۸) جذبۂ انحراف کبھی کامیاب نہیں ہوتا

(۹) توسیع کے نام پر زبردست دھوکہ

(۱۰) سبز انقلاب-اسباب وعوامل

(۱۱) ایک اجلی سی حیات جو سب کو درخشاں کر گئی

(۱۲) خدایا جذبۂ یقیں سلامت رہے

مذکورہ مقالات کے کچھ ذیلی عنوانات بھی ہیں، جو فہرست مضامین کے تحت دیکھے جا سکتے ہیں، ان تمام مقالات کا مرکزی خیال مسلک اعلیٰ حضرت کی صداقت و واقعیت ہے جس کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح بالکل صحیح اور درست ہے، کسی بھی زاویہ سے اسے غلط تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ مقالات کا اسلوب فکر و استدلال پر مبنی ہے۔ اس لیے اس مجموعہ مقالات کا نام "مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر" رکھا گیا۔ یہ اسم بامسمّٰی ہے، اس کا اندازہ خود قارئین گہرے مطالعہ کے بعد لگا سکتے ہیں۔

ضرورت و افادیت - کوئی یہ سوال کر سکتا ہے، یہ مقالے کیوں تحریر کیے گئے؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی یہ تمام باتیں ارباب علم و فن کو معلوم ہیں کہ کچھ نوجوان قلمکاروں نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو غلط قرار دینے کی کوشش کی، اس کے لیے تحریر کو بھی ذریعہ اظہار بنایا گیا اور تقریر کو بھی اور پھر اس اصطلاح کے ذریعہ جماعت اہل سنت کے مقتدر اشخاص اور اسلاف پر بھی تنقیدیں کی گئیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلاف بیزاری کا جذبہ پنپنے لگا۔ اور ان کے نظریہ و موقف سے انحراف عام طور پر اختیار کیا جانے لگا۔ اس روش اور غیر معتدل فکری رویہ کے سبب سنجیدہ دماغوں میں الجھنیں پیدا ہوئیں، مشکلات سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے مقام پر بے چین مضطرب تھا، جن کا ازالہ ضروری تھا۔ اسی ضرورت کے تحت یہ مقالے لکھے گئے جو مختلف رسالوں مثلاً پیغام رضا ممبئی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ سیارگان ممبئی اور الجامعہ، قصبہ روناہی ضلع فیض آباد میں شائع ہو چکے ہیں، ہم مذکورہ رسالوں کے مدیران گرامی کے مشکور ہیں کہ انھوں نے اپنے اپنے وقیع رسالوں میں شائع کر کے ملک کے مختلف گوشوں میں میری آواز پہنچا دی۔ بس یہی ضرورت تھی جس کی وجہ سے یہ مقالے معرض تحریر میں آئے، جہاں تک افادیت کی بات ہے اس بارے میں عرض ہے کہ قارئین سنجیدگی کے ماحول

میں ان مقالوں کا مطالعہ کریں، افادیت خود بخود روشن ہو جائے گی اور آپ محسوس کر لیں گے کہ یہ مقالات ضرورت کی کسوٹی پر کھرے اتر چکے ہیں، یہی اس کی افادیت ہے۔ قلب ونظر کو اس سے سکوں ملے گا اور مضطرب دلوں کو راحت نصیب ہوگی۔ اس سے بڑی اور افادیت کیا ہو سکتی ہے؟ جو دلوں کو سکون اور ذہنوں کو شاداں و فرحاں کر دے۔ دل کا مطمئن ہونا بہت بڑی دولت ہے۔ بس یہی اس کی افادیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی افسوس ہوتا ہے کہ مسلک اہل سنت کے خلاف جو مورچہ غیروں کے ہاتھوں میں تھا، اب اس کی ذمہ داری اپنوں نے لے رکھی ہے، اسے خوش گوار انقلاب کہا جائے یا پھر غیروں کی بچھائی ہوئی جالوں میں پھنس جانے کا شاخسانہ، اس بات کا فیصلہ قارئین خود اپنی صواب دید سے کر لیں۔ حالات اور مقالات آپ کے پیش نظر ہیں۔ دوران مطالعہ اگر دلوں میں کوئی خوشگوار جذبہ پیدا ہو جائے تو اس ناچیز کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت ہی اس دور میں اہل سنت کی پہچان اور علامت ہے، اس سے ہٹ کر کہاں جائیں، کس کے دامن میں پناہ ڈھونڈھیں، پرسانِ حال کون ہے؟ کوئی آس پاس نہیں، کسی کے دل میں ہمدردی کا جذبہ نہیں، جو خود راہ پر نہیں، وہ دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ کیسے انجام دے گا۔ کچھ عاقبت نااندیش اہل خانقاہ کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے یہ ہنگامہ خیز حالات پیدا ہو گئے اور مغربیت کی تپ دق سے متاثر افراد کچھ اس طرح کے راگ الاپ دیئے کہ رہی سہی شیرازہ بندی تاش کے پتوں کی مانند بکھر گئی۔ مدارس و مکاتب، علماء کرام اور مفتیان عظام کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا گیا۔ جسے دیکھئے ان مقدس افراد پر تنقیدیں کر رہا ہے، زبان درازیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں افراط سے کام لیا جا رہا ہے اور کہیں تفریط سے۔ ان تمام نشیب وفراز کو دیکھتے ہوئے ٹھوس لائحہ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے، گوشۂ تنہائی کو چھوڑیئے میدان عمل میں اتر کر دیکھئے اور حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ لیجئے۔ اگر اب بھی لیت ولعل سے کام لیا گیا تو اسلاف بیزاری سماج و معاشرہ میں اس طرح سرایت کر جائے گی کہ اس کا علاج کرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ میری گذارش ہے، التجا ہے اور علمائے کرام کی بارگاہ میں پرزور

اپیل ہے اور اپنے محبوب قارئین سے التماس ہے کہ اس کو خود سنجیدہ مطالعہ کریں اور اپنے احباب و متعلقین اس کے مطالعے کی دعوت دیں تا کہ کتاب کا نور زیادہ سے زیادہ دلوں کو روشن و منور کر سکے۔

آخیر میں ہم اپنے ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے اصرار پیہم سے ''مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، بالخصوص صحافی عصر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا ممبئی کا کہ موصوف نے نہ صرف کتاب کی اشاعت پر اصرار کرتے رہے بلکہ کتاب کی ترتیب، تزئین اور پروف دیکھنے میں بڑے خلوص کا مظاہرہ کیا اور ایک جامع تقدیم بھی لکھی، جس سے کتاب کے حسن میں یقیناً اضافہ ہی نہیں بلکہ بہت اضافہ ہوا ہے، مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے موصوف کی قربانیاں تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ خدائے تعالیٰ موصوف کو اہل وعیال کے ساتھ آفات ارضی وسماوی سے تاحیات محفوظ و مامون رکھے اور میری اس حقیر کاوش کو شرف قبول بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

محمد شمشاد حسین رضوی

☆☆☆

محمد رحمت اللہ صدیقی

تقدیم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء-۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے، ان کے عہد میں شرق وغرب، شمال وجنوب میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا، پورے عالم اسلام میں ان کی حیثیت فیصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے کے علما، مشائخ، حکما، فلاسفہ اور مدبرین ان سے رجوع کرتے اور جو گتھی کہیں نہیں سلجھتی اسے آپ بآسانی سلجھا دیتے، ان کے در سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں لوٹا، آج تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آسکی ہے کہ کسی نے آپ سے سوال کیا اور آپ نے اس کا اطمینان بخش جواب نہیں دیا، وہ ہر وقت ہر طرح کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے تیار رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک بہت بڑے ریاضی داں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا، آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا، انہوں نے عرض کیا کہ ایک بہت اہم مسئلے کو سمجھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بیان کیجیے انہوں نے عرض کیا کہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے کھڑے کھڑے

بیان کردیا جائے۔آپ نے فرمایا: بیان تو کریں۔انہوں نے اصرار دیکھ کر اپنی فائل نکالی اور بیان کرنا شروع کیا۔وہ بیان کرتے گئے اور آپ جواب دیتے گئے جب سائل مطمئن ہوگیا تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ علم لدنی سنتا تھا۔آج آنکھوں سے دیکھ لیا، اس طرح بکثرت واقعات آپ کی زندگی میں دیکھنے کو ملتے ہیں اس طرح کے واقعات کو جمع کر کے کتابی شکل میں لانے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ جدید تحقیق کے مطابق تقریباً ۱۰۵ ر علوم وفنون پہ مہارت رکھتے تھے اور ہر فن میں ان کی نگارشات ملتی ہیں۔ان کے دور سے اب تک کوئی ایسی شخصیت جلوہ گر نہیں ہوئی جسے اتنے سارے علوم وفنون میں مہارت حاصل ہو، بلکہ ان کے قبل کی کئی صدیاں ان کے مد مقابل سے خالی ہیں، دنیا میں بہت ساری جامعات ہیں، بہت ساری یونیورسٹیاں ہیں لیکن دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں ۳۵ ر علوم وفنون سے زیادہ کی تعلیم نہیں دی جاتی، اگر دنیا کی تمام یونیوسٹیوں کا جائزہ لیا جائے تو علوم وفنون کی تعداد بمشکل ۴۰ ر تک پہنچ پائے گی۔اگر دنیا کے بڑے علمی ادارے اعلیٰ حضرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کے تعلیمی نصاب میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے اور بہت سارے علوم کو حیات تازہ مل سکتی ہے، ان کی شخصیت کو تعصبات کے کہرے میں دبانے کی جنگی پیمانے پر کوشش کی گئی اور آج بھی یہ کوشش جاری ہے، (اور اب تو نام نہاد اپنوں نے ان کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے) جس کی وجہ سے دنیا ان کی شخصیت سے صحیح طور پر مستفیض نہیں ہو پا رہی ہے۔نظریاتی اختلاف شخصیت فہمی میں دشواریاں پیدا کر رہے ہیں جب کہ اہل علم کو اپنے مخصوص نظریات سے بالاتر ہو کر کسی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔پھر یہ کہ ان کے نظریات کا کوئی پہلو قرآن واحادیث کے منشا کے خلاف نہیں ہے۔ان کے نظریات میں اسلام کی حقیقی روح پنہاں ہے۔انہوں نے کبھی بھی کوئی ایسی رائے نہیں پیش کی ہے جو قرآن واحادیث سے متصادم ہو۔انہوں نے اسلام کے دامن تقدس پر

کسی طرح کا داغ دھبہ کبھی دیکھنا پسند نہیں کیا۔ ان کی زندگی کی ہر سانس اسلامی اقدار و روایات کے تحفظ میں صرف ہوئی، وہ یقیناً ہر اعتبار سے پاسبان دین و شریعت تھے اور آج بھی ان کی پاسبانی محسوس پیکر میں دیکھی جا رہی ہے۔ ان کے امتیازات کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا، ان کی دینی و ملی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کی ذات جماعت اہل سنت میں تشخص کا درجہ رکھتی ہے اور ان کے اس تشخص کو چھیڑنا جماعت میں بحران پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نصف صدی سے زائد تک قوم وملت کی بے لوث خدمات انجام دیتے رہے، رب کائنات نے انہیں بے پناہ فضل و کمال سے نوازا تھا ان کے عہد میں مسلم معاشرہ شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، انہوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے پر جوش جد و جہد کی، ان کے عہد کو فتنوں کا عہد کہا جا سکتا ہے، انہوں نے اپنی زبان و قلم سے ہر فتنے کا سر کچل کر رکھ دیا، انہوں نے تنہائی کا کبھی شکوہ نہیں کیا، ان کے ملی اضطراب کو اس چیز سے محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو گھنٹہ آرام کرتے تے اور یہ دو گھنٹہ بھی عبادت سے خالی نہ تھا۔ اپنی پوری زندگی کو ایک رباعی کے ذریعے یوں بیان کیا ہے۔ ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من وچند کتابے ودوات وقلمے

(حدائق بخشش حصہ دوم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی حیات کا ہر ورق انتہائی صاف و شفاف ہے انہوں نے ملسمانوں کے دلوں کو عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرارت عطا کی ہے اور عظمت رسالت سے الجھنے والوں کا شدت سے تعاقب کیا ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں

نظام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حامی تھے۔ان کی کتاب حیات کے ہر ورق سے محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو پھوٹتی ہے۔وہ جس طرح حال کو دیکھتے تھے اسی طرح مستقبل کو بھی دیکھتے تھے۔انہوں نے مسلم مفادات کے جو خطوط متعین کیے ہیں اسے سہی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔وہ متعصب نہیں تھے،متصلب تھے۔ان کا تصلب ہر عہد اور ہر زمانے کے لیے رہنما ہے۔دین میں تصلب کی بڑی اہمیت ہے،اگر تصلب نہ ہوتا تو معرکۂ کرب وبلا رونما نہ ہوتا۔داعی اگر متصلب نہ ہوتو اس کی دعوت بے معنی ہوکر رہ جائے گی۔اعلیٰ حضرت کے تصلب کو تعصب کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی جارہی ہے،یہی وجہ ہے کہ بعض خانقاہیں ان سے دوری بنائے رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتی ہیں،اس سلسلے میں بعض درس گاہیں بھی سر اٹھانے لگی ہیں،وہ سمجھتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ رہ کر ہم وسیع دنیا کا سفر نہیں کرپائیں گے۔نئی نسلوں کے ذہنوں میں بھی یہ جراثیم ڈالا جارہا ہے۔یہ سوچ دین وشریعت کے لیے بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ایسے لوگوں کا منصفانہ تعاقب ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے ہر مرض کی دوا تشخیص کی ہے،وہ بہت بڑے طبیب حاذق تھے،جسم وروح دونوں کے وہ اسپیشلسٹ تھے۔ان کی نگاہوں کی وسعت کا ابھی تک صحیح اندازہ لگایا نہیں جاسکا ہے۔وہ اپنے عہد کے سالار اعظم تھے اور آج بھی ان کی یہ حیثیت محفوظ ہے۔انہوں نے تالیفات وتصنیفات کی شکل میں بے شمار ہتھیار تیار کیے اور ان ہتھیار کو چلانے والے سپاہیوں کا بھی بہت بڑا جتھا تیار کیا۔ان کا ہر سپاہی آج کے درجنوں قائدین پر فوقیت رکھتا ہے۔ان کی تصنیفات کو آج صحیح طریقے سے پھیلانے کی کوشش کی جائے تو بہت سارے فتنے اپنی موت مرجائیں۔ہماری کم نصیبی یہ ہے کہ ہم ان کو سمجھنے کے لیے وقت نہیں نکال پارہے ہیں۔ان کی تصنیفات کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک ہزار سے زائد ہے جس میں نصف سے زائد زیور اشاعت سے مزین ہوچکی ہیں۔ان کی تصنیفات میں تحقیقات

کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں، علوم وفنون کے باب میں انہوں نے جو اضافے کیے ہیں، اس کی کوئی دوسری نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ کی دینی، ملی، علمی اور سیاسی خدمات کے پیش نظر آپ کے عہد کے تمام مراکز اہل سنت کے علما ومشائخ اور خانقاہوں کے سجادگان نے بالاتفاق آپ کو اپنا امام ومقتدا تسلیم کیا اور آپ کی ذات کو سنیت کی کسوٹی قرار دیا، اس طرح مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سامنے آئی۔ اس سلسلے میں بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

پورے غیر منقسم ہندوستان کی عظیم ترین تنظیم ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' جس میں پشاور سے بنگلہ دیش تک تمام مراکز کے سارے علما شریک ہوئے اس میں بھی اہل سنت کی پہچان مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو قرار دیا۔''

(پیغام رضا خصوصی شمارہ، ص: ۱۲۵/۱۲۶۔۲۰۰۷ء)

مسلک اعلیٰ حضرت ماضی وحال کے تناظر میں:

اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال اور اظہار واعلان قریب قریب سو سال سے ہو رہا ہے یہی ایک ایسی اصطلاح ہے جو فرق باطلہ سے اہل سنت وجماعت کو ممتاز کرتی ہے۔ اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت جس زمانے میں وجود میں آئی اس زمانے کے علما ومشائخ دینی وملی قدروں کے فروغ میں آج کے علما ومشائخ سے کہیں زیادہ مخلص تھے، علم، عمل اور عشق کے حوالے سے بھی وہ بہت ممتاز تھے، آج زندگی کے ہر شعبے پہ دنیا حاوی ہے، کل زندگی کے ہر شعبے پہ دین حاوی تھا، کل کے علما ومشائخ کی دینی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے نقشے پہ ہمارا وجود اپنی شناخت کے ساتھ زندہ اور محفوظ ہے۔ اسلاف کے نقوش قدم ہی اخلاف کے لیے چراغ رہ گزر ہوتے ہیں۔ جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ جاتا ہے وہ قوم تاریکیوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ تاریخ کے سینے میں ایسے بکثرت واقعات زندہ قوموں کے لیے

درس گاہ عبارت بنے ہوئے ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ہمیں اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو باطل جماعتوں اور فرقوں کے ہجوم میں ہمیں ممتاز کیے ہوئے ہے۔اس دور پرفتن میں اہل سنت وجماعت کے امتیاز کے لیے اصطلاح مسلک اعلیٰ حضرت سے بہتر دوسرا کوئی متبادل نہیں ہے۔اہل سنت وجماعت جب تک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تالیفات وتصنیفات کو چراغ راہ بنائے رہیں گے اس وقت تک زمانے میں ممتاز رہیں گے۔ اسلاف نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو یونہی نہیں قبول کرلیا تھا، بلکہ برسوں اس تعلق سے غور وفکر کیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ جماعتی امتیاز کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہوسکتی تب جاکر پورے غیر منقسم ہندوستان کی ساری اعلیٰ قیادتوں کے اتفاق کے بعد اس کا اظہار واعلان فرمایا۔ جو لوگ اسے غیروں کی دی ہوئی اصطلاح کہتے ہیں یہ ان کی جہالت اور نادانی ہے یا وہ ذاتی، گروہی اور زمینی تعصب کے شکار ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا علامتی نشان ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کے بعد اس علامتی نشان کی ترویج واشاعت میں علما ومشائخ کی ایک بڑی جماعت مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔اعلیٰ حضرت کے وصال سے اب تک جن علما ومشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ میں قائدانہ رول ادا کیا ہے اور کررہے ہیں حضرت مولانا شمشاد حسین رضوی نے انہیں تین گروپ میں تقسیم کیا ہے۔انہوں نے ترتیب وار جو فہرست بنائی ہے کچھ اضافے کے ساتھ اسے ذیل میں ملاحظہ کریں۔

گروپ الف:

(۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی حامد رضا خان بریلوی

(۲) حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی

(۳) حضرت مولانا مفتی سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف
(۴) حضور محدث اعظم ہند حضرت مولانا مفتی سید محمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف
(۵) صدرالافاضل حضرت مولانا مفتی سید نعیم الدین مرادآبادی
(۶) ملک العلما حضرت مولانا مفتی سید ظفر الدین فاضل بہاری
(۷) مبلغ اسلام حضرت مولانا مفتی عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
(۸) حضرت مولانا مفتی احمد مختار صدیقی میرٹھی
(۹) صدرالشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی
(۱۰) برہان ملت حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری
(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد اجمل نعیمی سنبھلی
(۱۲) حضرت مولانا مفتی اطہر علی نعیمی کراچی
(۱۳) حضرت مولانا مفتی تقدس علی خاں بریلوی
(۱۴) حضرت مولانا مفتی پیر سید جماعت علی محدث علی پوری
(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خان برکاتی حیدرآبادی
(۱۶) حضرت مولانا مفتی امام الدین نقشبندی رائے پوری
(۱۷) حضرت مولانا مفتی محمد شریف کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ
(۱۸) حضرت مولانا مفتی سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف
(۱۹) حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرحمٰن محبی پوکھریروی
(۲۰) حضرت مولانا مفتی سید دیدار علی الوری
(۲۱) حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ نقشبندی دہلوی علیہم الرحمہ

گروپ ب:

اس گروپ میں ان علمائے کرام کو شمار کیا جاسکتا ہے جو گروپ الف میں مذکور علمائے کرام

سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔

(۱) حضرت مولانا مفتی ابراہیم رضا خاں بریلوی مفسر اعظم ہند

(۲) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا مفتی حشمت علی خاں پیلی بھیتی

(۳) حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی

(۴) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی قاضی شمس الدین احمد جعفری جونپوری

(۵) صدر العلماء حضرت مولانا مفتی سید غلام جیلانی میرٹھی

(۶) امین شریعت مفتی اعظم کانپور حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مظفر پوری

(۷) محدث اعظم بہار حضرت مولانا مفتی محمد احسان علی مظفر پوری

(۸) حضرت مولانا مفتی سردار احمد محدث اعظم پاکستان

(۹) حضور حافظ ملت حضرت مولانا مفتی عبد العزیز مرادآبادی

(۱۰) حضرت مولانا مفتی ولی الرحمٰن قادری پوکھریروی

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد سلیمان بھاگلپوری

(۱۲) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحسن سہسرامی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ بھاگلپوری

(۱۴) حضرت مولانا مقبول احمد خاں بہاری

گروپ ج:

اس گروپ میں ان علما کو شمار کیا جا سکتا ہے جو گروپ ب میں مذکور علمائے کرام سے براہ راست استفادہ کیا ہے یا ان کے عہد کی پیداوار ہیں۔

(۱) حضور سید العلماء حضرت مولانا مفتی سید آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی

(۲) حضور احسن العلماء حضرت مولانا مفتی سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی

(۳) حضرت مولانا مفتی ریحان رضا خاں بریلوی

(۴) جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد تحسین رضا خاں محدث بریلوی

(۶) حضرت مولانا مفتی سبطین رضا خاں بریلوی رائے پور چھتیس گڑھ

(۷) شارح بخاری حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی اعظمی

(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالمصطفیٰ ازہری شہزادہ صدرالشریعہ پاکستان

(۹) محدث کبیر حضرت مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ امجدی گھوسی

(۱۰) رئیس القلم علامہ ارشد القادری جمشید پور

(۱۱) شمس العلماء حضرت مولانا مفتی نظام الدین الہ آبادی

(۱۲) بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم شرف قادری پاکستان

(۱۴) حضرت مولانا مفتی حافظ عبدالرؤف بلیاوی

(۱۵) پاسبان ملت حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد نظامی الہ آبادی

(۱۶) حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی

(۱۷) حضرت مولانا مفتی خادم رسول گیاوی

(۱۸) حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن نوری پوکھریروی

(۱۹) مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی

(۲۰) حضرت مولانا سید الزماں حمدوی پوکھریروی

(۲۱) سرکار کلاں حضرت مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھہ شریف

گروپ ج میں علمائے اہل سنت کی ایک مختصر مگر جامع فہرست پیش کردی گئی ہے۔

اگر گروپ الف ب اور ج کی سنجیدگی کے ساتھ فہرست ترتیب دی جائے تو یہ تعداد سیکڑوں تک پہنچ

سکتی ہے۔فہرست میں شامل علمائے کرام سے مسلک اعلیٰ حضرت کی مقبولیت اور اس کی اثر پذیری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کو غیروں کی دی ہوئی اصطلاح کہنے پر بضد ہیں انہیں اس سلسلے میں اپنا احتساب کرنا چاہیے۔

جب سے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سامنے آئی ہے اس سلسلے میں اس وقت سے لے کر اب تک کے علما و مشائخ کے ارشادات و خیالات ملتے ہیں ذیل میں چند مشاہیر شخصیات کے ارشادات ملاحظہ کریں:

''میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے،میرے مسلک پر چلنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔''

حضور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھ شریف

''دین اسلام و مذہب اسلام کا سچا خلاصہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہے۔یہی وہ مجمع البحار ہے جس پر آج حنفیت و شافعیت، مالکیت و حنبلیت، قادریت و چشتیت، سہروردیت و نقشبندیت، مجددیت و برکاتیت وغیرہم سب سمندروں کا سنگم ہے۔

شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خان پیلی بھیت شریف

''میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔الحمد للہ اسی پر میری عمر گزری اور الحمد للہ آخری وقت اسی مسلک پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی

بشیر مجھ سے مصافحہ کرلو اب میں جانے والا ہوں اور میری تمہارے لیے دعا ہے۔دیکھ تمہارے والد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور تمہارے تایا حضرت مولانا عبد اللہ قادری رضوی اور میں

عمر بھر اعلیٰ حضرت بریلی شریف والے کے مسلک کی تبلیغ کرتے رہے۔ تم بھی اسی (مسلک اعلیٰ حضرت) پر قائم رہنا۔ اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

امام العلماء مولانا امام الدین کوٹلوی پاکستان

میں تمام مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بریلی شریف کے تاجدار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت علامہ فقیہ مفتی محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو مسلک ہے وہی میرا مسلک ہے۔ مسلمانوں اس مسلک کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اسی پر قائم رہنا۔

حضرت مولانا مفتی وصی احمد محدث سورتی

جو ان کا مسلک وہی مریا مسلک ہے۔ جو شخص ان کا نہیں وہ میرا نہیں۔

حضرت شاہ جی میاں محمد شیر خاں نقشبندی

مذہب حقہ اہل سنت جس کا معیار اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل برلوی کی تصانیف ہیں۔ یہی مسلک میرے قبلہ عالم کا تھا اور یہی مسلک حضرات پیران عظام سلسلہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور اسی کا میں پابند ہوں۔

سید شاہ مصباح الحسن مودودی پھپھوند شریف

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قدس سرہ العزیز کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ ان کا مسلک مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ (سنی آواز ناگپور ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد

تعجب ہے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ ہوتے ہوئے فقیر سے استفسار کیا جارہا ہے۔ فقیر کا اور فقیر کے آبا واجداد کا وہی مسلک ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔ (ماہنامہ سنی آواز ناگپور ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی سید احمد قادری

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ: "ایک مرتبہ ملتان میں حضرت علامہ کاظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع ایک مشت کے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کرواتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فتوے پر تنقید، ہم سے برداشت نہیں ہوگی، یہ مدرسہ ان کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے، ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا ہیں۔ جو شخص اعلیٰ حضرت کے نظریات وتحقیقات شریفہ سے متفق نہیں، ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے، ہمارے مدرسے میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔"

غزالیِ دوراں حضرت علامہ سید شاہ احمد سعید کاظمی امروہوی پاکستان

مسلک اعلیٰ حضرت واقعتاً مسلک اہل سنت وجماعت کا دوسرا نام ہے اور اس دور میں مذہب حق واہل حق کی پہچان ہے۔

تاج الاسلام مفتی اختر رضا خان ازہری بریلی شریف

مسلک اعلیٰ حضرت درحقیقت مسلک حنفی ہے اور حقانیت کی پہچان ہے

حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خاں محدث بریلوی

مسلک اعلیٰ حضرت فی الواقع مذہب اہل سنت وجماعت کی تنقیح ہے اور مذہب حق کی واضح تصویر ہے۔

حضرت مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی بریلی شریف

مسلک اعلیٰ حضرت حقیقت میں سواد اعظم اہل سنت کے اس طریقہ مرضیہ اور متوارثہ کا نام ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک سواد اعظم کا مسلک ہے۔

مفتی اعظم راجستھان حضرت مولانا مفتی اشفاق حسین نعیمی راجستھان

امام احمد رضا بریلوی کی ذات گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف نسبت منسوب کر کے اہل ایمان اور اس کی عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی سید محمد مدنی میاں کچھوچھ شریف

دور حاضر میں اگر مسلک اہل سنت وجماعت کے ساتھ تشریح کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہو تو فتنہ وفریب یکسر ختم ہو جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد میاں قاضی شہر دہلی

مسلک اعلیٰ حضرت سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق ہے اور اس کو علمائے حق کی تائید حاصل ہے۔

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد دہلی

سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی وجماعتی شناخت کے لیے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

رئیس القلم علامہ ارشد القادری

حضور مفتی اعظم ہند نے ۱۳۶۴ھ ۱۹۴۵ء میں سفر حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوتے وقت حضور صدر الشریعہ کو جو چند ونصائح اور وصایا ارشاد فرمائے ہیں اس میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت کا لفظ موجود ہے۔ اس کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کریں:

> ”آستانہ عالیہ بریلی شریف سے شرعی احکام پہنچانے کی خدمت فقیر اپنے برادر طریقت صدر الشریعہ حضرت مولوی امجد علی صاحب اعظمی زید کرمہ کے سپرد کرتا ہے۔ ”موصوف“ آستانہ عالیہ مقدسہ پر ہی قیام فرما

رہیں گے۔ آپ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ اعلی حضرت قدس سرہ کے ارشد تلامذہ و اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ دس بارہ سال تک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی صحبت میں رہ کر علم و معرفت سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے آپ کے پہنچائے ہوئے شرعی احکام "اعلیٰ حضرت" قدس سرہ کے مسلک پر مبنی ہوں گے۔ "موصوف" مدرسہ اہل سنت "مظہر اسلام" مسجد بی بی جی صاحبہ کے صدر المدرسین کی حیثیت سے ہر طرح کی سرپرستی فرمائیں گے اور جملہ اختیارات جو اس آستانہ کے عقیدت کیشاں کی جانب سے اس فقیر کو حاصل ہیں وہ سب فقیر اپنی طرف سے "صدرالشریعہ" کو تفویض کرتا ہے۔"

(عرفان مفتی اعظم ص ۱۰۵/ ۲۰۱۱ء)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سابق شیخ الجامعہ بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ مدظلہ النورانی مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"پورے ہندوستان کے سنی مراکز نے بھی امام احمد رضا خان صاحب کی اس دینی خدمت کو محسوس کیا اور موجودہ گمراہوں سے اہل سنت و جماعت کو ممتاز کرنے کے لیے امام احمد رضا کی ذات کو سنیت کی علامت قرار دیا اور مسلک اہلسنت و جماعت کو ان سے منسوب کیا۔

(پیغام رضا خصوصی شمارہ ص ۱۲۵/۱۲۶۔ ۲۰۰۷ء)

شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف پڑھیے۔ انہوں نے انہیں عقائد و مسائل کو تحریر فرمایا ہے جو سلف سے لے کر خلف تک اب تک اہل سنت و جماعت کا رہا ہے۔ ہر عقیدے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے ساتھ ساتھ اسلاف کی کتابوں سے حوالہ جات تحریر کر دیے

ہیں۔اعلیٰ حضرت کی کتابیں سو سال سے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہزار شخصی اور جماعتی کوشش کے باوجود آج تک کوئی مخالف بھی کسی عقیدے کے بارے میں ثابت نہیں کرسکا کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے عہد مبارک میں انگریزوں نے اپنے پلان کے مطابق بہت سے چالاک، عیار، دنیا دار افراد کو خرید کر اہلسنت کے خلاف کئی فرقے کی بنیاد ڈلوائی۔ مثلاً وہابی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی، صلح کلی، ان سب مذاہب کے بانیوں اور حامیوں نے اپنی ساری ذہنی و علمی توانائیوں کو صرف کرکے اہلسنت کے خلاف صف آرائی کی، ان سب کا مقابلہ تن تنہا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، اوران سب کے عقائد باطلہ کو رد کرکے ان سب کے پرخچے اڑا دیئے۔ ان سب خدمات کو دیکھتے ہوئے مذہب اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔"

اس زمانے میں اہل سنت کو تمام فرقہائے باطلہ سے ممتاز کرنے کے لیے سوائے مسلک اعلیٰ حضرت کے کوئی لفظ موزوں ہوتا ہی نہیں۔ کچھ معاندین اس کے بالمقابل مسلک امام اعظم بولتے ہیں لیکن یہ لفظ امتیاز کے لیے کافی نہیں۔ غیر مقلدین کو چھوڑ کر سارے وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی، مودودی، نیچری، حتی کہ قادیانی اپنے کو مسلک امام اعظم پر گامزن بتاتے ہیں۔ اور یہی حال اہلسنت و جماعت کے لفظ کا بھی ہے کہ ان میں کے بہت سے لوگ اپنے آپ کو سنی بتاتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں میں نے بہت غور کیا، سوائے مسلک اعلیٰ حضرت کے کوئی لفظ ایسا نہیں جو صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو تمام بدمذہبوں سے ممتاز کردے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۱۹۹۹ء)

> فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلک اعلیٰ حضرت ہی کہنا ضروری ہوگا اور اس سے روکنے والا بد مذہب ہوگا یا حاسد۔ (فتاویٰ فقیہ ملت ج ۲ ص ۴۳۰)

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، صدر مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور تحریر فرماتے ہیں:

> ہمارے جو بھائی کسی ذاتی رنجش اور باہمی چپقلش کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کی شان گھٹانے میں لگے ہوئے ہیں تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن ہوکر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بدمذہبوں سے امتیاز کے لئے کونسا جامع اور مختصر لفظ انتخاب کیا جائے، ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے لفظ سے زیادہ موزوں کوئی لفظ نہیں، کیونکہ سنیت کا شعار یہی لفظ ہے، اہلسنت کی شناخت یہی کلمہ ہے، بدمذہبوں سے امتیاز اسی کا خاصہ ہے بلکہ حق یہ ہے کہ تمام اہلسنت کا اس پر اتفاق تھا، چند برس پہلے باہمی اختلاف کے نتیجے میں کچھ کرم فرماؤں نے اسے سوالیہ نشان بنانے کی کوشش کی جو بے دلیل ہونے کی وجہ سے سابقہ اتفاق میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا۔

(ماہنامہ اشرفیہ ص ۹ جولائی ۲۰۰۳ء)

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب کا مذکورہ بیان دس سال پہلے کا ہے اگر اب ان سے مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے رائے لی جائے گی تو ان کا بیان اس سے مختلف ہوگا اس لیے کہ جامعہ اشرفیہ سے جو نئی پود نکل رہی ہے ان میں بعض افراد آج بھی مسلک اعلیٰ حضرت کو اہل سنت کا امتیازی نشان تسلیم نہیں کرتے۔

مسلک اعلی حضرت اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا دستور اساسی

دستور اساسی : مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان ہے ۱۹۲۱ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال ہوا اور ۱۹۲۵ء میں حضور صدر الافاضل

نے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی بنیا د رکھی اور اسکا دستور اساسی تیار ہوا۔اس کے دستور میں رکنیت کی شرط یہ بتائی گئی ہے کہ ہر سنی عالم اور سنی شیخ طریقت اس جمعیت کا رکن ہو سکے گا۔کوئی غیر سنی کسی حال میں اس جمعیت کا رکن یا عہدیدار نہیں ہو سکتا۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک اس کے ممبران کی تعداد بائیس ہزار سے زائد بتائی گئی ہے یہ تعداد صرف علماء و مشائخ کی ہے دوسرے شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے الگ ہیں'' آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے دستور اساسی میں سنی کی یوں تعریف کی گئی ہے:

> سنی وہ ہے جو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق ہو۔یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفائے اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علمائے دین میں سے حضرت ملک العلماء سند الفضلا ء بحر العلوم صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی و اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین صاحب رامپوری و اعلیٰ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی (قدست اسرارہم) کے مسلک پر ہو۔
>
> (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۴۴،۴۳ مطبع سعید برادران کھاریاں، گجرات)

آل انڈیا سنی کانفرنس میں کون لوگ شامل تھے اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

> یہ تاریخ کا تسلسل ہے کہ'' آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے علماء، مشائخ، رہنما اور کارکن وغیرہ امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ، مریدین، متعلقین اور متوسلین میں شامل ہیں۔اس طرح'' آل انڈیا سنی کانفرنس'' راسخ العقیدہ سنی مسلمانوں کی تنظیم بنی، ۱۹۲۵ میں مرادآباد میں ہونے والی'' آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے ۱۹۴۵ء تک ملک بھر میں چند ہی مرکزی سطح کے اجلاس ہوئے یوں کہہ لیجئے کہ اس عرصہ میں سنی کانفرنس کے رہنما حضرات نے جمہور مسلمان کی تعلیم، معاشیات، معیشت، روحانیت اور پیش آنے والے سیاسی معاملات

میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۱۵/۱۹۹۹ء)

اسی ''تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس'' میں ڈاکٹر محمد مسعود علیہ الرحمہ سنی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بالعموم سنی شیعہ کے مقابل میں بولا جاتا ہے بہت سے فرقے سنی ہونے کے دعوے کرتے ہیں مگر تاریخ کی روشنی میں اور دور جدید میں سنی، حنفی بریلوی یا جو اس مسلک کی تائید کرتے ہیں صحیح معنوں میں سنی ہیں اور سنیت ہی اسلام ہے ۔اس لیے برطانیہ کے ایک انگریز نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے اس مسلک میں اسلام پایا اور وہ اس طرح کہ انہوں نے دیکھا کہ دنیا کے سارے دشمنان اسلام صرف اہل سنت وجماعت (مسلک بریلوی) کے دشمن ہیں باقی کسی فرقے کے دشمن نہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ سنی اسلام ہی سچا اسلام ہے۔(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۱۹/)

مذکورہ شواہد سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۹۲۵ء ہی میں مسلک اعلیٰ حضرت کو غیر منقسم ہندوستان کے تمام علماء و مشائخ کے اتفاق سے دستوری حیثیت دیدی گئی تھی ۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے سے پہلے اس کے دستور سے اتفاق کرنا ہوتا ہے۔حاصل شدہ رجسٹر کے حساب سے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے ممبران علماء ومشائخ کی تعداد بائیس ہزار بتائی گئی ہے۔اس سلسلے میں ہفت روزہ ''دبدبہ سکندری'' رامپور کی ذیل میں ایک رپوٹ ملاحظہ کریں۔

> ہمالہ سے راس کماری تک اور آسام سے سرحد تک بائیس ہزار سے زائد علمائے دین، مشائخ اور سجادہ نشین حضرات ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے سبز گنبد والے نورانی پرچم کے نیچے جمع ہو کر اس مبارک جماعت کے رکن بن چکے ہیں اور ملک کے سارے برادران اہلسنت رضا کارانہ طور پر کثیر

تعداد میں شریک ہو چکے ہیں اور اس کی صوبائی، ضلعی، شہری، وقصباتی ہزاروں کمیٹیاں قائم ہو چکی ہیں۔

چونکہ ملت اسلامیہ کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی اور تنظیم اہل سنت اس کا مقصد تام ہے۔ اس لیے ہم نہایت مسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ تمام ہند میں اس آفتاب عالم تاب کی شعائیں پھیل گئیں اور ہر جگہ اس کا انعقاد ہونے لگا۔ اخبارات ہمیں بتاتے ہیں کہ جس سرعت سے اس جمعیت عالیہ نے مسلمانوں کو اپنے دامن میں لے لیا وہ حقانیت کی دلیل بین ہے۔

(تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۱۰۴ر ۱۹۹۹ء)

تاریخ ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' میں پانچ سو سے زائد علماء ومشائخ کے اسماء پتے کے ساتھ درج ہیں اس طرح ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک بائیس ہزار سے زائد علماء ومشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت پہ اپنے اتفاق کا اظہار کر دیا تھا۔ ۱۹۴۵ سے ۲۰۱۱ تک مسلک اعلیٰ حضرت کو تسلیم اور ترویج کرنے والے علماء ومشائخ کی اگر ایک سرسری فہرست تیار کی جائے تو یہ تعداد لاکھوں تک جاسکتی ہے۔ اب ذیل میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے رکن علماء ومشائخ کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ کریں:

(۱) مولانا محمد ابراہیم سمستی پوری، بدایونی

(۲) مولانا محمد ابراہیم رضا قادری بریلوی (مفسر اعظم ہند)

(۳) مولانا محمد اجمل نعیمی سنبھلی

(۴) مولانا مفتی احسان علی مظفر پوری

(۵) مولانا احمد علی، محدث علی پوری

(۶) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی

(۷) مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی گجرات

(۸)مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری، لاہور

(۹)مولانا اختصاص الدین نعیمی، مرادآبادی

(۱۰)مولانا سید احمد سعید کاظمی، ملتان

(۱۱)مولانا سید احمد اشرف اشرفی کچھوچھ شریف

(۱۲)مولانا اطہر علی نعیمی، کراچی

(۱۳)مولانا اعجاز ولی رضوی، بریلوی

(۱۴)مولانا پیر سید دیوان آل رسول علی خان اجمیر

(۱۵)مولانا امجد علی اعظمی رضوی، (صدر الشریعہ)

(۱۶)مولانا امام الدین نقشبندی، رائے پوری

(۱۷)مولانا ایوب حامدی رضوی پوکھریرا، ضلع مظفر پور

(۱۸)محمد برہان الحق قادری، جبل پوری (برہان ملت)

(۱۹)پیر صاحب سجادہ نشین پاک پتن

(۲۰)پیر صاحب سجادہ نشین چورہ شریف

(۲۱)مولانا تقدس علی خاں، منظر اسلام بریلی شریف

(۲۲)پیر سید جماعت علی، محدث علی پوری

(۲۳)مولانا جمال میاں فرنگی محلی

(۲۴)مولانا حامد رضا بریلوی (حجۃ الاسلام)

(۲۵)مولانا حمید الدین عباسی بدایونی

(۲۶)مولانا خیر الدین احمد، سہسرام

(۲۷)مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، حیدرآباد

(۲۸)مولانا سید دیدار علی، الوری

(۲۹)مولانا زاہد القادری، دہلی

(۳۰) مولانا سید الزماں حمدوی، پوکھریرا، ضلع مظفر پور

(۳۱) مولانا سلیم اللہ، فاضل حزب الاحناف، لاہور

(۳۲) مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

(۳۳) پیر صدر الدین سجادہ نشین ملتان

(۳۴) مولانا محمد ظفر الدین فاضل بہاری (ملک العلماء)

(۳۵) مولانا مفتی محمد عابد، مجددی، رامپوری

(۳۶) مولانا عبد المصطفیٰ ازہری مبارک پوری (شہزادہ صدر الشریعہ)

(۳۷) مولانا ابوالولی محمد عبد الرحمٰن، پوکھریرا، مظفر پور

(۳۸) مولانا عبد العزیز پوکھریرا، ضلع مظفر پور

(۳۹) مولنا عبد الصمد قادری بدایونی

(۴۰) مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی (مبلغ اسلام)

(۴۱) مولانا فخر الدین قادری رضوی، کلکتہ

(۴۲) مولانا فضل حسن صابری مدیر دبدبہ سکندری، رامپور

(۴۳) مولانا غلام جان ہزاروی خلیفہ امام احمد رضا

(۴۴) مولانا محمد مصطفیٰ رضا نوری بریلوی (مفتی اعظم ہند)

(۴۵) مولانا محمد مختار اشرفی نعیمی، کچھوچھ شریف

(۴۶) مولانا سید مصباح الحسن مودودی پھوپھوند شریف

(۴۷) مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری لاہور

(۴۸) مولانا سید مظفر حسین اشرفی، کچھوچھوی (مجاہد دوراں)

(۴۹) مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، (مفتی اعظم دہلی)

(۵۰) مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، (صدر الافاضل)

مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کب؟ کیوں؟ اور کہاں؟۔

علمائے اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت عین دین حق کی مخالفت ہے۔ لیکن تاریخ میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض افراد کے ذاتی وگروہی مفادات کی راہ میں جب مذہب ومسلک حائل ہوئے تو انہوں نے مذہب ومسلک کو پس پشت ڈال دیا اور ذاتی وگروہی مفادات کو اہمیت دی اور بظاہر مذہب ومسلک کا دم بھرتے رہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف سب سے پہلی آواز جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے مولوی ظفر ادیبی کی شکل میں بلندی ہوئی۔ جب ان سے حسام الحرمین، کی تائید وتصدیق کے لیے کہا گیا توانہوں نے یہ کہہ کر تائید وتصدیق سے انکار کردیا کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کتاب کی حرف بحرف تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ نتیجہ کے طور پر حضور حافظ ملت نے انہیں اشرفیہ سے نکال باہر کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب کا بیان ہے کہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت نام کو پسند نہیں کرتے تھے وہ لفظ بریلوی کا الحاق بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

(جام نور، اگست ۲۰۰۶ء ص: ۳۳/۳۴)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف دوسری آواز مولوی خلیل احمد بجنوری نے بلند کی۔ انہیں سلسلہ برکاتیہ میں حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ جماعت اہلسنت سے ان کے باغیانہ تیور کو دیکھتے ہوئے علمائے اہلسنت نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے علمائے اہلسنت کو مناظرے کا چیلنج کیا۔ مناظرے میں انہیں شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف محاذ آرائی کی بنیاد رکھی۔ (ان کی جماعت مخالف سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے تاج العلماء نے خلافت واپس لے لی تھی) ذیل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کا بیان ملاحظہ کریں:

> حالات سے ثابت ہوا کہ ان متبعین اعلیٰ حضرت بریلوی کا مقصد صرف اعلیٰ حضرت کے وقار کو اونچا کرنا ہے۔ احکام شریعت سے ان کو کچھ کام نہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کے نعرے لگوائے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کیا مذہب امام اعظم سے الگ اور جدا ہے۔

(انکشاف حق ،ص:۳۳)

مولوی بجنوری کا شافی وافی اور کافی جواب حضرت مفتی غلام محمد خاں ناگپوری علیہ الرحمہ نے ''عجائب انکشاف'' لکھ کردے دیا ہے۔طالبان حقیقت کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف تیسری آواز مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی نے بلند کی، جب ٹی وی ویڈیوں کے مسئلے کو لے کر شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اور تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری صاحبان کے درمیان اختلافات رونما ہوئے۔اس اختلاف کو لے کر سید محمد ہاشمی میاں شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں کے نمائندہ بن کر میدان میں آئے اور انہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کو نشانہ بنانا شروع کیا۔اس اختلاف سے قبل وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے پرجوش داعی ومبلغ تھے اور آج بھی دبے لہجے انداز میں ہی سہی وہ مسلک اعلیٰ حضرت کے داعی ومبلغ ہیں۔مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ان کی آواز ان کے خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں فرماتے ہیں:

> ہمارے ''امام احمد رضا قادری بریلوی'' کی عظمت وشان اور بارگاہ خدا اور رسول میں ان کی مقبولیت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی ذات گرامی تو بڑی چیز،ان کے شہر کی طرف نسبت اہل ایمان اور اس کے عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔اب میں الحمد للہ مسلکاً حنفی،نسبتاً جیلانی، مشرباً اشرفی اور وطناً کچھوچھوی ہونے کے باوجود اپنے کو ''بریلوی'' کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

(بریلوی دور حاضر میں اہل سنت کا علامتی نشان)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف چوتھی آواز مولوی انتخاب قدیری کی شکل میں بلند ہوئی جب وہ علمائے بریلی سے لفظ ''اللہ میاں'' کے جواز پر اصرار کرنے لگے اور علمائے بریلی شریف نے جب لفظ ''اللہ میاں'' کے جواز کی سند دینے سے انکار کردیا تو ان کی مخالفت میں اور شدت

آ گئی۔ نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنی ایک جداگانہ ڈگر کی بنیاد رکھی اور اعلیٰ حضرت و مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف محاذ کھول دیا۔ اختلاف سے قبل مسلک اعلیٰ حضرت کی صداقت پہ ان کے اشعار ملاحظہ کریں:

مسلکِ اعلیٰ حضرت ہی ہے دینِ حق، اس کی حد سے جو باہر نکل جائے گا
کل بروزِ قیامت خدا کی قسم، دیکھنا وہ جہنم میں جل جائے گا
انتخابِ قدیری بروز جزا، تھام کر دامنِ شاہ احمد رضا
ہوگا جس وقت پیشِ حضورِ خدا، ان کا دامن پکڑ کر مچل جائے گا

بغاوت کے بعد مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے وہ اپنے خطابات میں فرماتے تھے کہ

جس مسجد میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگایا جاتا ہو اس میں نماز پڑھنا ناجائز و حرام ہے۔ میں نے اب تک کی زندگی رضویات کی خدمت میں گزاری ہے اب بقیہ زندگی رضویات کی بنیادوں کو کھودنے میں گزاروں گا۔

رضوی کتے ہوتے ہیں، حشمتی سور (خنزیر) ہوتے ہیں دیکھئے اہلسنت کی آواز ناگپور۔ (مئی، جون ۱۹۹۵ء)

مسلک اعلیٰ حجرت (حضرت) یہ نعرہ لگانا ناجائز و حرام ہے۔ جس مسجد میں مسلک اعلیٰ حجرت (حضرت) کے مطابق نماز ہوتی ہو اس مسجد میں نماز پڑھنا ناجائز و حرام ہے۔ دوستو یہ نعرہ جہاں بھی لگا ہو کھرچ دو، نوچ کر پھینک دو۔ (اقتباس تقریر)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ۱۹۹۹ء میں پانچویں آواز ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے پلیٹ فارم سے ایک مضمون کی شکل میں بلند ہوئی۔ ۱۹۹۹ء میں مولانا مبارک حسین مصباحی ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ تھے۔ مضمون کی اشاعت میں ان کی مرضی شامل تھی۔ اس لیے کہ مدیر کی

مرضی کے بغیر کسی مضمون کی اشاعت نہیں ہوسکتی۔ شارح بخاری نے مولانا مبارک حسین کی غیر موجودگی کا ذکر کر کے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ مضمون کی اشاعت پر شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اپنی شدید برہمی کا اظہار فرمایا ہے:

ماہنامہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف شائع شدہ مضمون کا ایک اقتباس ذیل میں دیکھیں:

> مقررین اور شعراء کی پذیرائی، ان کا حوصلہ بڑھانے، سوتوں کو جگانے اور جلسے وکانفرنس کی رونق کو دوبالا کرنے کی خاطر آج کل بہت طرح کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ کچھ عاقبت نا اندیش اور خدا نا ترس انا ونسر حضرات ان نعرۂ حق وصداقت کے درمیان بعض ایسے نعرے لگواتے ہیں جن کا مقصد حاضرین جلسہ سے غلط کہلوا کر ان کو بے وقوف بنانا، ہنسانا، اپنی چرب زبانی وہمہ دانی کی دھونس جمانا ہوتا ہے۔ جیسے جھوٹ کا دامن، بوس کا دامن، وغیرہ۔ نعرہائے تکبیر ورسالت کے بعد ایک نعرہ مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کا بھی ہے۔ یہ نعرہ لگانے والے کون لوگ ہیں؟ ان میں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بے نمازی ہے، داڑھی منڈے یا حد شرع سے کم رکھنے والے ہیں شراب خور ہیں۔" (ماہنامہ اشرفیہ اپریل ۱۹۹۹ء)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف چھٹی آواز بعض جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے اساتذہ کے اشتراک سے ماہنامہ جام نور دہلی کے پلیٹ فارم سے بلند ہوئی کہ مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ، دیابنہ کا دیا ہوا نعرہ ہے، جام نور کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں۔

> "جماعت اہلسنت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت سے منسوب کردیا اور ہمارے خطباء نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کردی۔"

(جام نور اکتوبر ۲۰۰۷ء)

مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ساتویں آواز حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب

صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شکل میں بلند ہوئی۔ موصوف کا کہنا ہے کہ لفظ بریلوی غیروں کا دیا ہوا ہے۔ اس لفظ کی حمایت کر کے ہم غیروں کے معاون کیوں بنے؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لفظ غیروں نے اہلسنت کو کسی خاص مقصد کے تحت دیا ہے تو اس کا علم رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب کو بھی ہونا چاہئے تھا۔ رئیس القلم نے لفظ بریلوی کو اہلسنت کا علامتی نشان قرار دیا ہے (اس سلسلے میں باضابطہ ان کی کتاب موجود ہے ''بریلوی دور حاضر میں اہل سنت کا علامتی نشان'') اور شیخ الاسلام نے خود کو بریلوی ہونے پر فخر محسوس کیا ہے۔ مفتی اشفاق حسین نعیمی جودھپور، مفتی اقتدار احمد خاں پاکستان اور پروفیسر محمد مسعود احمد صاحبان نے بھی لفظ بریلوی کو حق کی علامت سے تعبیر کیا ہے۔ بقول مصباحی صاحب اگر یہ لفظ غیروں کا دیا ہوا ہے تو مذکورہ پاکان امت نے اسے حق کی علامت سے کیوں تعبیر کیا۔ پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ نے اسے غیروں کا دیا ہوا لفظ تسلیم کیا ہے لیکن دوسری جگہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بریلوی اسلام ہی سچا اسلام ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے سارے دشمنان اسلام صرف اہلسنت وجماعت (مسلک بریلوی) کے دشمن ہیں باقی کسی فرقے کے دشمن نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ لفظ بریلوی کو اہل سنت کا علامتی نشان سمجھتے ہیں، جو لوگ خود کو بریلوی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور جو لوگ بریلوی اسلام ہی کو سچا اسلام تصور کرتے ہیں شریعت ان پر کیا حکم نافذ کرے گی؟ اس کا فیصلہ مصباحی صاحب کو کرنا ہے، ذیل میں مصباحی صاحب کا بیان ملاحظہ کریں۔

> ''نہ اہل سنت کو ''بریلوی'' کہنے کہلانے سے میری دل چسپی۔ غیروں نے ایک خاص مقصد اور منصوبے کے تحت اہلسنت کو ''بریلوی'' یا ''رضا خانی'' کہنا شروع کیا ہے۔ ہم ان کے معاون کیوں بنیں؟
>
> (تجلیات رضا، صدر العلما محدث بریلوی نمبر ص: ۴۵، ۲۰۰۷ء)

یہ تھے اکابرین ومشائخ کے وہ فکری شہ پارے جو بریلوی اصطلاح کے باب میں ہمیشہ شب چراغ کا کام کرتے رہیں گے۔ اور یہ ہیں علامہ محمد احمد مصباحی صاحب جو خیر الاذکیا

ہوتے ہوئے اس روشن خیالی کا ثبوت دے رہے ہیں کہ" اہلسنت کو بریلوی کہلانے سے میری دلچسپی، غیروں نے ایک خاص مقصد اور منصوبے کے تحت اہلسنت کو بریلوی یا رضا خوانی کہنا شروع کیا ہے۔ہم ان کے معاون کیوں بنیں۔

اب آپ ہی کہیے یہ اکابرین ومشائخ کے افکار عالیہ سے انحراف نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اسی چیز کو ہم عوام اہل سنت کی آگاہی کے لئے زیرتحریر لے آئیں تو مجرم ہیں؟

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس پیراگراف میں علامہ مصباحی صاحب نے "شروع" کا لفظ استعمال کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس لفظ بریلوی کا ماضی سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس اصطلاح کی ابلاغ وتبلیغ میں ہمارے علماء ومشائخ اہلسنت کا کوئی ہاتھ ہے جبکہ یہ سراسر تاریخ کو جھٹلانے بلکہ مسخ کرنے والی بات ہے۔تاریخی حقائق بول رہے ہیں کہ تقریباً سو سال سے یہ لفظ ہمارے مشائخ کا نعرہ، علماء کا وظیفہ رہا ہے اور عوام اہلسنت نے بھی اپنی عام بول چال میں غیروں سے امتیاز کے لئے اسے برجستہ برمحل اور فخریہ استعمال کیا ہے اور کر رہے ہیں اب تو لفظ بریلوی اہل حق کے لیے علم کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی پاکیزہ اصطلاح جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اس کی مخالفت میں سات آوازیں بلند ہوئی ہیں ان میں چار کا تعلق جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ہے۔جب کہ حضور حافظ ملت نے مسلک اعلیٰ حضرت کو جامعہ اشرفیہ کے دستور اساسی میں شامل کیا ہے۔دستور اساسی کی عبارت ذیل میں ملاحظہ کریں:

> "ادارے کا مسلک موجودہ زمانے میں جس کی واضح نشانی یہ ہے کہ جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی سے اعمال وعقائد میں بالکل متفق ہوں۔"(دستور اساسی جامعہ اشرفیہ، ص:۵)

حضور حافظ ملت کی حیات میں مولوی ظفر ادیبی نے مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت

کی۔نتیجہ کے طور پر حضور حافظ ملت نے انہیں اشرفیہ سے نکال دیا۔حضور حافظ ملت کے وصال کے بعد رئیس القلم آپ کی فکر کے جانشین بن کر جامعہ اشرفیہ پر حاوی ہوگئے۔اس لیے رئیس القلم کی حیات میں جامعہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔مولوی ظفرادیبی نے مخالفت کی جو آگ لگائی تھی وہ آگ وقتی طور پر دب گئی تھی بجھی نہیں تھی۔رئیس القلم کے وصال کے بعد جامعہ اشرفیہ کی فکری سرپرستی کرنے والی کوئی دوسری شخصیت نہ رہی۔اس لیے مسلک اعلیٰ حضرت سے خلش رکھنے والے مجتمع ہوئے اوراس کام کے لیے ان کے پوتے (خوشتر نورانی) کو شیشے میں اتارا۔ان کے پوتے کی آزادخیالی سے مخالفین واقف تھے۔اس طرح ماہنامہ جام نور،کو پلیٹ فارم بنا کر مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کا سلسلہ جاری ہوگیا اور نہ جانے آئندہ کب تک جاری رہے گا۔چونکہ جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ اس کی ہمنوائی میں ابھی بھی جٹے ہوئے ہیں۔حال ہی میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کا تفصیلی تائیدی خط جام نور میں چھپا ہے۔اگر جام نور جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ کا فکری ترجمان نہ ہوتا تو اس کی جماعت مخالف ورضا مخالف سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی برأت کا اعلان کردیتے۔

مخالفین یہ عذر پیش کرسکتے ہیں کہ ہم تو لفظ بریلوی کی مخالفت کررہے ہیں مسلک اعلیٰ حضرت کی نہیں؟ لیکن جام نور نے یہ فیصلہ بھی کردیا ہے کہ لفظ بریلوی اور مسلک اعلیٰ حضرت میں صرف لفظی فرق ہے معنوی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔پھر یہ کہ مخالفین جس لفظ بریلوی کو غیروں کا دیا ہوا لفظ کہہ رہے ہیں جام نور اسی کو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دے رہا ہے۔جام نور کا کہنا ہے کہ جماعت اہلسنت کو وہابیہ نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کردیا اور ہمارے خطباء نے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگوا کر اس کی تصدیق کردی۔گویا مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہے۔

حضور حافظ ملت نے جامعہ اشرفیہ کا جو منشور بنایا تھا اور فکر رضا کی روشنی میں جو ضابطے بنائے تھے،اشرفیہ ایک زمانے تک اسی منشور اور ضابطے کی روشنی میں محوسفر رہا۔شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی اور

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی نے حضور حافظ ملت کے جلائے ہوئے چراغوں کی لو کو مدھم ہونے نہیں دیا۔ بلکہ روز بروز ان شخصیات کی کوششوں سے ان چراغوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہا۔ مذکورہ شخصیات کے علمی جاہ وجلال کو دیکھتے ہوئے نقوش حافظ ملت سے انحراف کی کسی میں جرأت نہیں ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی مخالف آواز اٹھتی اسے فوراً دبا دیا جاتا۔ چنانچہ نماز میں جب لاؤڈ اسپیکر کے جواز کا فتنہ اٹھا تو شارح بخاری نے اسے کچل دیا، جب مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کے لیے بال وپر پھیلانے کی کوشش ہوئی تو بحر العلوم اور شارح بخاری نے اس کوشش کے بال وپر کتر دیئے۔ جب غیروں سے اختلاط کے جذبے کو ہوا دی گئی تو محدث کبیر آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے۔ رئیس القلم اور محدث کبیر قدم قدم پر حضور حافظ ملت کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرتے رہے۔ جب جامعہ اشرفیہ رئیس القلم کے سائے سے محروم ہوگیا تو محدث کبیر فکر حافظ ملت کی بے لوث نمائندگی کرتے رہے۔ ان کا وجود مسلک اعلیٰ حضرت سے خلش رکھنے والوں کی نظروں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔ پھر ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے اہل علم خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک محدث کبیر کو بھی مجبور ہوکر اشرفیہ چھوڑنا پڑا۔

مسلک اعلیٰ حضرت جامعہ اشرفیہ کے دستور میں شامل ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت جامعہ اشرفیہ کے دستور کی مخالفت ہے جو لوگ جامعہ اشرفیہ میں رہتے ہوئے جامعہ اشرفیہ کے دستور کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں جامعہ اشرفیہ میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس روش کو کوئی بھی سنجیدہ معاشرہ نمک حلالی سے تعبیر نہیں کرسکتا۔

سو سال سے مسلک اعلیٰ حضرت بولا، پڑھا اور لکھا جارہا ہے: کیا واقعی لفظ بریلوی غیروں کا دیا ہوا نعرہ ہے اور اس کی حمایت غیروں کی معاونت ہے۔ اس تعلق سے حضرت مولانا مفتی سید محمد حسینی اشرفی مصباحی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ رانچور کرناٹک چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی آواز ناگپور لکھتے ہیں:

ایک صدی سے زائد عرصہ سے مسلک اہلسنت کی شناخت صرف مسلک

اعلیٰ حضرت یا مسلک بریلوی کے نام سے معروف ہے۔اس لیے کہ حنفیت اور سنیت کے نام پر ہی وہابی،دیوبندی بھی جانے جاتے ہیں۔بلکہ قادیانی بھی اپنے آپ کو حنفی ہی کہتا ہے۔ایسی صورت میں مسلک اہلسنت،صراط مستقیم سواد اعظم کی شناخت کے لیے کسی ایسے خصوصی لفظ کی ضرورت تھی جس کے ذکر ہوتے ہی تمام گمراہ وباطل پرست وبدمذہب فرقے جدا ہو جائیں۔اگر کوئی اپنے آپ کو صرف حنفی وسنی کہتا ہے تو اس میں کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی کہ آیا یہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے یا مسلک اہلسنت سے۔اگر کسی نے اپنے آپ کو حامل مسلک اعلیٰ حضرت کہا یا بریلوی کہا اس سے تمام گمراہ وبدمذہب وباطل پرست چھٹ جائیں گے۔ اب کسی کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ اہلسنت و جماعت سے نہیں ہے۔غرضیکہ جس سلسلہ سے بھی وابستہ ہو چاہے وہ قادری ہو،یا چشتی ،سہروردی،ہو یا نقشبندی،حنفی ہو یا شافعی،مالکی ہو یا حنبلی اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہلسنت میں ہونے کا مدعی ہے۔تو وہ پہلے مسلک اعلیٰ حضرت کے حامل ہونے کا اقرار کرے اور بریلوی ہونے پر یقین رکھے۔

(بدلتے زاویے ص ۴۳،۴۴ مکتبہ سنی آواز دارالعلوم امجدیہ ناگپور۔)

حضرت سید محمد حسینی اشرفی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”آج کا وہ زمانہ جو بکثرت پرانے اور نئے نئے گمراہ،بددین،مرتد فرقوں سے بھرا ہوا ہے۔اور ہر فرقہ اپنے کھرے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک اسلام اور اسلامیات وہی ہیں جن کی تصریحات اعلیٰ حضرت امام بریلوی قدس سرہٗ نے دلائل قاہرہ سے فرمادی ہے۔جس کو اہلسنت،بریلوی مسلک اور مسلک اعلیٰ حضرت،سے جانتے ہیں پہچانتے

ہیں اور اہلسنت کے علاوہ دوسرے فرقے والے بھی اسی نام کے مسلک کو سبب امتیاز مانتے ہیں اور ہم سنی اشرفی سادات یا ہمارے دوسرے غیر سادات برادران اہلسنت خواہ وہ کچھوچھہ شریف میں رہتے ہوں یا کسی دوسرے مقام پر وہ پچھلی صدی کے ہوں یا نئی صدی کے سب اسی فرق و امتیاز کے ساتھ مسلک اعلیٰ حضرت ۔یا بریلوی مسلک پر قائم ہیں۔

(گل افسانیاں ص ۲۹،۳۰/۱۹۹۴ء مکتبہ ماہنامہ سنی آواز دارالعلوم امجدیہ ناگپور)

لفظ بریلوی کے حوالے سے جانشیں حضور محدث اعظم ہند شیخ الاسلام حضرت سید شاہ مدنی میاں اشرفی الجیلانی لکھتے ہیں:

اب کوئی اشاعرہ سے ہو یا ماتریدیہ سے، حنفی یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، اگر وہ صحیح طور پر معمولات اہلسنت کا حامل ہے تو حمایت اہلسنت کی روشنی میں بریلوی ہے۔اب بریلوی ہونے کے لیے فاضل بریلوی کی ذات گرامی تک کسی سلسلۂ علمی یا سلسلۂ نسبی یا سلسلۂ بیعت وارادت کا پہنچنا یا شہر بریلوی میں مقیم رہنا ضروری نہیں رہ گیا۔اسی لیے تو ایسوں کو بھی بریلوی کہا جاتا ہے جس نے عمر بھر بریلی شریف کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔جس کا علمی یا نسبی یا کسی دوسری طرح کا کوئی سلسلہ فاضل بریلوی تک نہیں پہنچا بلکہ جہاں فاضل بریلوی کی آواز تک نہیں پہنچی ،اس اصطلاح نے بریلویت کو وہاں تک پہنچا دیا۔اب میں الحمدللہ مسلکا حنفی، نسبا جیلانی ،مشربا اشرفی اور وطنا کچھوچھوی ہونے کے باوجود اپنے کو بریلوی کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

(ماہنامہ حجاز جدید نئی دہلی ستمبر ،اکتوبر ۱۹۸۹ ابد لتے زاویے ص ۴/۵)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا مصطفےٰ رضا شبنم کمالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"میں مسلک کے اعتبار سے اس دور میں امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وارشادات ہی کو اہل

حق اہل سنت و جماعت کا مسلک سمجھتا ہوں اور اسی پر بحمدہٖ تعالیٰ میرا عمل ہے۔ واضح لفظوں میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ میں بریلوی ہوں کیونکہ اس دور پرفتن میں یہی طرۂ امتیاز اور اہل حق کا علامتی نشان ہے۔"

(علامہ شبنم کمالی کی ذاتی ڈائری سے ماخوذ)

لفظ بریلوی کے حوالے سے قاطع تجدیت حضرت مولانا مفتی محمد امان الرب صاحب رضوی صدر مفتی دار العلوم مینائیہ گونڈہ نے بڑے پتے اور دل کو چھو لینے والی باتیں کہی ہیں۔ ان کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لفظ بریلوی کے خلاف جو لوگ محاذ آرا ہیں درحقیقت وہ اس لفظ کے پردے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی پھیلتی ہوئی عظمت پہ بند باندھنا چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ اس طرح کی ذہنیت کو ہوا دینے میں مصروف ہیں ان کی حیثیت عرفی دن بدن خود مجروح و مفلوج ہوتی جا رہی ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کا تعارف مسلک اعلیٰ حضرت یا بریلوی سے کرنا تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے۔ جس طرح معتزلہ، عنادیہ، لاادریہ فرق باطلہ نے اہل سنت و جماعت کے عقائد و افکار، شعار و ضروریات میں بیجا حذف و اضافہ، کتر و بیونت اور تلبیس و فساد کا ایسا اودھم مچایا کہ اہل سنت کے اصل عقائد و نظریات بالکل گنجلک ہو گئے۔ گمرہیت و آزادروی کی عام وبا سی پھوٹ پڑی مگر ید اللہ علی الجماعۃ کا اعزاز اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت ابو الحسن اشعری و امام ابو منصور ماتریدی نے تائید غیبی و نصرت خداوندی سے عقائد اہل سنت کو روشن و واضح فرمایا، پھر جملہ مسلمانان اہل سنت کو اشعری کہتے یا ماتریدی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اشعری یا ماتریدی کے نقش قدم پر چلتے ہیں جو اسلام کے عقائد و نظریات کے مددگار و امین ہیں۔ اس دور کے بد مذہب ان دونوں نسبتوں کے طفیل اپنی چالیں فیل ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ دین تو اسلام ہے یہ

اشعری کیا ہے اور ماتریدی کیا ہے؟ اس کے جواب اس دور کے اجلہ علمائے کرام نے وہی دیے ہیں جو آج کے متعصبین کو مسلک اعلیٰ حضرت کہنے والے جواب دیتے ہیں، چنانچہ خیر الاذکیا، حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب اپنی تحقیقی کتاب ''حدوث الفتن جہاد اعیان اہل السنن'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

بعض بد مذہبوں نے کہا کہ دین تو صرف اسلام ہے پھر اشعری و ماتریدی کی طرف نسبت کیسی؟ تو ابن سبکی نے اعتراض ذکر کیے بغیر اس کا جواب دیا، فرمایا امام ابو الحسن اشعری نے نہ کوئی نئی بات گڑھی اور نہ کوئی الگ مذہب ایجاد کیا وہ تو فقط مذاہب سلف کو ثابت کرنے والے اور اس مذہب کی حمایت کرنے والے تھے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ تھے اور اسی اعتبار سے ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ وہ سلف کے طریقہ پر کمر بستہ ہوئے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور دلائل و براہین قائم کیے۔ اس لیے ان کی اقتدا کرنے والے اور دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے کو اشعری کہا جاتا ہے۔''

اسی طرح ماترید سمرقند میں ایک محلّہ ہے سمعانی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماتریدی کی طرف نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اشعری کی طرف نسبت کرنا یعنی دلائل میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے ماتریدی کہا جاتا ہے۔ وہ کسی نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنے والے نہیں تھے بلکہ وہ دین حنیف اور سنت سنیہ کے مددگار اور نئے نئے فرقوں کا رد کرنے والے تھے۔''

(حدوث الفتن ص: ۱۵۴/۱۵۳)

مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی کہنے کا یہی مطلب ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت دلائل میں اعلیٰ حضرت کے نقش قدم پر چلتے ہیں جس طرح ماترید

جگہ کا نام ہے اور تمام اہل سنت ماتریدی کہتے ہیں چاہے وہ کہیں کہ ہوں جب اس پر اعتراض نہیں تو بریلوی کہنے پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ یہ نسبت جو ہے اعلیٰ حضرت بریلوی کی اقتدا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی بنیاد پر ہے۔لہٰذا دور حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی دونوں کا استعمال غیروں سے امتیاز اور جماعتی شناخت کے لیے لازم وضروری ہے، جیسا کہ ماتریدی اور اشعری کا استعمال ماضی میں لازم وضروری تھا۔ جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت اور لفظ بریلوی کہنے پر مشتبہ ہیں اور ان کے استعمال پر مناظرانہ ومجادلانہ انداز فکر اپنائے ہوئے ہیں ان کے لیے یہ تحریر پیغام عمل بھی ہے اور راہ عمل بھی۔ (پیغام رضا ص ۲۲۔۲۳،۲۰۱۰ء)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

ہندو پاک کے اندر علمائے حق مثلاً حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی وحضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی وحضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وحضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وحضرت علامہ فضل حق خیرآبادی وحضرت علامہ فضل رسول بدایونی وامام احمد رضا ودیگر علماء ومشائخ وصوفیہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسلک ومشرب پہ گامزن مسلمان جو تقلید فقہی وتصوف اسلامی کے قائل ہیں انہیں عموماً بریلوی کہا جاتا ہے۔توہین بارگاہ الوہیت ورسالت کے جواب میں تحریک تقدس الوہیت ورسالت کے علم بردار علمائے خیرآباد وبدایوں وغیرہ کے جانشین امام احمد رضا سے نسبت کرتے ہوئے پہلے مخالفین نے بریلوی کہنا شروع کیا پھر رفتہ رفتہ اسے سنی حضرات نے بھی قبول کرلیا اور اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک مخالف کیمپ دیوبندی تحریک کی شکل میں سرگرم عمل رہے گا اس وقت تک بریلوی تحریک بھی اسی شد ومد کے ساتھ جاری رہے گی۔

سنی وشیعہ، اہل حق واہل اعتزال، علماے حق وعلماے سو، وغیرہ کی طرح برصغیر ہندوپاک کے اندر بریلوی ودیوبندی کی اصطلاح کافی حد تک رائج ہوگئی ہے۔ خود اہل سنت کے درمیان اشعری وماتریدی وحنفی وشافعی وقادری وچشتی کی اصطلاحات صدیوں سے رائج ہیں، اس لیے اگر کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان بوقت ضرورت حنفی یا قادری وغیرہ کی نسبت کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا جائز ودرست ہے یوں ہی وہابیت ودیوبندیت سے امتیاز کے لیے بوقت ضرورت اپنے آپ کو بریلوی کہنا اور لکھنا بھی صحیح ہے۔

(ماہنامہ جام نور، ص:۲۵، نومبر ۲۰۰۶ء)

لفظ بریلوی کے حوالے سے حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی لکھتے ہیں:

لفظ بریلوی کو غیروں کا عطا کردہ لقب بتایا گیا، اس میں قطعی کوئی سچائی نہیں جن لوگوں نے یہ نظریہ پیش کیا، انھوں نے صرف وہم وگمان اور خیال وظن کی بنیاد پر کہہ دیا، اس سلسلہ میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں، بنظر انصاف دیکھئے تو اہل سنت وجماعت میں سے عوام وخواص کا عمل اس کے خلاف جاتا ہے اگر واقعی یہ غیروں کا دیا ہوا لقب ہوتا تو بریلوی مسلک یا بریلویت کا نعرہ نہ لگایا جاتا، جس طرح سے رضا خوانی اور قبر پجوا کا نعرہ نہیں لگایا جاتا ہے کیونکہ یہ غیروں کے دیئے ہوئے القاب ہیں۔ مجھے سخت افسوس اور حیرت ہو رہی ہے کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے یہ کس طرح تحریر کردیا کہ بریلوی کہہ کر ہم غیروں کے معاون کیوں بنیں؟ اگر یہی معاونت ہے تو انھیں یہ مشورہ علامہ ارشد القادری، علامہ سید محمد مدنی اور انھیں کے ہم نام مولانا محمد احمد مصباحی مرحوم کو دینا چاہیے کیونکہ یہ سارا کھیل خود انھیں کے سامنے کھیلا جارہا تھا اور اس وقت آنجناب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ اس بڑے بول کا سارا

الزام اکابر ومشائخ کے سر جاتا ہے اس طرح سے اسلاف کی شخصیتوں کو مجروح کرنا کیوں کر جائز و درست ہوسکتا ہے؟ اگر بریلوی غیروں کا دیا ہوا لقب ہے تو پھر کہیں ایسا تو نہیں؟ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی غیروں کے دیے ہوئے القاب ہیں اوران اصطلاحوں کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔ صدرالمدرس صاحب نے اپنے ان خیالات کا اظہار تجلیات رضا کے صدر العلماء نمبر میں کیا۔ کاروان تجلیات رضا نے نہ معلوم کس جوش جنوں میں اسے شائع کردیا، یہ وہی بتا سکتے ہیں؟

برصغیر ہندوپاک میں صرف اہلسنت وجماعت کے مدارس، مساجد اور دوسرے مذہبی اداروں کی کوئی حتمی تعداد بتائی نہیں جاسکتی اس لیے کی اس تعلق سے ابتک کوئی سروے رپورٹ سامنے نہ آسکی ہے۔ جبکہ مذہبی اداروں کا سروے ایک بڑا دینی و مذہبی کام ہے۔ اس سے اداروں کی تعداد، ملازمین کی تعداد اور طلبہ کی تعداد کو سمجھنے اور ایک دوسرے سے ربط و تعلق استوار کرنے میں بڑی سہولت ہوگی۔ اداروں کو سامنے رکھ کر اوران کے ذمہ داروں کے باہمی مشورے سے جماعتی سطح پر ایک وفاقی بورڈ بھی تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ نظام تعلیم وتربیت میں علاقے اور زبان وبیان کو سامنے رکھ کر یکسانیت بھی لائی جاسکتی ہے اور انھیں مرکز سے جوڑا بھی جاسکتا ہے اور متحد ہوکر وقت کی ہر ابھرتی ہوئی باطل قوت کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے اور حکومت وقت سے اپنے جائز مطالبات بھی منوائے جاسکتے ہیں یہ بحث تفصیل کی متقاضی ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

برصغیر ہندوپاک میں بنام مسلمان بہت سارے فرقے اور جماعتیں پائی جاتی ہیں اور سب کے اپنے مدارس، مساجد اور فلاحی ادارے ہیں۔ کسی ایک فرقہ کے اداروں میں دوسرے فرقہ کو مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ سب کے اپنے عقائد ونظریات کے مطابق ضابطے جداگانہ ہیں۔ ان میں وہابی، دیوبندی غیرمقلد اور قادیانی شہرت رکھتے ہیں برصغیر ہندوپاک میں ان کے ادارے بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مذکورہ چاروں فرقے فکری ونظریاتی اعتبار سے بہت حد تک

متحد ہیں حالیہ چند برسوں میں ان کے آپسی اختلافات بھی کھل کر سامنے آئے ہیں پھر بھی وقت اور حالات کے تحت وہ باہم متحد ہو جاتے ہیں۔

برصغیر ہند و پاک میں اہلسنت و جماعت کی غالب اکثریت ہے۔اہلسنت و جماعت چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور چار مشارب (قادری ما چشتی، نقشبندی اور سہروردی) میں تقسیم ہیں۔اوران سب کو عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے۔دیوبندی بھی خود کو حنفی کہتے ہیں لیکن وہ کسی بھی اعتبار سے حنفی نہیں ہیں، بعض مشارب خود کو بریلوی کہلوانا پسند نہیں کرتے لیکن وہ خود کو بریلوی کہلوانا پسند کریں یا نہ کریں دنیا انھیں بریلوی کہتی ہے اور کہتی رہے گی ۔اس لیے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے اگر شبانہ یومیہ جانکاہ محنت نہ کی ہوتی تو مشارب کا حقیقی چہرہ گرد آلود ہو جاتا ۔انہوں نے تمام مذاہب اور مشارب کو یقینی تحفظ فراہم کیا ہے۔انہوں نے معمولات اہلسنت کی حفاظت وصیانت کا جو فریضہ انجام دیا ہے ماضی قریب میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جا سکتی ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات نقطہ، پرکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔ان سے الگ ہو کر اہلسنت کا کوئی فرد اپنا مذہبی و مسلکی چہرہ محفوظ نہ رکھ سکے گا۔انھیں تعصب، تنگ نظری اور گروہی عصبیت کی نگاہ سے دیکھنا جماعتی خودکشی کے مترادف ہے۔ان کے یہاں زندگی برائے ادب اور ادب برائے زندگی کا جو شعور ملتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔جماعت اہلسنت کا ہر فرد ان کے در کی خاک کو اپنی آنکھوں میں بسا لے تو بھی ان کے احسانات کا حق ادا نہ ہو گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی مسائل اور معمولات میں تقلید کو جماعتی یک قطبیت کا نام نہیں دیا جا سکتا جو لوگ ایسا تصور رکھتے ہیں وہ اپنے خاندان کی ماضی میں ناکامیوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔جس طرح اسلام میں تمام پیغمبران عظام کی عظمتوں کا اعتراف ایمان کا حصہ ہے اسی طرح مسائل و معمولات میں اعلیٰ حضرت کی تقلید تمام اولیائے کرام کی عقیدت و محبت کا اظہار ہے۔ان کا بدخواہ اولیائے امت کے روحانی فیضان سے کبھی کوئی حصہ نہ پائے گا۔انہوں نے تا حیات ناموس رسالت کے ساتھ اولیائے امت کے ناموس

کی بھی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں ان کی ذات سلطان الہند حضور سیدنا خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مملکت کے وزیر کی حیثیت رکھتی ہے جس دل میں ان کی عداوت ہوگی وہ فیضان چشت سے کبھی بہریاب نہ ہو سکے گا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر ہند و پاک میں بریلوی، دیوبندی کی اصطلاحیں عام ہو چکی ہیں۔ اکثر لوگ عام بول چال میں کہتے ہیں کہ فلاں ادارہ بریلوی مکتب فکر کا ہے۔ فلاں ادارہ دیوبندی مکتب فکر کا ہے۔ فلاں شہر میں بریلوی حضرات کی اکثریت ہے اور فلاں شہر میں دیوبندیوں کی اکثریت ہے۔ جہاں ان دونوں اصطلاحوں کو بہت زیادہ عمومیت حاصل ہے وہیں ان دونوں کو قانونی اور دستوری حیثیت بھی حاصل ہے۔ حکومت وقت کے اندراج میں بھی بریلوی، دیوبندی اصطلاحیں ملتی ہیں۔ ہندوستانی حکومت نے مدارس، مساجد اور فلاحی اداروں کو دو خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے بریلوی مدارس، دیوبندی مدارس، پاکستان میں تو ۶۰۔۷۰ سال سے زائد سے بریلوی اور دیوبندی اصطلاحوں کو قانونی و دستوری حیثیت حاصل ہے۔ اور اس حوالے سے باضابطہ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں مشاہیر فرقوں اور جماعتوں کے اداروں کی تفصیل ملتی ہے، ذیل میں مدارس عربیہ مغربی پاکستان، کی ایک سروے رپورٹ ملاحظہ کریں، یہاں صرف بریلوی اور دیوبندی اداروں کی فہرست دی جاتی ہے۔

دیوبندی ادارے:

جامعہ اشرفیہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ مدینہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ حنفیہ	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
جامعہ عربیہ رحیمیہ،	لاہور،	مسلک، حنفی دیوبندی
دارالعلوم مدینہ،	بہاول پور،	مسلک، حنفی دیوبندی
مدرسہ عطاء العلوم،	بہاول پور،	مسلک، حنفی دیوبندی

دارالعلوم تعلیم القرآن،	راولپنڈی،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مخزن العلوم	خانپور،	مسلک،	حنفی دیوبندی
جامعہ رشیدیہ	ساہیوال،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ اشاعت العلوم،	لائل پور،	مسلک،	حنفی دیوبندی
جامعہ قاسمیہ	لائل پور فیض آباد،	مسلک،	حنفی دیوبندیٰ
جامعہ اشرفیہ،	پشاور،	مسلک،	حنفی دیوبندی
دارالعلوم حقانیہ،	اکوڑہ خٹک،	مسلک،	حنفی دیوبندی
دارالعلوم کراچی،		مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ عربیہ اسلامیہ	کراچی	مسلک،	حنفی دیوبندی
دارالعلوم قوت الاسلام	حیدرآباد سندھ	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ مطلع العلوم،	کوئٹہ بلوچستان،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ قاسم العلوم،	ملتان،	مسلک،	حنفی دیوبندی
مدرسہ خیر المدارس،	ملتان،	مسلک،	حنفی دیوبندی

جائزۂ مدارس عربیہ مغربی پاکستان مطبع مسلم اکادمی لاہور ۱۹۷۲ء

مدارس اہلسنت:

دارالعلوم حزب الاحناف،	لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ نعیمیہ،	لاہور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم نعمانیہ	لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ نظامیہ رضویہ	لاہور،	حنفی بریلوی
غوث العلوم جامعہ رحیمیہ رضویہ،	سمن آباد لاہور،	حنفی بریلوی
جامعہ صدیقیہ سراج العلوم،	لاہور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم گنج بخش داتا دربار،	لاہور،	حنفی بریلوی

جامعہ نقشبندیہ فیض لاثانیہ،	رائے ونڈ،	حنفی بریلوی
جامعہ اویسیہ رضویہ،	بہاول پور،	حنفی بریلوی
دارالعلوم فیضیہ رضویہ،	احمد پور،	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ سید المدارس،	بہاول پور،	حنفی بریلوی
مدرسہ فیض العلوم،	بہاول نگر،	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ کمال العلوم	بہاول نگر،	حنفی بریلوی
جامعہ رضویہ عربیہ	ہارون آباد	حنفی بریلوی
جامعہ قطبیہ رضویہ	جھنگ،	حنفی بریلوی
مدرسہ عربیہ صدیقیہ،	ڈیرہ غازی خاں،	حنفی بریلوی
جامعہ رضویہ ضیاء العلوم،	راولپنڈی،	حنفی بریلوی
جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام،	راولپنڈی،	حنفی بریلوی
جامعہ اسلامیہ تدریس القرآن،	اسلام آباد،	حنفی بریلوی
جامعہ حمدیہ رضویہ،	رحیم یار خاں،	حنفی بریلوی
مدرسہ عربیہ سراج العلوم،	خانپور،	حنفی بریلوی
جامعہ فریدیہ	ساہیوال،	حنفی بریلوی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ	بھیرہ،	حنفی بریلوی
دارالعلوم حنفیہ،	سیال کوٹ،	حنفی بریلوی
جامعہ رضویہ مظہر اسلام	لائل پور	حنفی بریلوی
مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم،	ملتان	حنفی بریلوی
دارالعلوم حامدیہ رضویہ	کراچی	حنفی بریلوی
دارالعلوم احسن البرکات	حیدرآباد سندھ،	حنفی بریلوی
جامعہ مجددیہ	حیدرآباد	حنفی بریلوی

جامعہ راشدیہ	پیر گوٹھ	حنفی بریلوی
مدرسہ سفینۃ العلوم،	احمد پور خیر پور	حنفی بریلوی

اعلیٰ حضرت سے علما و عوام کی عقیدتوں کے بکھرے مناظر

مناظر: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی حیات ہی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح وجود میں آچکی تھی۔ آپ کے خلفا، تلامذہ اور مستفیدین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو رواج دینے میں مصروف عمل تھے۔ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، ارشادات و پیغامات کی شفافیت اور مقناطیسیت نے اکثر بلاد اسلامیہ کے حق پسند دل و دماغ کو اپنے قریب کر لیا تھا اور آپ کی قیادت و سیادت کو سب نے بالاتفاق تسلیم کر لیا تھا، جو امراض مسلمانوں کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے، آپ نے ان امراض سے نجات کی راہیں مسلمانوں پر کشادہ کر دی تھیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی رہنمائی کے مثبت خطوط متعین کر دیئے تھے۔ اعلیٰ حضرت کا عہد مسلمانوں کے لیے بڑا ہی سنگین عہد تھا اس سنگین عہد میں آپ کی ذات چراغ منزل کی حیثیت سے سامنے آئی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے فکر و خیال کا قبلہ آپ کی ذات کو بنا لیا تھا اور آپ کو حقانیت کی علامت کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ مسلک اعلیٰ حضرت مسلمانوں کی آپ سے عقیدت و احترام کا روشن اشاریہ ہے۔

برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کے دلوں میں آپ سے عقیدت و محبت کا جو چراغ جل رہا ہے اس کے کئی ایسے روشن ابواب ہیں جنہیں محسوس پیکر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ برصغیر میں اہل سنت کے ہزاروں مدارس، مساجد اور فلاحی ادارے مصروف عمل ہیں۔ ان میں کم از کم چالیس فی صد ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب ہیں اور اکثر کے دستور اساسی میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل ہے۔ ہندوستان میں مذہبی اداروں کی اب تک کوئی ڈائریکٹری کتابی شکل میں سامنے نہیں آئی ہے، اس لیے ہندوستان میں جو ادارے آپ سے نسبت و تعلق رکھتے ہیں ان کی کوئی حتمی فہرست پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ جو ادارے شہرت رکھتے ہیں ان سے زمانہ واقف ہے۔ اس سلسلے میں

علماء پاکستان ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے مذہبی اداروں اور مشاہیر شخصیات کو کبھی بھی پردۂ خفا میں نہیں رکھا۔ وہ ضرورت وحاجت کے تحت اپنے مذہبی اداروں اور مرکزی شخصیات کی فہرست کتابی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اس وقت حضرت مولانا کوکب نورانی صاحب کی ترتیب ''الخطیب'' کتابی سلسلہ یعنی عالمی سنی ڈائریکٹری ۲۰۰۳ء ہمارے پیش نگاہ ہے اس میں پاکستان کے مختلف بلاد وامصار کے قریب قریب بارہ سو مدارس اسلامیہ کے اسماء شامل ہیں ان میں کسی طرح بھی تیس فی صد ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ان اداروں کی ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(۱) جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔

(۲) جامعہ فاروقیہ رضویہ، بیج پیر گھوڑے شاہ روڈنز د گوجر پورہ، باغبان پورہ۔ لاہور

(۳) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، مین مارکیٹ گل برگ۔ لاہور

(۴) دارالعلوم جامعہ رضویہ، سنٹرل کمرشل مارکیٹ، ماڈل ٹاؤن، لاہور

(۵) جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ، بلال گنج، امیر روڈنز د چوک سردار چیل، اپور۔

(۶) جامعہ عثمانیہ رضویہ، اقبال یونانی دواخانہ میلاد چوک فاروق آباد۔

(۷) دارالعلوم فاروقیہ رضویہ تعلیم القرآن، مسجد دائرے والی، محلہ فاروق گنج۔

(۸) دارالعلوم چشتیہ نظامیہ رضویہ، تحصیل پنڈی بھٹیاں، ضلع حافظ آباد۔

(۹) جامعہ قادریہ رضویہ قمرالاسلام، نورکوٹ، تحصیل شکرگڑھ، ضلع نارووال

(۱۰) جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ، بھکھی شریف، تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین۔

(۱۱) جامعہ رضویہ ضیاء القرآن، ڈنگا، ضلع گجرات۔

(۱۲) دارالعلوم جامعہ حنفیہ رضویہ، جی ٹی روڈ، سرائے عالم گیر، ضلع گجرات۔

(۱۳) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، ڈی بلاک، سٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

(۱۴) جامعہ رضویہ انوار العلوم، ۲۴۔ پی۔ او۔ ایف، واہ کینٹ، ضلع راولپنڈی۔

(۱۵) جامعہ سراجیہ رضویہ چک نمبر ۴/۳، حسن آباد، جھنگ روڈ بھکر۔
(۱۶) جامعہ غوثیہ رضویہ شمس المدارس، نواں جنڈاں والا، تحصیل کلورکوٹ، ضلع بھکر
(۱۷) دارالعلوم کریمیہ رضویہ، ٹوبا ٹیک۔
(۱۸) دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام، جھنگ بازار، فیصل آباد۔
(۱۹) مدرسہ امینیہ رضویہ، محلّہ محمد پورہ، فیصل آباد۔
(۲۰) جامعہ قادریہ رضویہ، مصطفیٰ آباد، کودھا روڈ، فیصل آباد۔
(۲۱) جامعہ امینیہ رضویہ، بی بلاک، شیخ کالونی، جھنگ روڈ، فیصل آباد۔
(۲۲) جامعہ رضویہ سر دارالمدارس، نزد بہاری کالونی، شاہ رکن عالم کالونی۔
(۲۳) جامعہ نعمانیہ رضویہ، حامد آباد، لیّہ۔
(۲۴) جامعہ اویسیہ رضویہ، سیرانی مسجد، ملتان روڈ، بہاول پور
(۲۵) دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، ہارون آباد، ضلع بہاول نگر
(۲۶) جامعہ رضائے مصطفیٰ، تحصیل بازار، بہاول نگر
(۲۷) شمس العلوم جامعہ رضویہ، ایس ٹی ۴، این بلاک، ناتھ ناظم آباد کراچی
(۲۸) جامعہ حامدیہ رضویہ، گلشن رضا، بکس نمبر ۸۴۳۵، کراچی یونیورسٹی
(۲۹) جامعہ حسینیہ رضویہ آریجا، پوسٹ خیر محمد اسٹیشن، باقرانی، ضلع لاڑکانہ
(۳۰) دارالعلوم جامعہ غوثیہ رضویہ، انوار باہوکلی دین محمد ریکسانی، کوئٹا
(۳۱) دارالعلوم جامعہ عثمانیہ رضویہ، عثمانیہ کالونی، لاہور
(۳۲) جامعہ حیات الاسلام غوثیہ نقش بندیہ رضویہ، موضع پھلروان، لاہور
(۳۳) جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام، سراج پارک، لاہور
(۳۴) جامعہ قادریہ رضویہ، ڈھولن ہتھار، ڈاک خانہ خاص براستہ کھڈیاں
(۳۵) مدرسہ عربیہ حنفیہ رضویہ تجوید القرآن، جامع مسجد منڈی چھانگا مانگا، ضلع قصور

(۳۶) جامعہ غوثیہ رضویہ، اسلام پورہ، ڈاک خانہ ہنجراں کلاں، تحصیل چونی، ضلع قصور

(۳۷) جامعہ نقش بندیہ رضویہ، ریلوے روڈ، پاک پتن شریف

(۳۸) مدرسہ عربیہ عثمانیہ رضویہ، اوکاڑا، پاک پتن شریف

(۳۹) مدرسۃ البنات اسلامیہ رضویہ، مرکزی جامع مسجد کھجوروالی، شاہ کوٹ

(۴۰) جامعہ نظامیہ رضویہ، محلّہ نبی پورہ، سرگودھا روڈ، شیخوپورہ

(۴۱) دارالعلوم نقش بندیہ رضویہ، شاہ کوٹ روڈ، سانگلا ہل، شیخوپورہ

(۴۲) دارالعلوم چشتیہ رضویہ، نزد جنرل بس اسٹینڈ، خانقاہ دوگراں، ضلع شیخوپورہ

(۴۳) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، لاہور سرگودھا روڈ، شیخوپورہ

(۴۴) جامعہ امینیہ رضویہ للبنات، فیصل ٹاؤن، ماناوالا، ضلع شیخوپورہ

(۴۵) جامعہ حنفیہ رضویہ، جامع مسجد نور، غلہ منڈی شیخوپورہ

(۴۶) دارالعلوم رضویہ حنفیہ، عارف والا، ضلع ساہی وال

(۴۷) دارالعلوم امینیہ ارشادالمدارس، جی ٹی روڈ، چیچہ وطنی، ساہی وال

(۴۸) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، صدر بازار، چیچہ وطنی، ضلع ساہی وال

(۴۹) جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم، متصل زینت المساجد، دارالسلام، گوجراں والا

(۵۰) دارالعلوم نعمانیہ رضویہ فیضان العلوم، نعمانیہ روڈ گلی نمبر ا، محلّہ مصطفیٰ آباد اسلام آباد

(۵۱) جامعہ مجددیہ لاثانیہ رضویہ عطاء العلوم، جی ٹی روڈ، ضلع گوجراں والا

(۵۲) جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ برکات القرآن، جامع مسجد درس القرآن گوجراں والا

(۵۳) جامعہ چشتیہ رضویہ ضیاء القرآن، قلعہ والی کھوئی، تحصیل ضلع گوجراں والا

(۵۴) مدرسہ غوثیہ نعیمیہ رضویہ، گلشن زہرہ، دھونکل روڈ، وزیرآباد ضلع گوجراں والا

(۵۵) مدرسہ قادریہ رضویہ صادق الاسلام محلّہ سید پور، صدیق اکبر ٹاؤن، دھلے

(۵۶) مرکز فیضان رضا جامعۃ البنات قادریہ، بشارت ٹاؤن، لائن پار موڑ، ایمن آباد

(۵۷) جامعہ غوثیہ رضویہ بنات الاسلام، کلرآبادی، حافظ آباد، گوجراں والا

(۵۸) بنات الاسلام اویسیہ رضویہ بزد سول ہسپتال، ڈسکا، ضلع سیال کوٹ

(۵۹) دارالعلوم جامعہ نعیمیہ رضویہ الحبیب، ریلوے روڈ، ضلع سیالکوٹ

(۶۰) مدرسۃ البنات غوثیہ رضویہ، قلعہ کالروالا، ڈاک خانہ خاص ضلع سیال کوٹ

(۶۱) جامعہ غوثیہ رضویہ، سوکن ونڈ، ضلع سیال کوٹ

(۶۲) جامعہ نورانیہ حنفیہ رضویہ، نیامیانہ پورہ، معزلی رڈس روڈ، سیال کوٹ

(۶۳) جامعہ عتیقیہ رضویہ، کلاس والا، ضلع سیال کوٹ

(۶۴) جامعہ رضویہ احسن القرآن، مرکزی جامع مسجد، جی ٹی روڈ، دینا

(۶۵) دارالعلوم جامعہ رحمانیہ رضویہ، مسجد شیخاں، سوہاوہ

(۶۶) جامعہ صدیقیہ رضویہ، مقام وڈاک خانہ کھوہار، ضلع جہلم

(۶۷) جامعہ سعیدیہ رضویہ، للیانی تحصیل بھلواں، ضلع سرگودھا

(۶۸) جامعہ سلطانیہ رضویہ، ٹرک اڈا، فاطمہ جناح روڈ، سرگودھا

(۶۹) ضیاءالعلوم جامعہ شمسیہ رضویہ، بھابڑا، ضلع سرگودھا

(۷۰) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، جامع مسجد نور، جنرل بس اسٹینڈ سرگودھا

(۷۱) دارالعلوم محمدیہ مجددیہ رضویہ، طارق آباد، سرگودھا روڈ، بھلوال، ضلع سرگودھا

(۷۲) مدرسۃ العلوم نوریہ رضویہ، ڈھباشریف، ضلع چک وال

(۷۳) مدرسہ عربیہ جامعہ شمس العلوم رضویہ، محل رونق پورا، خوشاب

(۷۴) دارالعلوم شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بچھراں، ضلع میاں والی

(۷۵) جامعہ غوثیہ رضویہ، بمقام خاص پکا گھن جراں والا، ضلع میاں والی

(۷۶) جامعہ شمع صدیقیہ رضویہ، مسجد حاجی شمس الدین میاں والی شہر

(۷۷) دارالعلوم نعمانیہ رضویہ، سلطان خیل، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میاں والی

(۷۸) مدرسہ نور العلوم جامعہ نوریہ نظامیہ رضویہ، نزد پوسٹ آفس کندیاں
(۷۹) دار العلوم غوثیہ رضویہ، الرضا عربک کالج، ضلع بھکر
(۸۰) مدرسہ شیخ الاسلام رضویہ، سٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ صدر
(۸۱) جامعہ غوثیہ رضویہ لاثانیہ بنات الاسلام، مہدی محلّہ، گوجرا، ضلع ٹوبا ٹیک سنگھ
(۸۲) دار العلوم نوریہ رضویہ، بغدادی مسجد، گل برگ اے، فیصل آباد
(۸۳) جامعہ غوثیہ رضویہ مصباح العلوم، لاہور روڈ، ضلع فیصل آباد
(۸۴) دار العلوم غوثیہ سلطانیہ رضویہ، اڈا مرید والا، ضلع فیصل آباد
(۸۵) مدرسہ المعصوم جامعہ جعفریہ رضویہ منظر اسلام، جیلانی مسجد، فیصل آباد
(۸۶) دار العلوم گیلانیہ رضویہ، فیصل آباد
(۸۷) مدرستہ البنات رضویہ، تاندلیاں والا، ضلع فیصل آباد
(۸۸) مدرستہ البنات غوثیہ رضویہ، گوبند پورہ، فیصل آباد
(۸۹) جامعہ رضویہ شمس العلوم، نزد نواں اڈا لاریاں، ضلع خانیوال
(۹۰) جامعہ رضویہ انوار الابرار، بیرون دہلی گیٹ، ملتان
(۹۱) جامعہ نوریہ رضویہ انوار القرآن، نوری محلّہ، اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان
(۹۲) جامعہ رضویہ صمدیہ تعلیم الاسلام، عقب چورنگی نمبر ۱۴، ملتان
(۹۳) مدرسہ حنفیہ رضویہ سعیدیہ مصباح العلوم، ضلع وہاڑی
(۹۴) دار العلوم جامعہ حسینیہ رضویہ، فتح پور، تحصیل و ضلع لیّہ
(۹۵) دار العلوم غوثیہ رضویہ، چوک اعظم، تحصیل و ضلع لیّہ
(۹۶) جامعہ سعیدیہ حامدیہ جمال العلوم، شاہ جمال، تحصیل و ضلع مظفر گڑھ
(۹۷) مدرسہ عربیہ رضویہ باروریہ بحر العلوم، ڈاک خانہ جوہڑ پور، تحصیل و ضلع مظفر گڑھ
(۹۸) جامعہ فیضیہ رضویہ، نورانی مسجد، ضلع بہاول پور

(۹۹) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، بستی ریگراں، نز دریلوے پھاٹک، بہاول نگر

(۱۰۰) مدرسہ عربیہ اسلامیہ فیض رضا اہل سنت وجماعت، ڈونگا ونگا، ضلع بہاول نگر

(۱۰۱) جامعہ سکندریہ رضویہ، چشتیاں اڈا، گل برگ، رحیم خان

(۱۰۲) دارالعلوم جامعہ محمدیہ رضویہ، ملحقہ مدنی جامع مسجد، رحیم یار خان

(۱۰۳) انجمن مدرسہ عربیہ رضویہ شمس العلوم، شہباز پور روڈ، رحیم یار خان

(۱۰۴) سلطان المدارس حسینیہ رضویہ، تحصیل صادق آباد، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۵) مدرسہ عربیہ جامعہ غوثیہ رضویہ ریاض العلوم، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۶) مدرسہ سعیدیہ منظور رضا، صادق آباد، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۷) مدرسہ عربیہ غوثیہ رضویہ اظہر العلوم، منصور آباد خان بیلا، تحصیل لیاقت پور

(۱۰۸) دارالعلوم جامعہ اویسیہ سعیدیہ رضائے مصطفیٰ، ضلع رحیم یار خان

(۱۰۹) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، کدھر شریف، تحصیل پھالیہ

(۱۱۰) دارالعلوم سلیمانیہ رضویہ، مانگٹ شریف، تحصیل پھالیہ

(۱۱۱) جامعہ فضل العلوم رضویہ الحسنین اکیڈمی، سوندھی پورہ، سرگودھا روڈ، گجرات

(۱۱۲) جامعہ فاروقیہ رضویہ، کوٹلہ ارباب علی خان، ضلع گجرات

(۱۱۳) دارالعلوم انوار رضا، ڈھوک منکیال، راول پنڈی

(۱۱۴) جامعہ غوثیہ رضویہ، پشاور روڈ، چوہڑ پال، راول پنڈی

(۱۱۵) جامعہ محمدیہ رضائے مصطفیٰ، آرا ے بازار، راول پنڈی کینٹ

(۱۱۶) جامعہ حنفیہ رضویہ انوار القرآن، محلّہ اڈا، ضلع راول پنڈی

(۱۱۷) جامعہ غوثیہ معینیہ رضویہ ریاض الاسلام، اٹک

(۱۱۸) دارالعلوم نوریہ رضویہ (ٹرسٹ)، کراچی

(۱۱۹) دارالعلوم حنفیہ رضویہ، گرین ٹاؤن، کراچی نمبر ۴۳

(۱۲۰) جامعہ اشرفیہ رضویہ، سیکٹر نمبر ۱۶ ا/ اورنگی ٹاؤن کراچی

(۱۲۱) مدرسہ فیضان رضا، دھوراجی کالونی گلشن اقبال، کراچی

(۱۲۲) دارالعلوم کنز الایمان رضویہ، نز د ریلوے پلیٹ فارم، میر پور خاص (سندھ)

(۱۲۳) جامعہ فیض رضا، ایئر پورٹ روڈ، لطیف آباد، حیدر آباد

(۱۲۴) دارالعلوم قاسمہ رضویہ، کمبوہ شریف، ڈیرا اسماعیل خان

(۱۲۵) مدرسہ چشتیہ رضویہ، پہاڑ کالونی، ضلع ڈیرا اسماعیل خان

(۱۲۶) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، مرکزی جامع مسجد اوگی۔ ضلع مانسہرہ ہزارہ

(۱۲۷) دارالعلوم قادریہ رضویہ، انسبڑ، ضلع دیر

(۱۲۸) مدرسہ البرکاتیہ جامعہ انوار رضا، وزیر آباد، ضلع ٹانک (سرحد)

(۱۲۹) جامعہ غوثیہ رضویہ، محلّہ قادریہ وارڈ نمبر ۷، ڈیرا امراد جمالی بلوچستان

(۱۳۰) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، جامع مسجد کٹھے والی، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۱) دارالعلوم حنفیہ رضویہ اہل سنت، ضلع پونچھ مقبوضہ کشمیر

(۱۳۲) جامعہ اسلامیہ رضویہ، مین بازار، چک سواری، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۳) ضیاء الاسلام رضویہ للبنات، بمقام وڈاک خانہ بارل، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۴) مدرسہ نوریہ رضویہ مدرسۃ البنات، مقبوضہ کشمیر

(۱۳۵) جامعہ غوثیہ رضویہ بنات المسلمین، کلسن سنگرلہ، ضلع پونچھ مقبوضہ کشمیر

(۱۳۶) برکات العلوم جامعہ نقش بندیہ رضویہ، گنج مغل پورہ، لاہور

(۱۳۷) دارالعلوم جامعہ کریمیہ رضویہ، دربار حضرت حاجی شیخ عبدالکریم چشتی صابری، لاہور

(۱۳۸) جامعہ تعلیم القرآن فاروقیہ رضویہ، کوٹ رادھا کشن، ضلع قصور

(۱۳۹) مدرسہ عابد العلوم غوثیہ رضویہ، ضلع قصور

(۱۴۰) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ رضویہ، نئی آبادی، ضلع اوکاڑا

(۱۴۱) دارالعلوم غوثیہ رضویہ، تحصیل و ضلع شیخوپورہ

(۱۴۲) جامعہ صدیقیہ مجددیہ رضویہ، سانگلا ہل شیخوپورہ

(۱۴۳) دارالعلوم جامعہ شریفیہ رضویہ، جاتری کہنہ، تحصیل و ضلع شیخوپورہ

(۱۴۴) دارالعلوم فیض رضا حنفیہ رضویہ، مانا والا روڈ، احمد پور شیخوپورہ

(۱۴۵) مدرسہ تدریس القرآن غوثیہ رضویہ، ساہو کے ورکاں، ضلع گوجراں والا

(۱۴۶) جامعہ رضویہ قمر المدارس، محلّہ شمس العارفین بالمقابل کنگنی والا، گوجراں والا

(۱۴۷) مدرسہ چشتیہ رضویہ قمر العلوم، چشتی اسٹریٹ، گوجراں والا

(۱۴۸) جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، جلال پور بھٹیاں، ضلع حافظ آباد

(۱۴۹) دارالعلوم چشتیہ رضویہ اہل سنت و جماعت، ضلع حافظ آباد

(۱۵۰) مرکزی دارالعلوم جامعہ قادریہ رضویہ، ضلع گجرات

(۱۵۱) جامعہ محمدیہ رضویہ تجوید القرآن، ضلع گجرات

(۱۵۲) مدرسہ کنزالایمان، پیر خانہ تحصیل سرائے عالم گیر، ضلع گجرات

(۱۵۳) جامعہ اسلامیہ رضویہ، کوندل ٹاؤن، نزد اسٹیڈیم، منڈی بہاؤالدین

(۱۵۴) مدرسہ نعیمیہ رضویہ، جامع مسجد سیدنا علی، کراچی کمپنی، اسلام آباد

(۱۵۵) دارالعلوم صدیقیہ رضویہ، ڈھوک منگٹال، راول پنڈی

(۱۵۶) مدرسہ نوریہ رضویہ، مسجد المصطفیٰ ماڈل کالونی ڈھوک، راول پنڈی

(۱۵۷) دارالعلوم جلالیہ رضویہ، ڈھوک چوہدریاں، راول پنڈی کینٹ

(۱۵۸) جامعہ نظامیہ رضویہ، جناح کالونی، واہ کینٹ، راول پنڈی

(۱۵۹) جامعہ غوثیہ رضویہ، مرکزی عیدگاہ، گوجر خان، ضلع راول پنڈی

(۱۶۰) جامعہ عربیہ رضویہ علوم المرتضیٰ، مقام میان ڈاک خانہ خاص، ضلع سرگودھا

(۱۶۱) دارالعلوم رحمانیہ حسینیہ رضویہ، ضلع خوشاب

(۱۶۲) جامعہ خلیلیہ رضویہ، ضلع میاں والی

(۱۶۳) جامعہ غوثیہ رضویہ، اسلام پورہ (روڈی)، ضلع بھکر

(۱۶۴) جامعہ رضویہ فیض بارو، نزد پل پتھراوی، تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ

(۱۶۵) جامعہ شیخ الحدیث منظرِ اسلام، گلشن کالونی، فیصل آباد

(۱۶۶) مدرسۃ البحث انوار العلوم رضویہ، اڈا مریدوالا، ضلع فیصل آباد

(۱۶۷) مدرسہ غوثیہ رضویہ مظہر الاسلام، محلّہ لطیف نگر، سمندری، ضلع فیصل آباد

(۱۶۸) دار العلوم جامعہ غوثیہ رضویہ محی الاسلام، جہاں گیر کلاں، ضلع فیصل آباد

(۱۶۹) جامعہ غوثیہ رضویہ شمس القرآن، پل بارامیل ڈاک خانہ جودھ پور، ضلع خانیوال

(۱۷۰) جامعہ اویسیہ رضویہ سیرانیہ، کالونی روڈ، میلسی، ضلع وہاڑی

(۱۷۱) جامعہ رحیمیہ شاہیہ رضویہ (انجمن فروغ القرآن)

(۱۷۲) جامعہ رضویہ نوریہ تعلیم القرآن، اڈا ماچھیاں والا، ضلع وہاڑی

(۱۷۳) مدرسہ سعیدیہ رضویہ قادریہ قمر الاسلام، آستانہ عالیہ سید خاص شاہ، ضلع مظفر گڑھ

(۱۷۴) مدرسہ عربیہ رضویہ مدینۃ العلوم، نیو اڈا، مسلم ٹاؤن، ضلع رحیم یار خان

(۱۷۵) جامعہ رضویہ مدینۃ العلوم، فلڈ کالونی، شوگر ملز، ضلع رحیم یار خان

(۱۷۶) جامعہ رضویہ مظہر العلوم، فورٹ عباس، ضلع بہاول نگر

(۱۷۷) مدرسہ عربیہ رضویہ مظہر العلوم، ضلع بہاول نگر

(۱۷۸) مدرسہ انوار رضا، نارتھ کراچی

(۱۷۹) دار العلوم اسلامیہ رضویہ، ٹھری روڈ، ضلع نواب شاہ

(۱۸۰) دار العلوم جامعہ رضویہ سلیمانیہ نظامیہ، جامع مسجد چوگلا، ضلع ڈیرا اسماعیل خان

(۱۸۱) مدرسہ انوار العلوم غوثیہ رضویہ، عقب سول ہسپتال، بلوچستان

(۱۸۲) دار العلوم قادریہ رضویہ، النگی پارکھ، معرفت سیٹھ کشاول، مسجد روڈ، خضدار

(۱۸۳) جامعہ امینیہ رضویہ، حیدر آباد، راکاں گڑھ، ضلع میرپور، مقبوضہ کشمیر

(۱۸۴) دارالعلوم محمدیہ رضویہ، محمدی کوٹ، لاہور

(۱۸۵) جامعہ جماعتیہ رضویہ، لاہور

(۱۸۶) مدرسہ نوری قادری رضویہ ضیاء القرآن

(۱۸۷) جامعہ رشیدیہ رضویہ، متصل جامع مسجد مدینہ، لاہور

(۱۸۸) جامعہ غوثیہ رضویہ، موضع جامن شریف، ضلع لاہور

(۱۸۹) جامعہ قادریہ رضویہ برکات القرآن قصور

(۱۹۰) مدرسہ غوثیہ مہریہ رضویہ سردار العلوم

(۱۹۱) مدرسہ سلطانیہ رضویہ متصل جامع مسجد پیر عبداللہ شاہ جی روڈ، ضلع گوجراں والا

(۱۹۲) مدرسہ حنفیہ رضویہ اکرم العلوم، جامع مسجد فیض مدینہ، ضلع گوجراں والا

(۱۹۳) جامعہ رضائے مصطفیٰ، نوشہرہ ورکاں، ضلع گوجراں والا

(۱۹۴) جامعہ غوثیہ حنفیہ رضویہ تعلیم القرآن، نعمانیہ روڈ، گوجراں والا

(۱۹۵) جامعہ حنفیہ رضویہ صادق العلوم، حافظ آباد روڈ، گوجراں والا

(۱۹۶) مدرسہ اشرفیہ رضویہ، وہنا عظمت شریف، ضلع حافظ آباد

(۱۹۷) مدرسہ غوثیہ رضویہ تعلیم القرآن، ضلع سیال کوٹ

(۱۹۸) مرکزی دارالعلوم جامعہ حنفیہ رضویہ خورشید العلوم

(۱۹۹) مدرسہ اشاعت الاسلام رضویہ، جامع مسجد سائیں رحمت، ضلع گجرات

(۲۰۰) دارالعلوم جامعہ حیدریہ رضویہ انوار القرآن، محلّہ شفقت آباد منڈی بہاؤالدین

(۲۰۱) دارالعلوم قمریہ رضویہ فخر الاسلام، ضلع منڈی بہاؤالدین

(۲۰۲) جامعہ نقش بندیہ رضویہ، جامع مسجد حنفیہ غوثیہ، راول پنڈی

(۲۰۳) جامعہ محمدیہ رضویہ، مرکزی جامع مسجد ذوالنورین، اسلام آباد

(۲۰۴) جامعہ علیمیہ رضویہ ضیاء القرآن، آئی ٹن فور، اسلام آباد
(۲۰۵) جامعہ انوار الاسلام غوثیہ رضویہ، لائن پارک، چک وال

مذکورہ اداروں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے عوامی عقیدت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو لوگ اعلیٰ حضرت سے عوامی عقیدت کا رشتہ توڑنا چاہتے ہیں انہیں اپنے فکر و عمل پہ سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ جو ادارے اعلیٰ حضرت سے منسوب ہیں وہ پانی کا بلبلہ نہیں ہیں کہ معمولی ہوا کے جھونکوں سے اپنا وجود کھو بیٹھیں بلکہ یہ عقیدت کی دریا لہریں ہیں جو تا قیامت چلتی رہیں گی بلکہ وقت، حالات اور رفتار زمانہ کے تحت ان میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اسی لیے شاعر نے کہا ہے

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

صاحب کتاب کا مختصر سوانحی خاکہ:

حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی کی ولادت ۱۹۶۲ء میں ضلع بانکا بہار کے ایک علمی خانوادے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے خاندانی بزرگوں کے زیر سایہ حاصل کی۔ جماعت ثانیہ تک اپنے علاقے ہی کے علما و فضلاء سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت کا جذبۂ بیکراں لے کر ۱۹۷۶ء میں ملک کی قابل ذکر دانش گاہ جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں داخل ہوئے۔ مسلسل ۵ر سال تک حصول علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ ۱۹۸۱ء میں امتیازی نمبرات سے سند فضیلت حاصل کی اور اکابر علماء و مشائخ کے ہاتھوں دستار فضیلت سے شرفیاب ہوئے۔ جامعہ حمیدیہ رضویہ ہی میں حضرت مولانا مفتی یامین صاحب رضوی شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس کے زیر کرم کار افتاء میں مشق و ممارست حاصل کی اور تخصص فی الفقہ کی سند سے نوازے گئے۔ اسی دوران حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں صاحب سجادہ خانقاہ رضویہ بریلی شریف نے اپنی خلافت

واجازت سے نوازا۔

اساتذہ کرام: غزالی دوراں، رازی زماں، حضرت علامہ مولانا قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ، یادگار سلف عمدۃ الخلف حضرت علامہ مفتی محمد خادم رسول صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، عالم باوقار حضرت علامہ مولانا محمد نجم الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، فاضل خوش مقال حضرت علامہ ابوالفتح محی الدین احمد ہشام شہزادہ گرامی حضرت مصنف قانون شریعت، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ، مولوی محمد یوسف علی نعمانی علیہ الرحمہ۔

تعلیمی لیاقت: مولوی، منشی، عالم، فاضل درس نظامی، فاضل دینیات، فاضل معقولات، فاضل عربی ادب، فاضل طب، ادیب کامل، معلم، ایم اے۔

درس وتدریس: ملک کی مشہور ومعروف علمی دانش گاہوں میں آپ نے امور تدریس انجام دیئے۔ خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مدارس قابل ذکر ہیں۔ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف، دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم رام پور اور مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں کے منصب پر صدر مدرس ۲۲ راپریل ۱۹۸۴ء سے فائز ہیں۔

انفرادی خصوصیات: فکر رسا ذہانت، معاملے کی پاتال تک پہنچنے کا حوصلہ، ہر نشیب وفراز سے گزر جانے کی جرأت، پیچیدہ حالات میں بھی مسکرانے کی عادت، ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی سرشت، حسن سلوک، رواداری، ہم آہنگی علمی وقار اور فکر توازن سے کام لینا آپ کی انفرادی خصوصیات ہیں۔

علمی وتہذیبی خدمات: درس وتدریس کے علاوہ تحریر وتصنیف سے بھی آپ طبعی لگاؤ رکھتے ہیں، ہند اور بیرون ہند کے مختلف موقر اخبار رسائل میں آپ کے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے ہیں آپ کے کچھ اہم مقالات کے عنوانات اس طرح ہیں۔ امام احمد رضا کے عربی قصائد کا تجزیاتی مطالعہ، امام احمد رضا اور تحقیقات آب، امام احمد رضا اور فوٹوگراف، حضور مفتی اعظم قیادت اور اسباب وعوامل، اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، لفظ اعلیٰ

حضرت معنی ومفہوم اور استعمال، لفظ کملی کی تحقیق، صاع اور کیلوگرام کا معادلہ، درہم دینار اور جدید کلوگرام، مشتاق احمد نظامی ایک ہمہ جہت شخصیت، علامہ ارشد القادری ایک ہمہ جہت شخصیت، لفظ بریلوی علم وفکر کے تناظر میں، کیا اہل سنت وجماعت کو بریلوی کہنا نادانی ہے، صدر العلماء اور علم حدیث وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ آپ کی کچھ کتابیں جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ حقیقت یا صرف افسانہ، خنجر حق، ماہ طیبہ، مولانا حسن بریلوی شخصیت اور شاعری، مجرم تم نہ کہ ہم آفتاب و ماہتاب، مسلک والسلوک ترجمہ، وغیرہ وغیرہ۔ (سلک السلوک، ص:۴،۵)

صاحب کتاب اہل فکر وفن کی نظر میں: حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی علم کے حوالے سے اہل فکر وفن میں متعارف ہیں، درس وتدریس، فتویٰ نویسی اور تحریر وتقریر ان کے محبوب مشاغل ہیں۔ اور ہر فن میں اپنی جداگانہ شان رکھتے ہیں۔ اہل علم وفن ان کے مقالات اور قلمی سرمائے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، رضویاتی ادب کے فروغ میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، ان کی ہر تحریر دلائل وبراہین سے مزین ہوتی ہے، ان کے قارئین میں علما اور مفکرین کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت کے تعلق سے اہل زبان وقلم کے تاثرات ملتے ہیں ذیل میں جماعت اہل سنت کی چند اہم شخصیات کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی مصباحی امریکہ:

مفتی شمشاد حسین رضوی سے میری دو چند ملاقاتیں رہی ہیں۔ ان کو میں نے گہری بصیرتوں کا حامل پایا، گفتگو میں بڑی سنجیدگی اور حقانیت پائی جاتی ہے، ہند وپاک کے موقر رسائل وجرائد میں اکثر چھپتے رہتے ہیں۔ ان کے مقالات بڑے جامع اور وقیع ہوتے ہیں، اپنی تحریروں میں وہ دلائل کی زبان استعمال کرتے ہیں، ان کا قاری کسی بھی منزل میں الجھنوں کا شکار نہیں ہوتا، ایسے ہی لوگوں سے جماعت اہل سنت کا بھرم قائم ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری:

برصغیر ہندوپاک میں رضویاتی ادب کو فروغ دینے والوں میں کچھ نام بہت نمایاں ہیں ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کئی اعتبار سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔فکر رضا کے خلاف جب بھی کوئی آواز بلند ہوتی ہے تو موصوف دفاعی آواز کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں اور اس وقت تک میدان میں ڈٹے رہتے ہیں جب تک مخالف اپنی شکست تسلیم نہیں کرلیتا،انہیں زبان وبیان پہ قدرت حاصل ہے۔اپنی باتوں کو دلائل سے مزین کرنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ان سے اہل سنت کو بہت ساری امیدیں ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل انہیں عمر طویلی سے ہمکنار فرمائے آمین۔

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، نائب قاضی ادارہ شرعیہ پٹنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وابستگی بہت بڑی سعادت و نیک بختی ہے۔اعلیٰ حضرت سے جو وابستہ ہوتا ہے اگر ذرہ ہے تو آفتاب ہوجاتا ہے،اگر قطرہ ہے تو سمندر ہوجاتا ہے،تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا پورا وجود اعلیٰ حضرت کی محبت سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔اخبار ورسائل کے ذریعہ انہیں بہت دنوں سے پڑھتا آرہا ہوں،انہوں نے فکر رضا کی ترویج کو اپنا ترجیحی عمل بنالیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر چرچے میں رہتے ہیں بدایوں شریف کی سرزمین پر رہتے ہوئے بھی انہوں نے اپنی شناخت کو میلا ہونے نہیں دیا۔وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب عمل بھی،ان کے زبان وبیان میں بھی بڑی نفاست ہے۔رب کائنات انہیں دارین میں عافیت عطا فرمائے آمین۔

حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی ایم اے۔

میری زندگی کا بیشتر حصہ علماء کے درمیان گزرا ہے،علماء کے احترام کا جذبہ مجھے ورثے میں ملا ہے۔حضور مفسر اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی عظیم ذات میرے غریب خانہ کو مہینوں اپنے قدموں کی برکتوں سے شادکام فرمایا کرتی تھی میں نے بہت ساری شخصیات کی خدمت بھی

کی ہے اور انہیں قریب سے دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ جماعت کی کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں دلچسپی سے پڑھا بھی ہے اور قریب سے دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہے، انہیں میں ایک ذات حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی کی بھی ہے۔ موصوف کی ذات بہت ساری خوبیوں کی حامل ہے، موصوف فکر رضا کی ترویج وتشہیر کا بڑا پرخلوص جذبہ رکھتے ہیں۔ ادھر کئی سالوں سے ان لوگوں کا بڑا سنجیدہ تعاقب کر رہے ہیں جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان ہے۔ اس حوالے سے مفتی صاحب کے کئی تحقیقی مقالات نگاہ سے گزرے ہیں۔ ان مقالات کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ بھی ہوا اور قلب ونگاہ کو سکون بھی ملا۔ یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہ مقالات اب کتابی شکل میں "مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر" کے نام سے اشاعت کے لیے تیار ہیں۔ مولائے کریم اس کتاب کو قبولیت عامہ وتامہ عطا فرمائے اور موصوف کو اس طرح کے کام کی مزید توفیق بخشے، آمین۔

جام نور کی نشاۃ ثانیہ کا بنیادی مقصد:

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ماہنامہ جام نور دہلی کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، جام نور کی نشاۃ ثانیہ کا واحد مقصد صلح کلیت کو فروغ دینا تھا، اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف کے جلائے ہوئے چراغ تھے، یہ تین چیزیں جماعت اہل سنت کے لیے قیمتی اثاثہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ماہنامہ جام نور نے ان تین چیزوں کو تدریجاً نشانہ بنانا شروع کیا۔ ابتداً اس نے اشارے کنایے کی زبان استعمال کی جب اس نے یہ محسوس کرلیا کہ سمندر موج سے خالی ہو چکا ہے تو اس نے کھل کر اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور میراث اسلاف کو نشانہ بنانا شروع کیا، پہلے پہل اس نے لفظ بریلوی کو مشق ستم بنایا جب اس نے دیکھا کہ اس سے بھی سمندر میں کوئی اچھال نہیں آیا تو اس کے حوصلے کو مزید توانائی ملی اور اس نے مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا،

اگر کوئی شخص اس کے تفصیلی شواہد دیکھنا چاہتا ہے تو راقم کی ترتیب امتیاز اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کرے۔

جام نور اکتوبر ۲۰۰۷ء میں ذیشان احمد مصباحی کا مضمون دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟ دو قسطوں میں شائع ہوا۔ مضمون کا کوئی حرف جماعتی روایات سے میل نہیں کھاتا، مضمون میں دوسرے بے بنیاد دعووں میں ایک دعویٰ یہ بھی کیا گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہے، مضمون جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بعض اساتذہ کی سرپرستی میں لکھا گیا، جب کہ جامعہ اشرفیہ کے دستور اساسی میں مسلک اعلیٰ حضرت شامل ہے۔ اگر مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ کا دیا ہوا نعرہ ہوتا تو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اسے اشرفیہ کے دستور میں قطعی شامل نہ کرتے، مضمون نگار اور اس کے ہمنواؤں کی جہالت اور نادانی کا اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن افسوس اور بے پناہ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی اعلیٰ قیادت آج تک اس مضمون سے اپنی برأت کا اعلان نہ کر سکی ہے۔

مضمون کی اشاعت کے بعد پورے ملک میں جام نور اور جامعہ اشرفیہ کے خلاف بیزاری کی شدید لہر پھیل گئی۔ چونکہ یہ حملہ صرف حضور حافظ ملت کی ذات پہ نہیں تھا بلکہ اسلاف کی سوسالہ میراث پر بھی تھا۔ اسلاف نے اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو ہمیشہ اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ فکر امام کی ترویج وتشہیر میں اسلاف کی بے پناہ قربانیاں ہیں۔ اسلاف کی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہمارا جماعتی تشخص محفوظ ہے۔

ماہنامہ جام نور کے اٹھائے گئے فتنوں کا سر کچلنے کے لیے اہل زبان قلم، ذی علم خطبا وواعظین اور سنجیدہ افراد کی ایک بہت بڑی جماعت میدان میں اتری۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے ثبوت میں مضامین لکھے گئے، ان مضامین پر مشتمل مختلف اخبار ورسائل کے ضخیم نمبرات شائع ہوئے، بنام تحفظ مسلک اعلیٰ حضرت پورے ملک میں ہزار سے زائد جلسے ہوئے، کانفرنسیں ہوئیں اور سنجیدہ افراد کی طرف سے احتجاجی تحریکیں چلائی گئیں اور مختلف شکلوں میں احتجاج کا

سلسلہ ہنوز جاری ہے، زیر نظر کتاب ''مسلک اعلیٰ حضرت منظر پس منظر'' اسی احتجاج کا حصہ ہے۔

''مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر'':

کتاب ۹؍ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں مصنف اور مرتب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، باب دوم افتراق وانتشار کا فکری وتنقیدی مطالعہ، باب سوم علامتوں کا آئینہ، باب چہارم بحرانی حالات، باب پنجم تجزیاتی عمل، باب ششم جذبۂ انحراف کیوں؟، باب ہفتم ایک خوبصورت فریب، باب ہشتم بدلی کا چاند یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کا نکھار، باب نہم امام احمد رضا بحیثیت مجدد قادریت۔ کتاب کا ہر باب اپنے پہلو میں بہت سارے ضمنی عناوین لیے ہوئے ہے اور ہر عنوان اپنے قاری کے تجسس میں اضافہ کر دیتا ہے۔ دوران مطالعہ قاری کسی مقام پہ تھکن کا شکار نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا شمار جماعت اہل سنت کی ذی علم، متحرک اور فعال شخصیات میں ہوتا ہے۔ ان میں فقہی، درس گاہی اور خانقاہی تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ پل پل بدلتے ہوئے جماعتی حالات پہ ان کی گہری نظر ہے، انہوں نے جماعت مخالف تحریکات کو کچلنے میں جو مجاہدانہ، سرفروشانہ اور قائدانہ رول ادا کیا ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حق کی ترویج میں ان کی ذات مصلحت کی کبھی شکار نہیں ہوئی، بڑے بڑے درسگاہی اور خانقاہی چہرے ان کے سامنے آئے لیکن کوئی بھی بڑا چہرہ انہیں خوف زدہ نہیں کر سکا، بلکہ انہوں نے اپنے قلم کی نوک سے سب کو لہولہان کر دیا، ان کی تحریروں میں بڑی جامعیت اور مقناطیسیت پائی جاتی ہے، وہ ہمیشہ تحقیقاتی اور استدلالی گفتگو کرتے ہیں ان کی انفرادی خصوصیات کا ان کے مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں۔ انہوں نے جماعتی ومسلکی مخالفین کو ہمیشہ کھلے میدان میں آنے کی دعوت دی ہے۔ ان کی تحریروں کے حرف حرف سے ان کا مذہبی اور مسلکی درد جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو کبھی بے قابو ہونے نہیں دیتے، وہ مخالف کی ہر تحریر کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اتنی ہی

سنجیدگی سے اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

"مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر" ان کے وفور علمی، جذبات دینی اور ان کی اعلیٰ جرأت وہمت کا بے غبار آئینہ ہے، اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور میراث اسلاف کے حوالے سے ملک میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے جذبات وخیالات اور درد کی اٹھتی ہوئی لہروں کو اپنے دلوں میں دبائے بیٹھے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری آواز صحراؤں میں بھٹک بھٹک کر دم توڑ دے گی، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کا خیال اس کے برعکس ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر آج جماعت کا ذی علم، ذی شعور اور ذی فہم طبقہ ہماری آواز کو قابل توجہ نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے مگر آنے والی نسلوں کے لیے ہماری آواز یقیناً چراغ راہ کا کام دے گی۔ پھر یہ کہ فکر امام ایک ایسا دائرہ ہے کہ سب کو ایک نہ اک دن اسی دائرے کے اندر آنا ہے، اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا ہے

مرکزیت ہے بریلی کو نصیب
نقطۂ پرکار ہیں احمد رضا

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں دلائل کی روشنی میں کہتے ہیں۔ ہواؤں میں انہوں نے تیر چلانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت آج تک صرف اور صرف ہواؤں میں تیر چلا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدم قدم پر انہیں ندامت کی آگ میں جلنا پڑ رہا ہے، ندامت کی آگ نے ان کے چہروں کو اس طرح جھلسا دیا ہے کہ وہ اپنوں کے سامنے آنے سے بھی جھجھکتے ہیں۔ مفتی صاحب اپنی کتاب "مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر" میں ایسے لوگوں سے جگہ جگہ سوال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ارباب فکر ودانش، اصحاب تجربہ کا محاورہ ہے۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، یہ ایک ایسا محاورہ ہے جس پر تمام افراد کا اتفاق ہے۔ عوام بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں اور خواص بھی، بلکہ وہ افراد بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں جو

اخص الخواص کے درجہ پر فائز ہیں۔یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک اور بریلویت پر یہ محاورہ پورے طور پر صادق آتا ہے کہ یہ کل بھی زبانِ خلق پر تھا آج بھی ہے تو پھر اِسے زبان خلق کو نقارۂ خدا کیوں نہیں سمجھا جارہا ہے اور اِسے حق وصداقت سے کیوں نہیں تعبیر کیا جارہا ہے؟ آخر وہ کون ساجذبہ ہے جو اس اعتراف حق میں مانع ہورہا ہے؟ اس کی وضاحت کی جائے۔

فقہ کا ضابطہ ہے جسے لوگ اچھا تصور کریں وہ اچھا ہے اور جسے انسانوں کا جم غفیر برا تصور کرے وہ برا ہے۔یہ ایک مسلم ضابطہ ہے،فقہ کے بہت سے مسائل اسی ضابطہ سے حل کیے جاتے ہیں یہ ضابطہ بھی مذکورہ اصطلاحوں پر صادق آتا ہے۔مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ یقین کرتا ہے کہ دورِ حاضر میں مسلک اہل سنت وجماعت کی علامت اور نمائندہ تحریر اگر کوئی ہے تو وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکار ونظریات ہیں اور ان کی کتابوں میں مذکور عقائد ورسومات ہیں یعنی مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی مسلک ہے اس کے باوجود اس کے علامتی نشان ہونے کو آج چیلنج کیوں کیا جارہا ہے اور اسے کس بنیاد پر مجروح کیا جارہا ہے؟

مفتی صاحب دوسری جگہ مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت کو ان کی کوتاہ فہمی اور غلط بیانی کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

لفظ بریلوی علامتی نشان ہونے کے سبب اب اس کا معنی محدود نہیں بلکہ غیر محدود، نہایت ہی وسیع اور اہل سنت وجماعت کا مترادف بن گیا۔ شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی اس وسیع معنی کے اعتبار سے

> بریلوی ہیں مگر جام نور کے توسط سے یاران نکتہ داں نے لفظ بریلوی کے معنی ومفہوم میں جدید فرقہ کا معنی شامل کر دیا اور اسی بنیاد پر ترک استعمال کا مشورہ بھی قوم وملت کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ مشورہ سرے سے غلط ہے کیونکہ لفظ بریلوی سے کسی بھی صورت میں جدید فرقہ کا معنی متبادر نہیں تو پھر اسے بنیاد بنا کر ترک استعمال کا مشورہ دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ مگر انھیں تو ذہنوں میں تکدر اور فکر وشعور میں مسموم فضا قائم کرنا تھا اور انھوں نے کر دکھایا مگر ہماری ہی جماعت کے کچھ دانشوروں، مفکروں نے اس کا سراغ لگائے بغیر اپنے تائیدی کلمات عطا کر کے، کاروان جام نور میں شمولیت اختیار کر لی، یہ خاموش کیفیت کیا انقلاب پیدا کریگی؟ یہ وقت اور حالات بتائیں گے۔

مفتی صاحب ایک اور جگہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو جماعت اہل سنت کا علامتی نشان بتاتے ہوئے مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت سے عوام اہل سنت کو ہوشیار رہنے کی اس انداز میں دعوت دیتے ہیں:

> امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جماعت اہل سنت کے تحفظ اور ناموسِ رسالت کی صیانت کے لیے جو کوششیں کی اور جس جرأت مندانہ انداز میں دین ومذہب، علم وادراک، فکر وتدبر اور فقہ وتفسیر کے فروغ وارتقاء میں حصہ لیا۔ وہ تاریخ کا انمٹ حصہ ہے۔ کسی بھی دور میں اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنجیدہ دماغ رکھنے والا کوئی مورخ اسے مٹا سکتا ہے مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جس جماعتی سرمایہ کو ہمارے سپرد کیا ہم اس کی حفاظت نہیں کر پا رہے ہیں بلکہ اسے مختلف خانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ ایسے افراد نمود پا رہے ہیں جو ہماری جماعت میں گھس کر امام احمد رضا کی

> خدمات کو بالائے طاق رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، مسلک اعلیٰ حضرت، مذہب اہل سنت کا علامتی نشان بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تہذیبی روایات بھی ہے قوم وملت کا بہترین سرمایا بھی، مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا رہ کر اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرنا ایک کھوکھلا دعویٰ ہے صرف زبانی نعرہ ہے۔ ایسے دعووں اور نعروں سے چوکنا رہیے کہ یہی وقت کی آواز ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا بھی۔ کاروان جام نور اور نئے قلمکار اس مزاج وسرشت پر کہاں تک کھرے اُترتے ہیں؟ یہ وقت اور حالات ہی بتا سکتے ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر، کا مرکزی کردار اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور لفظ بریلوی ہے۔ لفظ بریلوی حقیقت میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ہی ہم معنی ہے۔ بلکہ لفظ مسلک اعلیٰ حضرت سے لفظ بریلوی زیادہ شہرت ومقبولیت رکھتا ہے۔ اور عام بول چال میں بھی اس لفظ کا بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ برصغیر ہندوپاک میں یہ لفظ اہل حق کے لیے علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ لیکن مخالفین کو یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی ہے چونکہ مخالفین کا مقصد لفظ بریلوی کی مخالفت کرنا نہیں تھا بلکہ اس لفظ کے سہارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات کو متنازع بنانا اور ان کی عظمتوں کی پھیلتی ہوئی خوشبو کو روکنا تھا، کتاب میں اس طرح کی گندی ذہنیت رکھنے والوں کا خوب اچھا محاسبہ کیا گیا ہے۔

سلسلہ قادریہ کے فروغ میں امام احمد رضا کا کردار:

مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر میں حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کو مجدد سلسلۂ قادریہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت مجدد اسلام تھے لیکن میرے علم کے مطابق مجدد سلسلہ قادریہ کی حیثیت سے انہیں پہلی بار پیش کیا گیا ہے۔ اس سے بہت ساری پیشانیاں شکن آلود

ہو جائیں گی۔

مفتی صاحب نے ایک دبی اور چھپی ہوئی حقیقت کو ابھار دیا ہے۔ یہ بڑا تفصیل طلب عنوان ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے قبل بھی برصغیر ہندو پاک میں قادریت تھی۔ اس سلسلے میں خود اعلیٰ حضرت کا پیر خانہ تھا۔ ہندوستان میں خانقاہ برکاتیہ کو قادریت کے سنٹر کی حیثیت حاصل ہے اور اعلیٰ حضرت کو ان کے مرشد اجازت حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے چشم و چراغ خاندان برکات کے لقب سے یاد کیا ہے، بلکہ نوری میاں علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس لقب کا آپ کے سوا دور دور تک کوئی اہل نظر نہیں آتا۔ حضرت نوری میاں کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ خانقاہ برکاتیہ کے اس مرید صادق ہی سے برصغیر ہندو پاک میں قادریت کو فروغ ملے گا۔ اس حقیقت کا سب کو اعتراف کرنا ہوگا کہ اعلیٰ حضرت سے قبل غیر منقسم ہندوستان میں قادریت بہت محدود تھی، اعلیٰ حضرت نے عرب و عجم کی پناہ گاہ تاجدار بغداد حضور سیدنا شیخ محی الدین عبد القادری جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتوں کا اس انداز میں خطبہ پڑھا کہ قادریت کی خوشبو ہواؤں کے دوش پہ پھیلتی چلی گئی اور دنیا قادریت کے دھاگے میں بندھتی چلی گئی۔ اعلیٰ حضرت نے تاجدار بغداد کی شان میں جو نغمات چھیڑے ہیں تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی اور یہ بھی ایک عظیم سچائی ہے کہ آج اعلیٰ حضرت کے فیضان سے بریلی شریف سے سلسلہ قادریہ کو جو فروغ مل رہا ہے اس کی بھی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی، میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے بعد اعلیٰ حضرت سے بہتر آج تک کوئی قادری پیدا نہیں ہوا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت سے الگ ہو کر کوئی قادری اپنی قادریت کو محفوظ نہیں رکھ سکتا، جو لوگ قادریت کے فروغ میں مخلص ہیں انہیں اعلیٰ حضرت کا بھی مخلص ہونا پڑے گا، بارگاہ غوثیت مآب میں وہی قادریت مقبول ہوگی جو اعلیٰ حضرت کے حوالے سے پہنچے گی۔ اس سلسلے میں باتیں بہت ہیں لیکن صفحات کم ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت منظر اور پس منظر، بڑی معلوماتی کتاب ہے۔ اس کے منظر عام پر

آنے کا بھی یہی صحیح وقت ہے۔ بعض عاقبت نا اندیش لوگ اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور قادریت کے تقدس کو میلا کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کا سنجیدہ احتساب ضروری ہے، خواب غفلت کی عمر دراز ہوئی تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی اس کتاب کے حوالے سے پوری جماعت کی طرف سے قابل مبارکباد ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا سنجیدہ مطالعہ کریں اور اپنی رائے ہمیں لکھ بھیجیں۔ جو آرا ہمیں موصول ہوں گی آنے والے دوسرے ایڈیشن میں انہیں شامل اشاعت کیا جائے گا۔ کتاب میں کہیں کوئی شرعی یا لفظی خامی نظر آئے تو اطلاع دیں، رضا نوازی ہوگی۔

☆☆☆

باب دوم

افتراق واشتراک کا
فکری وتنقیدی مطالعہ

افتراق اُمت......فکرو تجزیہ

کسی بھی امت وملت کے تعلق سے افتراق وانتشار باعث ہلاکت اور وجہ بربادی ہوا کرتے ہیں، کیونکہ اتحاد واتفاق میں جولطف ومزا ہوا کرتے ہیں وہ افتراق واختلاف میں کہاں ہوتے ہیں؟ امت میں افتراق کچھ اس امت کی خصوصیت وامتیاز نہیں، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل جو اُمتیں گزری ہیں ان میں بھی اس طرح کا اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔ پروردگار عالم نے افتراق سے بچنے کا حکم دیا، ارشاد فرماتا ہے......

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم۔ (سورہ آل عمران، پارہ ۴، رکوع ۱)

اوران جیسا نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اوران میں پھوٹ پڑگئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انھیں آچکی تھیں اوران کے لیے بڑا عذاب ہے۔(از کنزالایمان)

جس اختلاف کا ذکر اس آیت میں ہے وہ اختلاف مذموم ہے جو سابقہ امتیوں میں واقع ہو چکا تھا اور اس امت سے کہا جا رہا ہے...... ان جیسا نہ ہونا۔ زمانہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد صحابہ کرام میں اس امت میں ایسا کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ تابعین اور فقہائے حرمین مکرمین میں بھی یہ اختلاف نہ تھا۔ تمام اہل ایمان ایک ہی ملت سے وابستہ تھے اور رشد و ہدایت پر ثابت قدم تھے۔ دور صحابہ کا کیا کہنا، وہ تو خیر القرون تھا۔ تمام ادوار پر اسے فوقیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے تعلق سے سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا...... **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم** کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی اقتدا کرلوگے ہدایت پا جاؤ گے۔ اُس دور میں اگر چہ اختلاف نہ تھا اور نہ ہی امت میں کسی قسم کا افتراق پیدا ہوا تھا۔ مگر اس کا اندیشہ ضرور تھا بلکہ قوی امکان بھی تھا۔ زمانہ آئندہ میں ہونے والے اختلافات کا علم میرے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا اور آپ جانتے تھے کہ میری اُمت میں زبردست افتراق پایا جائے گا جس کا اظہار رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمایا مثلاً......

(۱) حضرت سیدنا عوف بن مالک ارشاد کرتے ہیں......

قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم افترقت الیهود علی احدیٰ وسبعین ملة فواحدة فی الجنة وسبعون فی النار – افترقت النصاریٰ علی اثنین وسبعین فرقة فاحدی وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة والذی نفسی بیده لتفرقن امتی علی ثلاث وسبعین فرقة فواحدة فی الجنة واثنان وسبعون فی النار۔ قیل یا رسول الله من هم؟ قال والجماعة۔ (اخرج ابن ماجہ)

حضرت عوف بن مالک نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، ان میں ایک فرقہ جنتی ہے اور بقیہ ستر فرقے جہنمی ہیں اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، اکہتر فرقے جہنمی ہیں اور صرف ایک فرقہ جنتی

ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک جنتی ہے اور ۷۲ فرقے جہنمی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ ایک کون ہے؟ فرمایا...... وہ جو جماعت کے ساتھ ہے۔

(۲) احمد کی روایت سے مرفوع ہے......

ان اهل الكتاب تفرقوا في دينهم على اثنين وسبعين ملة و تفترق هذه الامة على ثلاث و سبعين فرقة، كلها في النار. الا واحدة – وفي رواية له اخرى عن انس مرفوعاً. ان بني اسرائيل تفرقت احدى و سبعين فرقة فهلكت سبعون فرقة و خلصت فرقة واحدة، وان امتي على اثنتين و سبعين فرقه تهلك احدى و سبعون فرقه وتخلص فرقة (از روح المعانی، ج:۳، نصف آخر، ص:۳۷)

روایت احمد سے یہ حدیث مرفوع ہے...... حضرت معاویہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل فرمائی کہ اہل کتاب اپنے دین کے معاملہ میں ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی، سب کے سب جہنمی ہیں سوائے ایک فرقہ کے، انھیں کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع ہے کہ بنی اسرائیل ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے، ۷۰ فرقے ہلاک ہو گئے اور ایک فرقہ نجات پا گیا اور میری امت ۷۲ فرقوں میں بٹ جائے گی، ۷۱ فرقے ہلاک ہوں گے اور ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا۔

مذکورہ تمام روایتوں میں امت سے امت اجابت مراد ہے، عددوں میں اگر چہ اختلاف ہے مگر افتراق میں مماثلت ہے۔ قرآن مقدس میں اسی مماثلت سے منع کیا گیا تھا کہ **ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا** کہ ان جیسا نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

(۳) **عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ لياتين على امتي ما اتى بني اسرائيل حذ والنعل بالنعل حتى ان كان منهم من اتى امه علانيه فكان من امتي من يصنع ذالك وان بني اسرائيل تفرقت على**

اثنین و سبعین ملة و تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة، قالوا ومن هی؟ یا رسول اللّٰه قال ما انا علیه و اصحابی.
(مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالسنۃ)

عبداللہ بن عمرو نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ ٹھیک ٹھیک پیش آئے گا جو بنی اسرائیل پر گزرا یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص ایسا گزرا جس نے اپنی ماں کے ساتھ کھلے عام بدکاری کی تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا گزرے گا، بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی، وہ سارے فرقے جہنم میں جائیں گے، ہاں صرف ایک فرقہ صحابہ کرام نے عرض کیا وہ فرقہ کون سا ہے؟ ارشاد فرمایا وہ فرقہ اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں ہوں، اور میرے صحابہ ہیں۔ (حدیث افتراق امت کا تحقیقی مطالعہ)

مذکور بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۷۲ فرقے جن کا ذکر حدیث پاک میں کیا گیا، تباہ برباد، گمراہ اور جہنمی ہیں، ان فرقوں کا قبل از وجود ذکر کیوں کیا گیا اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس پر گفتگو کرنی ضروری ہے۔

پس منظر - ارباب فکر وشعور سے گذارش ہے مذکور بالا حدیث پیش نظر رکھیں اور غور کریں کہ ایسے فرقے جن کا وجود ہی غلط نظریات پر قائم ہو اور جنھوں نے اپنے فاسد افکار و نظریات کے ذریعہ دین ومذہب کی غلط تشریح کر کے اپنے آپ کو گنا ہوں اور گمراہیوں میں ملوث کرلیا ہو کیا ایسوں سے ربط وضبط رکھنا مناسب ہے؟ اور ایسے افراد سے دوستی کرنا ایمان ویقین کی صحت وسلامتی کی ضمانت دے سکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ اسی لیے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی۔

(۴) **وعن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ يكون فی آخر الزمان دجالون كذابون ياتونكم من الاحاديث بمالا تسمعوا انتم ولا آباءكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم رواه مسلم.** (مشکوٰۃ

شریف، باب الاعتصام)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانوں میں جھوٹے اور ایسے دجال پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں بیان کریں گے جنھیں نہ تم نے سنا ہے اور نہ ہی تمہارے باپ دادا نے سنی ہوں گی، لہٰذا تم ان سے بچو اور انھیں خود سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(۵) انہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاریٰ بھم تلک الا ھوا کما یتجاریٰ الکلب بصاحبہ لا یبقی منھم عرق مفصل الا دخلہ.

(مشکوۃ المصابیح،ص:۳۰)

میری امت میں کچھ ایسے گروہ ہوں گے، جن میں بدعتیں رچی بسی ہوں گی، جس طرح سے کلب نامی بیماری رچ بس جاتی ہے کہ کوئی بھی رگ وریشہ اس سے محفوظ نہیں رہتا۔

داء الکلب ایک ایسی بیماری ہوتی ہے جو پاگل کتوں کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے جراثیم دوسرے افراد واشخاص تک پہنچ جاتے ہیں اور ضرر پہنچاتے ہیں۔ یہی صورت حال بدعتی کی ہوتی ہے کہ اس کی صحبت وموالات سے اچھے اور خوش عقیدہ مسلمان بھی بہک جاتے ہیں لہٰذا ایسے گمراہ فرقوں سے دوری بنائے رکھنے میں ہی فائدہ ہے۔ اس پسِ منظر کو پیش نظر رکھیں اور افتراق امت والی حدیث کا مطالعہ کریں۔ اس حدیث کے بیان کا مقصد ۷۲ فرقوں سے دوری بنائے رکھنے کی تعلیم دینا ہے۔ ان سے دوستی قائم کرنا نہیں، اور نہ انھیں اپنوں میں شامل کرنا ہے اور نہ ہی ان کی جماعت میں خود کو شامل کرنا ہے۔ ہمارے اکابر اور علماء و مشائخ نے اب تک یہی رویہ اپنایا جہاں کہیں نرم رویہ اپنانے یا صلح کلیت کی بات آئی، نہایت ہی شدومد کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور گمراہ افراد کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دی۔ تحریک ندوہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب اس تحریک کے ذمہ داروں نے صلح کلیت کا پیغام دیا، حق و باطل کو یکجا کرنے کی کوشش کی، تو اہل حق علماء نے اس تحریک سے علاحدگی اختیار کر لی اور مسلمانوں کو اس کی اعانت وشمولیت سے منع کر دیا۔ صرف اس لیے کہیں ان کی بدعت وضلالت

کے جرثومے ہماری خوش عقیدگی کو دیمک کی مانند چاٹ نہ لیں۔ یہ وہ پس منظر ہے جس کی بنیاد پر حدیث افتراق امت کی توضیح وتشریح کرنی چاہیے۔ جس تشریح وتوضیح میں اس پس منظر کو پیش نظر نہ رکھا گیا وہیں خلاف مصلحت باتیں در آئیں اور جماعت اہل سنت میں کرب وبے چینی کی لہر پیدا ہوگئی۔ علم وتحقیق وہ بہتر ہے جو سلامتی کو یقینی بنائے اور عشق وایمان کی حفاظت کرے ورنہ ایسے بہت سے علوم وفنون ہیں، جو ایمان کی سلامتی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اہل حق ایسے علوم کو علوم کہتے ہوئے شرم وندامت کا احساس کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اکابر اس فرقے کے جدید علوم وفنون اور یورپی تہذیبی نظام کو اپنی حیات وزیست میں جگہ دیتے تو اسلام وسنت کی شرح نمو دوہ نہ ہوتی جو آج برقرار ہے، اسی شرح نمو کا کرشمہ ہے کہ حضرت امین ملت کو دنیا کی بااثر شخصیتوں میں جگہ ملی۔ ہم سب مسلمانوں کو بزرگوں کے اس انداز فکر کا احترام کرنا چاہیے اور اسے برقرار رکھنے کی تگ ودو کرنی چاہیے، مگر افسوس ہے کہ آج یاران سخن دان افراد نے اس اندازِ فکر پر پانی پھیر دیا اور اس سے نظریں چرالیں۔ اس سلسلے میں آئے دن کچھ نہ کچھ ضرور پیش رفت ہو رہی ہے، شاید ایسے افراد سنیت کی اندرونی طاقت کا اندازہ لگا رہے ہیں اور ہماری جماعتی توانائیوں کا امتحان لے رہے ہیں۔ ایسے کسی بھی دام تزویر میں مسلمانوں کو نہیں آنا چاہیے، بس یہی میری کوشش ہے اور التجا بھی۔

ارباب بدعت و ضلالت - حدیث پاک میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارباب بدعت وضلالت کی تعداد ۷۲ر بتائی ہے۔ اس تعداد کی نوعیت ایک سی نہیں، بلکہ ان میں کچھ بڑے فرقے ہیں اور کچھ چھوٹے فرقے ہیں۔ زیادہ تر علمائے کرام نے بڑے فرقوں کی تعداد ۸ر بتائی ہے اور کچھ اہل علم نے ۱۰ر بتائی ہے......

(۱) خارجیہ .... ۱۵ر فرقے
(۲) معتزلہ .... ۶ر فرقے
(۳) شیعہ .... ۳۲ر فرقے
(۴) مرجیہ .... ۱۲ر فرقے

(۵) جہمیہ ۱رفرقہ

(۶) نجاریہ ۱رفرقہ

(۷) کلابیہ ۱رفرقہ

(۸) ضراریہ ۱رفرقہ

(۹) مشبہ ۳رفرقہ

(۱۰) اہل سنت ۱رفرقہ

یہ کل ۷۳ر فرقے ہوئے، ان میں نجات یافتہ صرف اہل سنت و جماعت ہے باقی تمام فرقے گمراہ گر اور جہنمی ہیں اور بعض فرقے ایسے ہیں جن کے کفر پر تمام علما کرام کا اجماع ہے اور بعض فرقوں کے تعلق سے احادیث میں مجمل حالات بیان ہوئے ہیں، مثلاً

خوارج - اس گروہ کا نام ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت سے انکار کیا اور ان کے خلاف بغاوت اختیار کر کے صف آرا ہوئے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:-

والثالث قوم لهم منعة حمية خرجوا عليه بتاويل يرون انه على باطل كفرا و معصية يوجب قتاله بتاويلهم وهولاء يسمون انفسهم بالخوارج يستحلون دماء المسلمين واموالهم، ويسبون نساء هم ويكفرون اصحاب رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و حكمهم عند جمهور الفقهاء و جمهور اهل الحديث حكم البغاة وعند مالك يستتابون فان تابوا والاقتلوا دفعا لفسادهم لالكفرهم.

(فتح القدیر جلد ۶، باب البغاۃ، ص: ۹۳)

تیسری قسم وہ قوم ہے جن کے پاس طاقت بھی ہے اور نفرت و عداوت بھی اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہ کہہ کر بغاوت کی کہ علی باطل پر ہیں وہ ایسے کفر یا ایسی معصیت کے مرتکب ہوئے جو ان سے قتال کو واجب قرار دیتی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خوارج سے موسوم کیا، مسلمانوں کے جان و مال کو مباح

قرار دیا۔ مسلمان عورتوں کو قیدی بنایا اور صحابہ کرام کو کافر کہا۔ جمہور فقہا اور جمہور محدثین کے نزدیک خوارج کا حکم باغیوں جیسا ہے۔ حضرت مالک کا قول ہے ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے ورنہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ یہ قتل فتنہ وفساد کا سدباب کرنے کی وجہ سے ہے نہ کہ ان کے کفر کے سبب۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوارج کے ظہور سے قبل ہی بتا دیا کہ یہ وہ قوم ہے جن کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نماز کو، روزوں کے مقابل اپنے روزوں کو ہلکا تصور کرو گے، یہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دین کو یہ اس طرح نقصان پہنچائیں گے جس طرح کوئی تیر شکار کو نقصان پہنچاتا ہے۔

رافضی - ان گمراہ ۷۲ر فرقوں میں رافضی بھی ایک فرقہ ہے جن کے نظریات و اعتقادات کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، متقدمین رافضیوں نے بہت سے ضروریات دین کا انکار کیا۔ قرآن کو ناقص بتایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی، متوسطین رافضیوں نے اپنے کفری عقائد کو چھپایا اور مسلمانوں میں گھل مل گئے، جب اہل سنت نے ان کا پردہ فاش کیا تو وہ اپنے اصل اعتقادات پر لوٹ آئے۔ دورِ حاضر کے تمام علمائے اہل سنت و جماعت ان کے کفر وارتداد پر متفق ہیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کے عقائد کفریہ پر زبردست تنقید فرمائی اور فتاویٰ رضویہ میں ۵۴ر کتابوں کے حوالہ سے ان کے کفر و تکفیر کو اجماعی قرار دیا۔ رافضی شیعہ سے الگ نہیں بلکہ شیعہ حضرات کے مختلف نام ہیں انھیں ناموں میں رافضی، غالی بھی ہے رافضیوں کے احکام جاننے کے لیے پڑھیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا رسالہ رد الرفضہ اور ان کے فتاویٰ وغیرہ۔

بدعتی فرقوں نے کس طرح کے غیر اسلامی نظریات کو جنم دیا، اہل علم سے پوشیدہ نہیں، نصوص شرعیہ کی غلط تاویلات کیں اور پھر اپنے فاسد نظریات کو اپنانے کی مسلمانوں کو دعوت دی، اس طرح انھوں نے اپنی الگ جماعتیں قائم کر لیں اور گروپ تیار کر لیا۔ ان کے فاسد نظریات میں درج ذیل نظریات بھی ہیں......

(الف) بعض گمراہ فرقوں نے اللہ تعالیٰ کو عالم، قادر، حی، متکلم تو کہا مگر صفت علم، قدرت اور حیات وکلام کا انکار کیا، محض اس نظریہ سے کہیں تعدد قدماء نہ لازم آ جائے، حالانکہ انھیں نہیں معلوم کہ صفت علم وقدرت، حیات اور کلام نہ ماننے کی صورت میں عالم، قادر اور حی ومتکلم کا اطلاق بھی درست نہیں۔

(ب) بعض فرقے ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیا اور ان کے لیے دائمی عذاب تسلیم کیا۔

(ج) بعض گمراہ جماعت نے قرآن مقدس کو مخلوق قرار دیا جب کہ تمام فقہائے اسلام نے قرآن کو مخلوق ماننا کفر بتایا اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا۔

(د) یہ بھی یاد رہے کہ کچھ فرقوں نے بندوں کو افعال کا خالق قرار دیا۔

یہ وہ باطل نظریات وعقائد ہیں جو نصوص شرعیہ قطعیہ کی فاسد تاویلات پر مبنی ہیں، ان عقائد کی وجہ سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا حالات دگر گوں ہو گئے اور فرقہ ناجیہ کے افراد نے اپنے اپنے علم وفن کے اعتبار سے ان عقائد پر تنقید کی۔ علم کلام سے دلچسپی رکھنے والے اس طرح کے جرح وتنقید سے بخوبی واقف ہیں، افتراق امت کے اسباب وعلل یہی غلط تاویلات اور فاسد نظریات ہیں۔ ان نظریات کے سبب امت وسطیٰ تو افتراق سے دوچار ہوئی مگر اس کے ساتھ ساتھ ایسے فاسد نظریات کے حامل افراد کی شرعی حیثیت واضح کرنے میں متقدمین علمائے اہل سنت بھی مختلف ہو گئے۔

ارباب بدعت کے احکام - گمراہ فرقوں کی تعداد ایک دو نہیں پورے ۷۲ ہیں، ان میں سے جن فرقوں نے ضروریات دین کا انکار کیا ان کا کافر ومرتد اور خارج از اسلام ہونا یقینی قطعی اور اجماعی ہے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور جن فرقوں نے ضروریات دین کا تو انکار نہیں کیا مگر انھوں نے کچھ ایسی تاویلیں پیش کیں اور ایسے نظریات قائم کر لیے جو کفر کی طرف لے جاتے ہیں، ان کی شرعی حیثیت کا تعین ایک مسلمہ قاعدہ پر مبنی ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے۔

ایک مذہب ہوتا ہے جو اعتقادات ونظریات پر مشتمل ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ

اعتقادات مذاہب سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں مثلاً معتزلہ کا مذہب ہے اللہ عالم ہے مگر علم اس کی صفت نہیں، وہ قادر ہے مگر قدرت اس کی صفت نہیں اور دوسرا ہے لزوم مذہب، اس کا مطلب یہ ہے کہ لزوم مذہب سے الگ اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے مثلاً کسی پر عالم کا اطلاق اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب کہ وہ مادہ اشتقاق یعنی علم سے متصف ہو اسی طرح قادر وہ ہوسکتا ہے جو مادہ اشتقاق یعنی قدرت سے متصف ہو معتزلہ کے مذہب کے اعتبار سے اللہ صفت علم وقدرت سے متصف نہیں تو پھر عالم یا قادر کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا لہٰذا اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ کا عالم نہ ہونا یہ لزوم مذہب ہوا۔ بعض متقدمین علما لزوم مذہب کو بھی مذہب قرار دیتے ہیں اور بعض قرار نہیں دیتے۔ اس تمہید کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں، تاکہ بات سہل انداز میں آپ سمجھ سکیں۔

جن علمائے متقدمین نے تمام گمراہ فرقوں کو کافر قرار دیا یہ نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک مذہب کا لزوم بھی مذہب ہی ہے اور جن علماء نے کافر قرار نہیں دیا گویا انھوں نے مذہب کے لزوم کو مذہب تسلیم نہیں کیا۔ یہ اختلاف علمائے متقدمین کے مابین تھا اس اختلاف کو آپ اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں۔ جن علماء کرام نے گمراہ فرقوں کے اعتقادات کے مرجع ومآل کا اعتبار کیا انھوں نے حکم تکفیر نافذ کر دیا اور جنھوں نے مرجع ومآل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ان کے اعتقادات ونظریات کو دیکھا انھوں نے عدم تکفیر کی راہ پسند کی۔ یہ اختلاف آج بھی کتابوں میں مصرح ہے اس سے ہم صرف نظر نہیں کر سکتے۔

متاخرین کا نظریہ و موقف - متاخرین علماء عظام اور جمہور متکلمین وفقہا نے اس اختلاف سے بچتے ہوئے ایک اور نظریہ پیش کیا اور تکفیر جیسے دشوار ترین مرحلوں سے نہ گزرنے کا فیصلہ لیا، مگر یہ فیصلہ صرف ان فرقوں کے تعلق سے ہے جو ضروریات دین کے منکر نہیں ہیں کیونکہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کا انکار اجماعی کفر ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، نہ سلف میں اور نہ ہی خلف میں، اسی طرح نہ فقہا میں اور نہ ہی متکلمین میں ذیل میں اسی نظریہ کی وضاحت کی جا رہی ہے......

یجب ان یعلم انہ اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب

الکفر ووجه واحد یمنع الکفر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع الکفر تحسینا للظن بالمسلم ثم ان کانت نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم وان کانت نیة الوجه الذی یوجب التکفیر لا تنفعهٔ فتوی المفتی ویومر بالتوبة والرجوع عن ذالک وتجدید النکاح بین وبین امراته وفی الظهیریه وان لم تکن له نیة حمل المفتی کلامه علی وجه لا یوجب التکفیر ویومر بالتوبة واستجداد النکاح.

(فتاویٰ تاتارخانیہ، ج:۴/ص:۲۳۲، باب احکام المرتدین)

اس بات کا علم بھی ضروری ہے جب کسی مسئلہ میں مختلف وجوہ سے کفر لازم آ رہا ہو اور صرف ایک وجہ ہے جو کفر کو لازم نہیں کرتی تو مفتی پر واجب ہے کہ وہ اس وجہ کا اعتبار کرے جو کفر کے لیے مانع ہو۔ مسلمانوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہوئے اگر قائل کی نیت مانع کفر والی وجہ کی ہے تو یقیناً وہ مسلم ہے اور اگر اس کی نیت وجہ کفر کی ہے تو مفتی کا فتویٰ انھیں کوئی فائدہ نہ دے گا، انھیں توبہ، تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اور اگر اس کی کوئی نیت ہی نہیں تو اس کے کلام کو وجہ مانع کفر پر ہی محمول کیا جائے ہاں توبہ و تجدید نکاح کا حکم پھر بھی دیا جائے گا۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ نظریہ احتیاط پر مبنی ہے کہ کسی کو کافر کہنے میں بہت سی دشواریاں ہیں اور کافر نہ کہنے میں کوئی خطرہ نہیں، یہ نظریہ آج بھی تمام علمائے اہل سنت کا ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت بھی اسی نظریہ پر قائم ہیں۔ اسماعیل دہلوی کی تحریروں سے لزوم کفر ثابت ہونے کے باوجود آپ نے کف لسان کیا اور یزید کی طرح انھیں معلق رکھا۔ اگر کوئی کافر کہتا ہے تو انھیں روکا نہ جائے اور کوئی مسلمان کہتا ہے تو جب بھی انھیں منع نہ کیا جائے، یہ بھی احتیاط پر مبنی ہے۔ اسی نظریہ کے پیش نظر متاخرین علماء نے گمراہ فرقوں کا رد و ابطال تو کیا، انھیں ضال، مضل اور جہنمی بتایا مگر کافر نہ کہا، بدعتی بتایا، دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے والا کہا لیکن کافر نہ کہا۔ میرے خیال میں دورِ حاضر میں اس نظریہ کا کوئی مخالف نہیں، اس بنیاد پر اگر اس نظریہ کو اجماعی نظریہ کہا جائے تو

یہ کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔اس اجماعی نظریہ وموقف کے باوجود اگر کوئی مفتی یا قاضی کسی مسئلہ کی نوعیت کے پیش نظر کسی گمراہ فرقہ کو کافر بتاتا ہے تو ان کے اس فتوی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اجماع لاحق اختلاف سابق کو رفع نہیں کرتا۔

درمختار جلد ۳،ص:۴۵۵ میں ہے......**ان الاجماع اللاحق هل يرفع الخلاف السابق فعندهما لا وعند محمد نعم** ۔ تو پھر ایسے کسی بھی مفتی یا قاضی کو متشدد اور اسی طرح کے ناموزوں القاب سے یاد کرنا نہ صرف انصاف و دیانت کے خلاف ہے بلکہ انسانیت سوز، شرافت کش اور مجرمانہ ذہنیت کا اظہار ہے، کسی بھی اہل علم کو اس قسم کے رویوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔اس تفصیلی گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ ان ۷۲ فرقوں کی تشکیل فاسد اور خلاف شرع اعتقادات رکھنے کے سبب ہوئی اور ان کے مذاہب بھی انھیں غیر موزوں اعتقادات پر مشتمل ہیں۔اہل علم اس بات کو بھی ثابت کر چکے ہیں کہ مذاہب جن اعتقادات پر مشتمل ہوتے ہیں وہ دائمی ہوتے ہیں، خواہ وہ اعتقادات کفری ہوں یا بدعی۔جب اعتقادات میں اس حد تک مماثلت ہے تو اس بنیاد پر دیئے جانے والے عذابوں میں بھی اسی قدر تک مماثلت ہونی چاہیے گمراہ فرقوں کے عذاب کو عام گنہگار مومنوں کی مانند بتانے میں کوئی دانشوری نہیں، کہ دونوں کے عذابوں میں کوئی مماثلت نہیں کہ عام گنہگار مومنوں کا عذاب ان کے غلط اعمال کے سبب ہوگا اور گمراہ فرقوں کا عذاب غلط اعتقاد رکھنے کی وجہ سے۔اسی طرح گنہگار مومنوں کا عذاب عملِ تطہیر کی حیثیت رکھتا ہے اور گمراہ فرقوں کا عذاب عمل تطہیر کی حیثیت نہیں رکھتا۔

فی النار اور فی الجنة کا مطلب – آسان اردو میں **فی النار** کا معنی جہنمی اور **فی الجنة** کا مطلب جنتی ہے۔بنارس کے مناظرہ میں غیر مقلدین کے سلسلہ میں جب علمائے اہل سنت نے یہ دعویٰ پیش کیا، آج کل کے غیر مقلدین گمراہ، گمراہ گر اور جہنمی ہیں، مخالف جماعت نے توضیح دعوی میں آج کل کی وضاحت تو چاہی مگر جہنمی کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی اور نہ ہی یہ پوچھا کہ اس سے مراد **خلود فی النار** ہے یا **دخول فی النار**۔ان کی طرف سے اس کی وضاحت طلب نہ کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ وہ جہنمی کے معنی سے واقف ہیں

انھوں نے اس سے وہی معنی مراد لیا جو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ جنتی اور جہنمی میں صرف جنت و جہنم کا اختلاف ہے ورنہ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی **خلود**۔ **خلود فی النار** کہنے سے آپ چونکئے نہیں، ذرا نظر تعمق سے دیکھئے بات نہایت ہی آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ میرے نزدیک خلود کے تین درجے ہیں......

(۱) مطلق خلود...... لابشرط شی کے درجہ میں

(۲) خلود مع الدوام ...... بشرط شی کے درجہ میں

(۳) خلود مع عدم الدوام...... بشرط لاشی کے درجہ میں یعنی مکث طویل

اسی کو آپ دوسرے انداز میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں خلود کے دو معانی ہیں...... معنی حقیقی یعنی تا ابد رہنا اور معنی مجازی یعنی مدتوں رہنا۔ قرآن مقدس میں بھی خلود سے معنی مجازی مراد لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے......

ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جہنم خالدا فیھا – اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے اس میں مدتوں رہے گا۔

اس آیت میں خلود بشرط شی کے مرتبہ میں نہیں بلکہ اس سے بشرط لاشی یعنی مکث طویل مراد ہے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے **بان المراد من الخلود فی الآیۃ المکث الطویل لا الدوام لتظاھر النصوص الناطقہ بان عصاۃ المومنین لایدوم عذابھم** (روح المعانی جلد چہارم نصف اول ص:۱۲۹) کہ آیت مذکور میں خلود سے مدتوں رہنا مراد ہے، ہمیشہ رہنا نہیں کیونکہ نصوص اس بارے میں واضح ہیں کہ گنہگار مومنوں کے لیے دائمی عذاب نہیں۔

وہ جہنمی فرقے جن کے عقائد کفریہ ہیں ان کے لیے خلود بشرط شی یعنی مع الدوام ہے اور جن کے عقائد کفریہ نہیں بلکہ صرف گمراہی ضلالت پرمبنی ہیں ان کے لیے خلود بشرط لاشی یعنی مع عدم الدوام ہے۔ اس بنیاد پر میرا اپنا موقف یہ ہے کہ حدیث افتراق امت میں فی النار سے خلود

فی النار مراد ہے۔اس کے علاوہ یہاں خلود فی النار مراد لینے کی اور بھی دوسری فکری علمی ترجیحات پائے جاتے ہیں جو ذیل میں درج کیے جارہے ہیں......

ترجیحات اخری ۔

اولاً ۔سزائیں برے اعمال کی وجہ سے دی جاتی ہیں یا فاسد اعتقادات کے سبب، حدیث افتراق امت میں بھی گمراہ فرقوں کے بدعی، غیر شرعی اعتقادات رکھنے کی وجہ سے فی النار کہا گیا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعتقادات کس نوعیت کے ہیں؟ اس کا تعین ضروری ہے تا کہ اس کے تعین سے عذاب کی نوعیت سمجھ میں آجائے چونکہ فرقہ کی تشکیل مذاہب کی بنیاد پر ہوتی ہے اور مذاہب اعتقادات پر مشتمل ہوا کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مذاہب میں جو اعتقادات ماخوذ ہوتے ہیں اس کی حیثیت دائمی ہوتی ہے، شرح فقہ اکبر میں ہے: **والمذاهب تعتقد للابد** کہ مذہب والے عقائد ابدی اور دائمی ہوتے ہیں۔ جب سزاؤں کی بنیاد دائمی ہے تو پھر ان کی سزاؤں کو خلود سے تعبیر میں کیا قباحت، یہ اور بات ہے کہ اس خلود کی حیثیت بشرط لاشی کی ہو۔لہٰذا حدیث افتراق امت میں فی النار سے مراد خلود فی النار ہی ہے۔

ثانیاً ۔حدیث افتراق امت میں **کلهم فی النار** آیا ہے جو قضیہ حملیہ اور موجبہ کلیہ ہے، یہ قضیہ اس بات کا اقتضا کرتا ہے کہ فی النار کا متعلق ایسی شئی کو قرار دیا جائے جس کا اطلاق **کلهم** پر بھی ہو سکے اور اس کے ضمن میں پائے جانے والے افراد پر بھی اور یہ اطلاق اسی وقت درست ہوگا جب اس کا متعلق خلود کو قرار دیا جائے کیونکہ اس کے دو معانی ہیں خلود مع الدوام اور خلود مع عدم الدوام، اسباب کے تحت موقع و محل جس معنی کا متقاضی ہوگا اسی معنی میں خلود کا اطلاق ہوگا اس لیے فی النار سے خلود مراد لیا گیا۔اگر کفری عقائد ہیں تو خلود مع الدوام اور بدعی ہیں تو خلود مع عدم الدوام۔

ثالثاً ۔حدیث افتراق امت میں ہے **کلهم فی النار الا ملة واحدة** کا اسلوب استثنائی ہے جس کا اردو میں ترجمہ اس طرح کیا جائے گا وہ سب کے سب جہنم میں

ہیں مگر ایک فرقہ یعنی وہ جہنم میں نہیں اس کا لازمی معنی یہ ہوا کہ وہ جنت میں ہے اور جنت میں خلود ہوتا ہے کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی نکلتا نہیں، جب بعد الا واقع ہونے والا مضمون خلود کا اقتضا کر رہا ہے تو قبل الا والی عبارت میں بھی یہی اقتضا ہونا چاہیے یعنی خلود فی النار، خلود فی النار نہ ماننے کی صورت میں دونوں کی اقتضائیں ایک دوسرے کی ضد ہو جائیں گی اور پھر استثنا بے کار ثابت ہو جائے گی۔

رابعاً - اگر مسئلہ خلود کو کفر وا کفار پر ہی موقوف رکھا جائے تو ہم بتا آئے ہیں متقدمین علما نے تمام بدعتی فرقوں کو کافر کہا ہے اور تحریر کیا ہے **ہولاء کفار** یعنی یہ سب کے سب کافر ہیں شفا شریف میں ہے **وقد ذکرنا مذاہب السلف فی اکفار البدع والاھوا** کہ اہل بدعت کو کافر کہنے میں مذاہب سلف بیان کر آئے ہیں تو متقدمین کے نظریہ کے اعتبار سے **خلود فی النار** مراد لینے میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں۔ متاخرین علماء کے نظریہ کے مطابق اگر چہ عدم تکفیر کو احوط بتایا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ان کے داغ دار دامنوں کو تقدس اور پاکیزگی میں ڈوبا ہوا تصور کر لیا جائے اور انھیں مکمل طور پر صاف ستھرا قرار دیا جائے۔

خلود کے تعلق سے یہ چند باتیں معرض تحریر میں لا دی گئیں مگر یہ میری رائے کوئی حتمی رائے نہیں اگر اس کے خلاف کوئی رائے آتی ہے اور کوئی اس پر تنقید کرتا ہے تو اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

دخول کا مسئلہ - ہمارے علم دوست افراد نے **فی النار** سے **خلود فی النار** کے بجائے **دخول فی النار** مراد لیا ہے۔ خیر انھوں نے اپنے فکر و فن اور تحقیق و تلاش کے تناظر میں شاید صحیح اور درست فیصلہ لیا ہو...... مگر ہر صاحب علم کو مثبت انداز میں اپنی بات کہنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، تاہم افہام و تفہیم کا سلسلہ اور تحریری مباحثہ جاری رہنا چاہیے تا کہ واقعی صورت حال منصۂ شہود پر رونما ہو جائے۔ مجھے **فی النار** سے **دخول فی النار** مراد لینے میں تامل ہے دخول کا معنی کسی کا کسی مکان، مقام میں آنا ہے جو فعل غیر متعد ہے اور **فی النار** کسی فعل متعد کا

تقاضا کر رہا ہے کہ عذاب وثواب کا تعلق فعل معتد سے ہے غیر معتد سے نہیں لہٰذا اس بنیاد پر اس سے دخول مراد لینا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں، دوسری اہم بات یہ ہے کہ دخول عذاب یا ثواب کی حیز میں آتا ہی نہیں، جب وہ اس کی حیز میں آتا ہی نہیں تو پھر فی النار سے دخول کیوں مراد لیا جائے؟ کہ فی النار عذاب کے لیے منصوص ہے خواہ یہ عذاب دائمی ہو یا غیر دائمی، کسی کے ذہن میں یہ سوال ضرور سر اٹھا رہا ہوگا کہ پھر گنہگار مومنوں کا عذاب کس نوعیت کا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا عذاب عذاب نہیں، عمل تطہیر ہے اس لیے ان کے عذاب کو کالعدم تصور کرتے ہوئے دخول سے تعبیر کر دیا گیا جو عذاب کی حیز میں نہیں آتا۔ یہ صورت ایسی ہی ہوئی جیسے کوئی مومن گناہ کرے اور پھر توبہ کر لے، حدیث شریف میں ہے **التائب من الذنب کمن لاذنب له** کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو، اور اگر فی النار سے دخول فی النار ہی مراد لیا جائے تو یہاں ایک فکری فنی خرابی لازم آئے گی کہ فی النار کا حمل **کلهم** پر جائز نہیں کہ اس کے ضمن میں فرقوں کی صورت میں جو افراد ہیں ان کی نوعیت الگ الگ ہے کہ کسی کے عقائد کفریہ ہیں اور کسی کے بدعت وضلالت پر مبنی ہیں، ہر ایک پر ایک ہی حکم نافذ نہیں ہو سکتا ہے اسی خرابی ونقص سے بچنے کے لیے اس مقام پر **خلود فی النار** مراد لیا جائے۔

محقق دوانی کا قول - ملا جلال الدین محقق دوانی اس مقام پر فرماتے ہیں......

> **کلها فی النار من حیث الاعتقاد فلا یرد انه لو ارید الخلود فیها خلاف الاجماع فان المومنین لا یخلدون فی النار وان ارید به مجرد الدخول فیها فهو مشترک بین الفرق اذ ما فرقة الا بعضهم عصاة.**

مولانا اسید الحق بدایونی نبیرہ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ ترجمہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> وہ سب دوزخی ہیں یعنی عقیدہ کے اعتبار سے پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر یہاں خلود فی النار مراد لیا جائے تو یہ خلاف اجماع ہے اس لیے کہ مومنین ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اور اگر اس سے صرف دخول فی النار مراد

لیا جائے تو یہ تمام فرقوں میں مشترک ہے اس لیے کہ ہر فرقہ میں کچھ نہ کچھ گنہگار ضرور ہوں گے۔

محقق دوانی نے من حیث الاعتقاد فرما کر ہر قسم کے اعتراضات کو رفع کر دیا ہے کہ اگر یہاں خلود فی النار مراد لیا جائے تو گنہگار مومنین کو لے کر اعتراض نہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح ہے البتہ عمل برا ہے، اس لیے خلود فی النار کے وہ مستحق نہیں، اسی پر اجماع ہے کہ مومنین جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور اگر صرف دخول مراد لیا جائے جب بھی اعتراض نہیں کیونکہ یہ باطل فرقے اپنے اپنے عقیدوں کے اعتبار سے داخل ہوں گے اور پھر یہی عقائد مفضی الی الخلود ہوں گے کہ عقیدے دائمی طور پر اپنائے جاتے ہیں اور اعمال دائمی نہیں ہوتے بلکہ انسان کبھی غلبۂ شہوت کے جوش میں خلاف شریعت امور کا مرتکب ہو جاتا ہے تو پھر اس کا عذاب بھی بعض حالات کا متقاضی ہوگا ابدیت کا نہیں کہ کما قال الملا علی قاری فی شرح فقه اکبر

> وسائر الکبائر لا یفعل للابد بل فی بعض الاوقات عند غلبة الشهوت فعلیٰ ذالک عقوبتها فی بعض الحالات لم یعف عنه ولم یتدار که الشفاعات کہ تمام گناہ کبیرہ ہمیشہ کے لیے نہیں کیے جاتے ہیں بلکہ غلبۂ شہوت کے سبب ان گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اس بنیاد پر اس کی سزا بھی بعض حالات تک محدود رہتی ہے اگر چہ اسے معافی نہ ملے اور نہ ہی شفاعت اس کا تدارک کرے۔

محقق دوانی کا مبارک قول بھی گمراہ فرقوں کے لیے خلود فی النار کا ہی تقاضا کر رہا ہے اور میرے موقف کی تائید کر رہا ہے مگر شرط یہ ہے کہ انصاف و دیانت کی نظر سے مطالعہ کیا جائے عصبیت اور تنگ نظری کی ضد چھوڑ دی جائے کہ اہل علم کو انانیت اور ضد سے کیا کام؟ یہ خصوصیت تو اوروں کی ہوتی ہے۔

امام بیہقی کا ارشاد گرامی -

واما تخلید من عداهم من اهل البدع فی النار فهو مبنی علی تکفیرهم

ممن لم یکفرھم اجزاھم بالخروج من النار باصل الایمان مجری الفساق المسلمین و حمل الخبر علی تعذیبھم بالنار مدۃ من الزمان دون الا بد واحتج فی ترک القول بتکفیرھم بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تفترق امتی فجعل الجمیع مع افتراقھم من امتہ۔

اور رہی یہ بات کہ ان کے علاوہ باقی اہل بدعت ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو یہ ان کے کافر ہونے کی بنیاد پر ہے جن لوگوں نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے انھوں نے ان اہل بدعت کو ایمان کی بنیاد پر دوزخ سے نجات پانے میں گنہگار مسلمانوں کے درجہ میں رکھا ہے اور حدیث افتراق امت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ دوزخ میں ان کا عذاب ایک مدت تک ہوگا ابدی عذاب نہیں ہوگا ان کی تکفیر نہ کرنے میں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے **تفترق امتی** یعنی افتراق کے باوجود ان سب کو امت ہی میں شمار کیا ہے۔ (حدیث افتراق امت، ص:۵۰)

امام بیہقی کے ارشاد گرامی سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں......

اول — اہل بدعت کا ہمیشہ جہنم میں رہنا تکفیر پر مبنی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام جمہور فقہا نے ان کی تکفیر کی، اس بنیاد پر ان کا عذاب میں ہمیشہ رہنا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

دوم — جن علما نے ان کی تکفیر نہیں کی انھوں نے ان اہل بدعت کو ایمان کی بنیاد پر دوزخ سے نجات پانے میں گنہگار مسلمانوں کے درجہ میں رکھا ہے...... اگر چہ ظاہری طور پر اس عبارت سے ہمارے موقف کی تائید نہیں ہو رہی ہے۔ وقت نظر سے دیکھا جائے تو اس سے بھی میرے موقف کی تائید ہو رہی ہے کیونکہ امام بیہقی نے آگے چل کر ابدی عذاب کی نفی کی ہے، مکث طویل کی نہیں، جو خلود بشرط لاشی کے درجہ میں ہے مگر انھیں **خروج من النار** کے سلسلہ میں گنہگار مومنوں کے درجہ میں رکھنا لائق تسلیم نہیں کہ اہل بدعت کے لیے خلود بشرط لاشی ہے اور گنہگار مومنوں کے لیے صرف دخول ہے۔ اہل بدعت کے لیے خلود

اس وجہ سے بھی ہے کہ انھوں نے جو بھی فاسد اعتقادات اختراع کیے اس میں ان کے دل کے ارادوں کا ضرور دخل ہے، لہٰذا ان کا جہنم میں ان ارادوں کے سبب رہنا خلود ہی ہے جیسا کہ شرح فقہ اکبر کی درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے......

والخلود باعتبار النیات - کہ خلود نیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(شرح فقہ اکبر، ص:۱۹۲)

سوم - اہل بدعت کی عدم تکفیر کو حدیث افتراق امت میں **مستعمل تفترق امتی** سے نہیں جوڑا جا سکتا ہے کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں **ما قبل افتراق** کے حالات پر امتی کہا ہے **ما بعد افتراق** کے حالات پر نہیں اگر انھیں اپنی امت سے خارج نہیں کیا تو انھیں اس میں داخل بھی نہیں کیا۔ داخل ماننے کی صورت میں دین میں بدعتوں کو انجام دینا یقیناً خلود کا متقاضی ہے یہ اور بات ہے کہ اس سے معنی مجازی مراد لیا جائے۔ بالفرض اگر عدم تکفیر سے امتی کے تعلق کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو صرف اس سے عدم تکفیر کو سہارا ملے گا۔ ان کے معتقدات فاسدہ سے جو لزوم کفر ثابت ہو رہا ہے اس پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا اور نہ ہی متکلمین میں سے کسی متکلم نے لزوم کفر کی نفی کی ہے۔ یہی لزوم کفر خلود فی النار کے لیے کافی ہے کیونکہ قلبی ارادوں اور فاسد اعتقادات کے سبب ہی خلود لازم ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی عدم تکفیر کے باوجود لزوم کفر کو تسلیم کرتے ہیں......

این فرق ہمہ اہل قبلہ اند و تکفیر آنہا مذہب اہل سنت و جماعت نہ اگر چہ کفر بر آنہا لازم آمد یعنی یہ تمام فرقے اہل قبلہ ہیں مذہب اہل سنت پر ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگر چہ ان پر لزوم کفر ہوگا۔

(حدیث افتراق امت، ص:۵۱)

جب متکلمین اسلام کے نظریہ و موقف کی رو سے بھی معنی کفر کا سلب نہیں ہو رہا ہے تو پھر ان کے لیے دخول فی النار کیوں مانا جا رہا ہے اور ان کے تباہ کن نظریات کو اسلام کے دامن میں

کیوں پناہ دی جارہی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے وہ تو اپنی غلط تاویلوں سے اسلام وسنیت کو تباہ کررہے ہیں، برباد کر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ انھیں حبذا کہہ رہے ہیں اور ان کے بچاؤ کی تدبیریں نکال رہے ہیں۔ سانپ تو سانپ ہے جب موقع ملے گا ڈس ہی لے گا انھیں دودھ پلانا کون سی دانشوری ہے؟ اور کون سا انصاف ہے ہمارے بہی خواہ افراد اس پہلو سے بھی سوچیں تو حق وباطل کا امتیاز ان کی نظروں میں نمایاں ہو جائے اور خط امتیاز بھی اندھیروں میں سفید دھاگوں کی مانند نظر آنے لگے۔

اس مقام پر اگر فی النار سے دخول فی النار ہی مراد لیا جائے تو بتایئے بدعتیوں کے دخول اور گنہگار مومنوں کے دخول میں کیا فرق ہے؟ اگر فرق نہیں ہے تو عقیدہ وعمل کا امتیاز مٹتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اگر فرق ہے اور یقیناً فرق ہے تو وہ فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں قرین قیاس یہی ہے کہ مبتدعین کا دخول عدل پر مبنی ہے اور فاسقین کا فضل واحسان پر۔ جب دونوں کے دخول میں مماثلت نہیں تو پھر خروج من النار میں مماثلت تسلیم کرنا بھی مناسب نہیں، اسی لیے اس سلسلہ میں میرا موقف یہ ہے کہ مبتدعین کے لیے بطور عذاب خلود فی النار ہے اور خلود کو اس مقام پر معنی مجازی پر محمول کیا جائے اور اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ چاہے تو معاف فرمادے اور اگر چاہے تو معاف نہ کرے کہ ان کی بدعقیدگی اور دین میں فسادات کا برپا کرنا اسی کا تقاضہ کررہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے بہت سے اکابر نے **کلھم فی النار** کی توضیح میں لفظ دخول کا استعمال کیا ہے جس سے فریب کھا کر کچھ ذی علم افراد نے اسے ان کی بدعتوں، ضلالتوں کی جزا اور عذاب تصور کرلیا، شاید وہ دخول کے وجوہ استعمال کو نہ سمجھ پائے۔ اگر وہ سمجھ لیتے تو اس طرح مبتدعین کے لیے دخول فی النار کا موقف اختیار نہیں کرتے۔

تعبیری دلالتیں – نفس مضمون یا دلی جذبات کو لفظوں کے ذریعہ پیش کرنا تعبیر کہلاتا ہے کبھی عمومی الفاظ سے تعبیر کردی جاتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب یا قاری کو نفس مضمون بتادیا جائے اس مضمون کے اسباب اور مخصوص حالات سے قطع نظر اور کبھی یہی تعبیر مخصوص لفظوں کے توسط سے اس طرح کردی جاتی ہے کہ مخاطب اور سامع کو اس مضمون کے حالات خاصہ کا علم ہو

جائے۔ عمومی اور خصوصی لفظوں سے جو معانی فہم وادراک میں نقش پاجاتے ہیں وہی تعبیری دلالت ہوتی ہے۔ مسئلہ متنازع فیہ میں لفظ دخول تعبیر کے عمومی الفاظ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی تعبیری دلالت سے دخول صرف اور صرف جہنم میں جانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس سے سوا کچھ نہیں اور یہ دخول بھی عدل وانصاف پر مبنی ہے اور لفظ خلود تعبیر کی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے اور اس لفظ سے مبتدعین کے مخصوص حالات اور جہنم میں انھیں دیے جانے والے درکات کا علم ہوتا ہے۔ مبتدعین کے ذریعہ دین میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کی کوششیں اور بدعت وضلالت کا جوش وخروش جس نوعیت کا ہوگا ان کے درکات بھی اسی نوعیت کے ہوں گے۔ اس لیے میں نے ان کے لیے ان کے فتنہ وفساد کے اعتبار سے خلود کا موقف اختیار کیا۔ شاید کچھ افراد یہ سوچ رہے ہوں کہ آخر کار ہمارے علمائے اہل سنت نے تعبیری دلالتوں میں عمومی لفظوں کا سہارا کیوں لیا؟ اور انھیں کیا مجبوریاں لاحق تھیں؟ میرے خیال میں اس کے وجوہات یہ ہوسکتے ہیں......

اولاً – یہ کہ خود حدیث افتراق امت میں اس کی توضیح صراحۃً نہیں کی گئی کہ ان کے لیے خلود ہے یا نہیں یہ صیغہ راز میں رکھا گیا البتہ ان کے لیے جہنم منصوص ہے محدثین کرام اور اہل علم حضرات نے حدیث پاک کی منشاء کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فی النار کی توضیح عمومی لفظوں سے کردی۔

ثانیاً – اس کی تعبیر عمومی انداز سے کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ معاملہ باطن کا ہے، اسے باطن ہی رکھا جائے، ظاہری طور پر ان کے بارے میں احادیث میں جو ارشادات پائے جاتے ہیں ان پر عمل کیا جائے اور اب تک اسی پر اہل علم نے عمل کیا۔

مگر افسوس اس بات پر ہے کہ زور تحقیق آزمانے کے شوق میں ان کے باطنی معاملات کو دخول سے تعبیر کردیا گیا یہ غیر فکری رویوں کا کرشمہ ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے اس لیے مجھے قلم اُٹھانا پڑا تاکہ واقعی صورت حال سامنے آجائے اور مبتدعین کے صحیح خدوخال نمایاں ہوجائے مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح کے مضامین قلم بند کرنے کا وہ کون سا جذبہ ہے جو محرک بنا؟ حالانکہ ان کے باطنی معاملات کو ابھی تک کسی بھی عالم نے نہیں چھوا کہ اس پر بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اور

نہ ہی اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔

حقیقی صورت حال - اس لمبی بحث و گفتگو کے بعد مبتدعین کے بارے میں حقیقی صورتِ حال نمایاں نہیں ہوئی کہ اس میں علمائے کرام اور اکابرین ملت کے اختلاف کی وجہ ژولیدگی پیدا ہوگئی۔ انھیں کافر کہنے اور نہ کہنے کے سبب ایک قسم کا الجھاؤ نمایاں ہوگیا، جس کی وجہ سے صحیح طور پر فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ متقدمین و متاخرین کے نظریوں کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں......

اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اهل الاهواء مع ماثبت عن ابی حنیفة و الشافعی من عدم تکفیر اهل القبله من المبتدع کلهم محمله ان ذالک المعتقد فی نفسه کفر و القائل به قائل بما هو کفر ان لم یکفر بناء علی کون قوله ذالک عن استفرغ وسعة مجتهدا فی طلب الحق. (شرح فقہ اکبر ص:۱۸۹)

آپ جان لیجیے کہ اہل بدعت کو کافر کہنے کا حکم جو ہم ذکر کر چکے ہیں امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی علیہما الرحمۃ والرضوان سے جو اہل قبلہ مبتدعین کی عدم تکفیر ثابت ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ان کے معتقدات فی نفسہا کفری ہیں اور ایسے اعتقادات رکھنے والے یقیناً کفریہ عقائد رکھنے والے ہیں اگر چہ ان کی تکفیر نہیں کی گئی صرف اس خیال سے کہ انھوں نے حق کی تلاش میں پوری کوشش کی ہے۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی عبارت اور اس کے ترجمہ پر غور کیجیے اور انصاف و دیانت سے فیصلہ کیجیے کہ ان ۷۲ رفرقوں کے عقائد کفر و ضلالت پر مبنی ہیں، یہی کفری عقائد خلود کا اقتضا کر رہے ہیں اور عدم تکفیر عدم خلود کا۔ اس مقام پر خلود بشرط شی یعنی مع الدوام مراد ہے۔ اس کا درمیانی راستہ صرف یہی بچا ہے کہ فی النار سے وہ خلود مراد لیا جائے جو بشرط لاشی کے درجہ میں ہو اور جس کا معنی صرف مکث طویل ہو۔ یہ مکث طویل اگر کسی گناہ کے سبب ہے تو اسے وعدۂ معافی

کے زمرہ میں رکھا جائے گا اور جہنم سے ان کی آزادی کو یقینی مانا جائے گا جیسے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا اور اگر یہ مکث طویل کسی کفر و ضلالت اور بدعت و گمراہی کے سبب ہے تو اسے مشیت ایزدی پر موقوف پر رکھا جائے گا۔ وعدۂ معافی میں اسے شامل کرنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے......

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشا۔ (پارہ ۵، سورہ نساء)

بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ (از کنز الایمان)

ترجمہ کنز الایمان سے واضح ہوتا ہے کہ **ان یشرک بہ** سے کفر مراد ہے اور وہ کفر مراد ہے جو مطلق ہو، مطلق ہونے کی وجہ سے اس میں کفر کی تمام قسمیں داخل ہوں گی، خواہ التزامی کفر ہو یا لزومی، صاحب روح المعانی کا بھی یہی موقف ہے

وبمعنی الکفر مطلقاً وھو المراد ھنا کما اشار الیہ ابن عباس فیدخل فیہ کفر الیھود دخولاً اولیا فان الشرع قد نص علی اشراک اھل الکتاب قاطبة وقضی بخلود اصناف الکفرہ کیف کانوا۔ ونزول الایتہ فی حق الیھود علی ما روی عن مقاتل لا یقتضی الاختصاص بکفرھم بل یکفی الاندراج فیما یقتضیہ عموم اللفظ۔ (روح المعانی، جلد چہارم نصف اول، ص:۷۶)

اور شرک مطلق کفر کے معنی میں ہے اور یہاں یہی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس نے اس کی طرف اشارہ فرمایا اس کفر مطلق میں یہودیوں کا کفر بھی داخل ہے کیونکہ تمام اہل کتاب کا کفر منصوص ہے اور شرع نے ہر قسم کے کافروں کے لیے خلود فی النار کا فیصلہ فرما دیا۔ اس آیت کا نزول اگر چہ یہودیوں کے حق میں ہوا جیسا کہ حضرت مقاتل سے روایت ہے مگر انھیں کے کفر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عموم لفظ کے تحت سبھی قسم کے کفر مندرج ہوں گے۔ گمراہ فرقوں کے

معتقدات کفریہ اگر چہ لزوم کی صورت میں پائے جاتے ہیں کو عموم لفظ سے خارج کرنے کے لیے نہ تو کوئی شرعی وجہ پائی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی فکری وجہ...... کفر مطلق کے دائرے میں گمراہ فرقوں کے معتقدات کفریہ لزومیہ خلود فی النار کا تقاضا کرتے ہیں اس وجہ سے ان کفری معتقدات کو وعدۂ مغفرت کے زمرے میں شامل نہیں کر سکتے۔ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ کفر اور کفروں سے بہت نیچے ہے،اسی لیے مبتدعین کے لیے خلود کو مکث طویل میں لیا گیا اور متکلمین کے عدم تکفیر سے انھیں مشیت ایزدی پر چھوڑ دیا گیا۔ایک مرتبہ میں پھر اپنے موقف کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ......

(۱) حدیث افتراق امت میں **کلھم فی النار** سے **خلود فی النار** مراد ہے

(۲) اور اس خلود سے مکث طویل مراد ہے۔

(۳) دوزخ سے ان کا خروج مشیت ایزدی پر ہے۔

(۴) مبتدعین کا خروج من النار گناہگار مومنوں کی طرح نہیں۔

(۵) دنیوی معاملات میں ان سے قطع تعلق کا حکم ہے آج تک علمائے اہل سنت کا معمول بھی یہی ہے۔

میں نے فکر و فن اور کچھ بزرگوں کی تحریروں کے تناظر میں یہ رائے قائم کی،میری یہ رائے کوئی حتمی رائے نہیں بلکہ میں اپنے اکابر علماء اور نوجوان قلمکاروں سے گذارش کروں گا اگر اس سلسلہ میں آپ حضرات کی کوئی مثبت رائے ہے تو پیش کریں تا کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ اگر اس رائے میں کہیں کوئی فکری یا شرعی کوتاہی نظر آئے تو نشاندہی فرمائیں،میں تا زندگی آپ کا مشکور و ممنون رہوں گا۔

بدعت اور اہل بدعت کا رد: اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی تعلیمات و تصانیف کے ذریعہ حدیث افتراق امت میں مذکور ۷۲ رفرقوں کی نشاندہی فرمائی اور ان کے عقائد و نظریات سے قوم و ملت کو آگاہ کیا۔کیا یہ آگاہی بلا وجہ تھی؟اور اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا؟ یہ وہ سوال ہے جو فکر و شعور کو جھنجھوڑ رہا ہے اور متانت و سنجیدگی کو للکار رہا ہے۔کوئی باشعور انسان اس کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک ان کے افکار و نظریات اور نصوص شرعیہ کی غلط

تشریحات منظر عام پر نہیں آئیں گی، تو ہم جیسے سادہ لوح مسلمان ان کی شناخت کس طرح کر پائیں گے اور ان سے بچنے کی تدبیر کس طرح عمل میں لائیں گے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ہم سنیوں پر بڑا احسان کیا کہ جن گمراہ فرقوں اور اسلام مخالف جماعتوں نے دین مستقیم کی سیدھی راہ میں دشواریاں ژولیدگیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ان تمام کوششوں کو ناکام کر دیا۔ صراط مستقیم کی تابانیوں کو پھر سے دوبارہ نمایاں کر دیا اور عشق ووفا کی راہ کو اس قابل بنا دیا کہ کاروان عشق ووفا اس پر آسانی سے چل سکتا ہے اور اپنی حیات لازوال کی مرادوں کو پا سکتا ہے۔ دنیا کا دستور ہے جو اچھے کاموں کو انجام دیتا ہے اور خلوص وللٰہیت کی راہوں پر چلتا ہے۔ اغیار تو انھیں مورد الزام ٹھہراتے ہی ہیں، پر اپنے لوگ بھی ظلم وزیادتی سے پیش آنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی کچھ اسی انداز کا سانحہ پیش آیا اور تاریخ کے اوراق میں ان کے لیے لفظ مظلوم کا لیبل جڑ گیا۔ بات اگر یہیں تک محدود ہوتی تو اس پر خون کے آنسو رونے کی ضرورت نہ تھی، مگر افسوس اس بات پر ہے کچھ جدید قلم کاروں نے اس خط امتیاز کو ختم کرنے کی ٹھان رکھی، جسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خون پسینہ ایک کر کے قائم کیا تھا اور ملت کے افراد کو بطور امانت سونپا تھا، اس امانت کی ہم کماحقہ صیانت نہ کر سکے جس کے نتیجے میں ہمارے قلم کی توانائیاں زمانہ کی جدت طرازیوں اور یورپی تہذیبی نظاموں کے زیر اثر مدھم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ کس قدر زبردست سانحہ ہے کہ ہمارا سرمایہ رفتہ رفتہ رخصت ہوتا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ چین کی نیند سو رہے ہیں اور عیش پسند زندگیوں میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر ہماری یہ خستہ حالی کہاں تک زیب داستاں رہے گی؟ کبھی ہم نے اس پر سنجیدگی سے غور کیا اور کچھ بھی دانشمندی سے کام لیا، نہیں قطعی نہیں۔ خدارا اس سرد مہری کا کوئی نہ کوئی علاج کیجیے ورنہ اجالے اندھیروں میں اور تابانیاں ظلمتوں میں تبدیل ہوتی چلی جائیں گی اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ شاید اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نگاہ میں آج کا یہ سیاہ منظر بھی رہا ہوگا، اس لیے تو آپ نے فرمایا......

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے

سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

سونا جنگل، اندھیری رات اور کالی بدلی نیز آنکھ سے کاجل چرانا یہ سب ایسے اشارے کنایے ہیں جو ماحول کو تاریکیوں میں بدل رہے ہیں اور پھر چوروں کی رکھوالی، نیز نیند نکالنا اور اس طرح کے محاوروں سے جو بھیانک صورت نمایاں ہوتی ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم بیدار ہو جائیں، گوشۂ چشم کو سنبھال لیں، اپنے اور غیروں کا امتیاز کرلیں اور گمراہ فرقوں سے خود کو جدا رکھیں، جبھی بات کچھ بن سکتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں، جو تدبیروں پر پانی پھیر دے اور ہماری شناخت کو ختم کر دے وہ کسی بھی صورت میں اپنے نہیں ہو سکتے، وہ غیر ہیں اور غیر ہی رہیں گے۔ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے یہ بھی غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ انھوں نے ایک طرف سے سب کو کافر کہنا شروع کر دیا، ان کی نگاہ میں کوئی مسلمان ہی نہیں۔ یہ اور اس طرح کے اعتراضات صرف الزام اور بہتان تراشی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا اور نہ ہی انھیں ایسا کرنے میں کوئی فائدہ تھا، البتہ انھوں نے وہی کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا کہ ان کی رگوں میں عشق و وفا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پیار اور خلوص خون بن کر رواں دواں تھا، اس کے جو تقاضے تھے اور جو مطالبے تھے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انھیں تقاضوں کو تا زندگی پورا کیا۔ اس بابت انھوں نے کچھ بھی کوتاہی عمل سے کام نہ لیا، اور نہ ہی سرد مہری کے شکار ہوئے۔ آپ خود ہی بتایئے، دین کے دشمنوں اور شریعت میں بدعتوں، خلاف اصول کارناموں کو انجام دینے والوں سے رشتۂ اخوت کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان فرقوں کا جو مقام اور منصب تھا اعلیٰ حضرت نے اس کی وضاحت فرما دی اور قرآن و احادیث کے تناظر میں اہل سنت و جماعت کو ان کے احکام بتا دیئے کہ یہ کافر و مرتد ہیں، یہ مبتدع ہیں، گمراہ جہنمی ہیں، ان کے ساتھ مجالست اختیار نہ کرو انھیں اپنے آپ سے دور رکھو اور خود بھی دوری بنائے رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین

کہ قوم ظالم کے ساتھ نصیحت کے بعد قطعی نہ بیٹھو۔

قوم ظالمین میں کون کون لوگ شامل ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے ملا جیون علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں......

ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر - کہ قوم ظالم میں مبتدع، فاسق اور کافر بھی شامل ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ مبتدعین کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کے ساتھ کسی بھی طرح کی مجالست جائز نہیں، اس تعلق سے احادیث پاک گذشتہ صفحات میں ہم درج کر آئے ہیں...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بدعت اور اہل بدعت کا زبردست انداز میں رد فرمایا اور ان سے مجالست کو منع فرمایا، ان کے ان کارناموں کو اصلاح فکر واعتقاد کے زمرہ میں رکھنا چاہیے۔ انصاف و دیانت کا یہی تقاضا تھا اور آج بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کی اصلاح فکر واعتقاد کو لوگ، عصبیت تنگ نظری اور غیر معتدل نظریوں سے دیکھ رہے ہیں اور پھر زبان درازی سے کام لے رہے ہیں، اسی تنگ نظری کا کرشمہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ بریلی میں تو کفر کی مشین لگی ہوئی ہے اور جسے چاہتے ہیں کافر کہہ دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جن افراد پر حکم کفر نافذ کیا اور جہاں عدم تکفیر سے کام لیا وہ خالص اور ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے اس میں کسی بھی زاویہ سے لچک یا جھول نہیں دکھائی پڑتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نظروں کے بدل جانے سے نظارے بدل جاتے ہیں، نظروں میں تبدیلی کے سبب ہی آج کاروان شوق مبتدعین کے تئیں اپنے دلوں میں نرم گوشہ لیے سر بازار گھوم رہا ہے، مگر اس کا کوئی خریدار نہیں۔ اس سے فائدہ تو نہیں ہوا البتہ جماعت اہل سنت میں انتشار ضرور پیدا ہوگیا۔ اتفاق واتحاد سر بازار نیلام ہوگیا۔ خدا خیر کرے ایسے افراد کا جو جذبات کی رو میں بہتے چلے جارہے ہیں اور کیا کیا بک رہے ہیں؟

فرقہ ناجیہ کا تعین - حدیث افتراق امت آپ کے مطالعہ سے گزر چکی جس

میں گمراہ جہنمی فرقوں کا ذکر ہے اور فرقہ ناجیہ کا بھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کا تعین نہیں فرمایا اور نہ یہ بتایا کہ اس فرقہ ناجیہ کا کیا نام ہے؟ اور اس کی علامت و شناخت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا...... یا رسول اللہ وہ فرقہ ناجیہ کون ہے؟ اور اس کی علامت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا...... یہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور صحابہ کرام کے طریقہ پر عمل پیرا ہوگا اور وہ جماعت کے ساتھ ہوگا۔ یوں تو جس قدر فرقے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو ناجیہ بتا رہے ہیں اور خود کو حق پر تسلیم کر رہے ہیں۔ کیا وہ اپنے دعوی میں سچے ہیں؟ اور فکر و تاریخ ان کے دعووں کی صداقت کو ثابت کر رہی ہے؟ ان پہلوؤں کو مطالعہ میں لایا جائے تاکہ یقینی طور پر فرقہ ناجیہ کا تعین ہو سکے۔

فرقہ ناجیہ کا دعویٰ وہ کرے جو ہر دور میں سواد اعظم رہا ہو اور جمعیت و جماعت سے قطعی الگ نہ رہا ہو کہ جماعت کبھی بھی بدعت ضلالت کا اقتضا نہیں کرتی۔ سرور دین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **لا تجتمع امتی علی الضلالہ** - کہ میری امت گمراہیت پر جمع نہیں ہوتی۔ ہاں انفرادیت تو ضلالت و بدعت سے قریب ہو سکتی ہے، مگر سواد اعظم کے لیے یہ وہم و گمان بھی نہیں، اگر فکر و تامل سے آپ کام لیتے ہوئے تاریخ کے اوراق کھنگالیں تو آپ محسوس کریں گے کہ یہ شان صرف اہل سنت کی ہے اس کے علاوہ کسی فرقہ میں یہ خصوصیت نہیں، کیونکہ ۷۲ فرقوں میں کوئی بھی فرقہ معتزلہ ہو یا شیعہ، خارجیہ ہو یا جبریہ، قدریہ ہو یا نجاریہ، عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس کا وجود ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ و تابعین کے دور میں بھی یہ فرقہ نہ تھا۔ جب ان سابقہ ادوار میں کسی فرقہ کا وجود ہی نہ تھا تو پھر انفرادیت یا جماعت کا سوال ہی نہیں ہوتا اور جب یہ فرقے وجود میں آئے تو جمعیت ان سے کوسوں دور تھی۔ ہاں انفرادیت کے دائرہ میں اس کی تشکیل ہوئی، ذیل میں بڑے بڑے فرقوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ان ۷۲ ر فرقوں کو دو گروپ میں بانٹا جا سکتا ہے:......

پہلا گروپ - اس گروپ میں وہ تمام فرقے شامل کیے جا سکتے ہیں جن کے ذیلی فرقے ایک سے زائد ہیں یعنی ۳ سے ۳۲ تک مثلاً

(۱) خوارج ...... ۱۵ ر فرقے

(۲) معتزلہ ۶رفرقے

(۳) مرجیہ ۱۲رفرقے

(۴) شیعہ ۳۲رفرقے

(۵) مشبہ ۳رفرقے

دوسرا گروپ – اس میں وہ فرقے شامل ہیں جو منفرد ہیں......

(۱) جہمیہ ۱رفرقہ

(۲) نجاریہ ۱رفرقہ

(۳) ضراریہ ۱رفرقہ

(۴) کلابیہ ۱رفرقہ

(۵) اہل سنت ۱رفرقہ

پہلے گروپ سے تعلق رکھنے والے تو جماعت کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ جو فرقہ اپنے ذیلی فرقوں میں تقسیم در تقسیم ہوتا چلا گیا، ان کے پاس جماعت کا سوال ہی نہیں، اگر جماعتی نظام سے وہ آشنا ہوتا تو اس کی تقسیم ہی نہ ہوتی اور افتراق انتشار سے انھیں کوئی لگاؤ نہ ہوتا۔ اس کے ذیلی فرقوں نے ہی اس کی کمر توڑ دی تو پھر اس کے پاس جماعتی تا رو پود ہی کہاں رہے؟ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جماعت اور سواد اعظم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے یہ پانچوں فرقے فرقہ ناجیہ کی دوڑ میں شامل ہی نہیں۔ دوسرے گروپ سے تعلق رکھنے والا پہلا فرقہ جہمیہ ہے اس کا بانی جہم بن صفوان ترمذی ہے جن کی موت ۱۲۸ھ میں واقع ہوگئی۔ دوسرا فرقہ نجاریہ ہے، اس کے بانی کا نام محمد بن حسین یا حسین بن محمد ہے جو ۲۲۰ھ میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تیسرا فرقہ ضراریہ، اس کا بانی ضرار بن عمر وتھا اور کلابیہ کا بانی ابو عبداللہ بن کلاب تھا یہ دونوں افراد بھی دوسری صدی ہجری کے آخیر میں یا پھر تیسری صدی ہجری کے اوائل میں وجود میں آئے اور تشکیلی مرحلوں سے گزرتے ہوئے، فرقہ کی صورت میں نمودار ہوئے۔ جماعتی مزاج انھیں بھی حاصل نہیں تو پھر حق پر ہونے کا دعویٰ بھی درست نہیں، اب رہی بات **ما انا علیہ واصحابی** کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری اور میرے صحابہ کی سنت پر جو فرقہ ہوگا وہی ناجیہ اور رہدایت یافتہ ہوگا۔ پورے سو سال تک ان فرقوں کا وجود

میں نہ ہونا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقہ پر عمل پیرا نہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔ سو سال تک ان فرقوں کا عدم وجود ان کے دعووں کو کھوکھلا ثابت کر رہا ہے۔ اب بس صرف ایک فرقہ ہے اہل سنت و جماعت کا جو حدیث افتراق امت میں بتائی گئی علامتوں کا مکمل طور پر مصداق نظر آتا ہے کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت زمانہ نبوت میں بھی موجود تھے، اس لیے یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ **ما انا علیه و اصحابی** کے مصداق ہم ہیں اور ہر دور میں اہل سنت ہی سوادِ اعظم رہا ہے۔ اس لیے اہل سنت اپنے آپ کو فرقہ ناجیہ بتاتے ہیں۔ ہم اہل سنت عقائد و عبادات اور دوسرے اعمال میں بھی **ما انا علیه و اصحابی** پر عمل پیرا ہیں، ہمارا کوئی عقیدہ یا عمل اس مصداق سے عاری نہیں، لہٰذا فکر و تاریخ کے تناظر میں ثابت ہوا کہ اہل سنت و جماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے اور بقیہ تمام فرقے جہنمی ہیں۔ فرقہ ناجیہ کے تعین میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں......

> وہر فرقہ دعویٰ می کند کہ براہ راست است ومذہب حق وے جوابش آنکہ ایں چیزے نیست کہ بجز دعویٰ تمام شود برہان باید وبرہان حقانیت اہل سنت و جماعت آنست کہ ایں دین اسلام بنقل آمدہ است ومجرد عقل بآں وافی نیست وبتواتر اخبار معلوم شدہ بہ تتبع تفحص احادیث و آثار متعین گشتہ کہ سلف صالح از صحابہ وتابعین باحسان ومن بعد ہم ہمہ بریں اعتقاد وبریں طریقہ بودہ اند وایں بدع وہوا ومذاہب و اقوال بعد از صدر اول حادث شدہ واز صحابہ سلف متقدمین ہیچ کس برآں نبودہ وایشاں مبرے بودہ اند ازاں وبعد از حدوث آں رابطہ صحبت ومحبت کہ باآں قوم داشتند قطع کردہ ورد نمودہ، ومحدثین اصحاب کتب ستہ وغیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ مبنی ومدار احکام اسلام برآنہا افتادہ وائمہ فقہائے اربعہ ارباب مذاہب وغیرہ ازاں کہ در طبقہ ایشاں بودہ اند ہمہ بریں مذہب بودہ اند واشاعرہ وماتریدیہ کہ ائمہ اصول کلام اند تائید مذہب سلف نمودہ اند وبدلائل عقلیہ آنرا اثبات کردہ وآنچہ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجماع سلف براں رفتہ بودہ مؤکدہ ساختہ اند ولہٰذا نام ایشاں اہل سنت و جماعت افتادہ اگر چہ ایں نام حادث است امامذہب واعتقاد ایشاں قدیم است و

طریقہ ایشاں اتباع احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقتدا بآثار سلف وحمل نصوص بر ظاہر است مگر عند الضرورۃ وبر عقول وآراواہوائے خود بخلاف دیگراں مثل معتزلہ و شیعہ وغیرہم۔

(اشعۃ اللمعات، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص:۱۴۱)

ترجمہ:- ہر فرقہ راہ راست پر ہونے اوراپنے مذہب کی حقانیت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو محض دعویٰ سے پوری ہو جائے۔ اس کے لیے دلیل وبرہان چاہیے۔ مذہب اہل سنت کے حق پر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دین اسلام منقول ہے، محض عقل اس کے لیے کافی نہیں، متواتر خبروں سے معلوم ہوا، احادیث وآثار کے تتبع وتلاش سے متعین ہوا کہ سلف صالحین صحابہ وتابعین اور جو ان کے بعد کے ہیں سب کے سب اہل سنت وجماعت کے اعتقاد وطریقہ پر تھے، مذہب وقول میں بدعت وہوا صدر اول کے بعد پیدا ہوئے صحابہ کرام اور سلف متقدمین میں سے کوئی اس پر نہ تھے حالانکہ یہ لوگ نیک وصالح تھے، حدوث بدع و فتن کے بعد سلف متقدمین سے رشتہ محبت توڑلیا گیا بلکہ ان کا رد بھی کیا گیا، صحاح ستہ اور دوسری مشہور معتمد کتب احادیث جن پر احکامِ اسلام کا دارومدار ہے کہ محدثین بھی عقائد اہل سنت پر تھے، چاروں ائمہ فقہ اور جس قدر بھی اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے فقہا تھے مذہب اہل سنت پر تھے۔ ائمہ اصول کلام ماتریدی واشعری نے بھی مذہب سلف کی تائید فرمائی اور عقلی دلیلوں سے اسے حق ثابت کیا اس لیے اس کا نام اہل سنت وجماعت پڑ گیا، نام اگر چہ حادث ہے مگر مذہب وطریقہ قدیم ہے ان لوگوں نے احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور آثار سلف صالحین کی اقتدا فرمائی، نصوص کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا، مگر بوقت ضرورت ایسا نہیں کیا، کسی بھی مسئلہ میں اہل سنت نے اپنی عقلوں اور آراو اھوا پر اعتماد نہیں کیا، دوسرے فرقوں نے تو صرف اپنی عقلوں پر اعتماد کیا جیسے کہ معتزلہ اور شیعہ وغیرہ نے علوم فلسفہ پر اعتماد کیا۔

فرقہ ناجیہ عقائد میں اشعری ہیں یا ماتریدی ہیں اور مسائل میں حنفی، شافعی، حنبلی یا مالکی ہیں،

انھیں اماموں کے پیرو کار سوادِ اعظم سے تعلق رکھتے ہیں، جو اس سوادِ اعظم سے باہر ہے۔ وہ گمراہ، گمراہ گر جہنمی ہے، ان کا دین دین حق نہیں، ان کا طریقہ سنت سنیہ نہیں، گمراہ فرقوں نے ہر طرح سے فرقۂ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کو ضرر پہنچانے کی کوششیں کیں۔ خود ہندوستان میں بہت سے فرقوں نے جنم لیا، اور سوادِ اعظم کی لہروں کو کم کرنے کی ناکام کوشش کی، وہابی، دیوبندی، قادیانی، مودودی وغیرہ بھی کچھ ایسے ہی فرقے ہیں۔

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

☆☆☆

ردعمل کا تاریخی پسِ منظر اور جماعتی مزاج: حدیث افتراق سے یہ بات روزِ روشن کی مانند واضح ہو چکی ہے کہ اہل بدعت کے تعلق سے رد بھی کیا جائے گا اور شرعی طور پر وہ جس حکم کا مستحق ہوگا وہ بھی نافذ کیا جائے گا۔ یہ رد وابطال انفرادی طور پر بھی کیے جائیں گے اور اجتماعی طور پر بھی حتی کہ اگر مسلمانوں کی حکومت ہو تو حکومتی سطح پر بھی ان کے خلاف کاروائی کی جائے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ اقدس میں صبیغ تمیمی نام کا ایک شخص تھا جو قرآن مقدس کے متشابہ آیات کے تعلق سے لوگوں سے سوال کرتا اور معانی و مطالب بھی پوچھا کرتا۔ اس طرح کے عمل کو قرآن مقدس نے فتنہ قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے......

فاما الذین فی قلوبهم زیغ یتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنه وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوالالباب.

(سورۂ آل عمران، ۲۹)

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہتے ہیں اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور

پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔(ترجمہ رضویہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنہ پر روک لگائی اور فتنہ پرور پر لگام کس دی......

فقدم علی عمر رضی اللّٰہ عنہ و کان اعد لہ جرائد لیضربہ بھن فلما جلس بین یدی عمر قال لہ من انت قالہ لہ انا عبداللّٰہ صبیغ فقال لہ عمر انا عبداللّٰہ عمر فضربہ عمر حتی شجہ بتلک العراجین فجعل الدم یسیل علی وجھہ حسبک یا امیر المومنین فقد واللّٰہ ذھب ما کنت اجدہ فی راسی و فی روایۃٍ ضربہ عمر حتی صار ظھرہ کاالبردعہ ثم سبحنہ فقال لہ ان اردت قتلی فاقتلنی والافقد شفیتنی شفاک اللّٰہ فارسلہ عمر ونھی ان یجالس فکان بالبصرہ لا یکلمہ احد ولا یجالسہ ولا یرد علی حلقۃ الاقاموا وترکوہ وکان مع ذالک وافر الشعر لا یحلق راسہ۔ (شرح الشفا لملاعلی قاری علی ھامش،نسیم الریاض،ص: ۴۷۲-۴۷۳)

صبیغ تمیمی حضرت عمر کے پاس آیا،اسے مارنے کے لیے حضرت عمر نے کھجور کی چھڑیاں تیار کرائیں، جب وہ حضرت عمر کے روبرو بیٹھا۔حضرت عمر نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب میں اس نے کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں،حضرت عمر نے فرمایا میں عبداللہ بن عمر ہوں۔حضرت عمر نے انھیں مارا یہاں تک کہ زخمی کر دیا اور خون اس کے سر سے بہنے لگا،صبیغ نے کہا بس اے امیر المومنین، وہ تمام فتور جو میرے سر میں تھے ختم ہو گئے۔ایک روایت میں ہے حضرت عمر نے اسے اس قدر مارا کہ اس کی پیٹھ پالان کی لکڑی کی مانند ٹیڑھی ہو گئی۔پھر اسے قید میں

ڈال دیا۔ جب وہ ٹھیک ہونے کے قریب ہوا، پھر اسے اسی طرح مارا اور قید میں ڈال دیا، صبیغ نے امیر المومنین سے کہا اگر آپ کا ارادہ قتل کا ہے تو مجھے قتل کر دیجئے، ورنہ مجھے اس سے نجات دے دیجیے خدا آپ کو نجات دے گا، حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا اور کسی طرح کی مجالست کرنے سے منع فرمادیا۔ بصرہ میں کوئی بھی اس سے کلام نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے ساتھ مجالست کرتا، اگر وہ کسی حلقہ یا مجلس میں آجاتا تو لوگ اٹھ کھڑے ہوتے اور اسے تنہا چھوڑ دیتے۔ اس کے سر کے بال بہت بڑے ہوگئے تھے، اس نے اپنے بالوں کو کٹوایا ہی نہیں۔

یہ تھا فتنہ، بدعت کے خلاف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ردعمل، یہ فتنہ صرف انفرادی طور پر تھا اس کا کوئی دوسرا ہمنوا نہ تھا۔ بعد میں کچھ ایسے فتنوں نے جنم لیا جو رفتہ رفتہ جماعتی صورت اختیار کر گیا اور اس فتنہ کے بہت سے افراد انساں ہمنوا ہوگئے۔ جہاں ایسی صورت نمایاں ہو مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کے فتنوں کا قلع قمع کرے اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ اگر چہ اس کے لیے قتال ہی کی ضرورت کیوں نہ پڑے۔ نسیم الریاض ص: ۴۷۲ جلد چہارم میں ہے......

ولم یختلفوا فی قتالھم اذا تحیز وافئة فارقوا اھل السنة وانفردوا بمکان مختص بھم لاظھارھم المخالفة وخشیة اضلال العامة والخروج اذ قویت شوکتھم، انھم یستتابون ورجوعھم عما قالوہ واعتقدوہ فان تابوا ورجعوا مماھم قبلت توبتھم والاقتلو دفعالشرھم واضلالھم لغیرھم.

(نسیم الریاض جلد چہارم، ص: ۴۷۲)

یعنی جب اہل بدعت اپنی جماعت تیار کرلیں تو ان سے قتال کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، جماعت تیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل سنت سے علاحدہ ہو کر کسی مخصوص جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنالیں، ان سے قتال اس وجہ سے کیا

جائے گا کہیں وہ مخالفت اور بغاوت کا اعلان نہ کر دیں اور عام مسلمانوں کو فتنوں میں نہ ڈال دیں، یہ اس صورت میں ہے جب ان کی جماعت مستحکم ہو۔

مذکور بالا عبارت کے اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ اگر ان کی جماعت مستحکم نہیں ہے تو اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتال کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کی جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ یہ سبھی افراد جانتے ہیں کہ فتنہ جس قدر شدید ہوتا ہے، ردعمل بھی اسی کے اعتبار سے شدید ہوا کرتا ہے اور سختیاں بھی اسی انداز میں روا رکھی جاتی ہیں جس انداز کی فتنہ پروری ہوا کرتی ہے۔ جہاں اسلامی حکومت نہ ہو اور پھر غیر اسلامی حکومت کی پشت پناہی میں کوئی فتنہ پرورش پا رہا ہو تو اس دور کے اہل حق علماء کرام پر اس کے قلع قمع کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں علم والوں کا خاموش رہنا اور گوشہ تنہائی میں روپوش ہو جانا قطعی مناسب نہیں بلکہ لائق باز پرس ہے۔ جو علماء کرام فتنہ و شر کے روکنے میں جٹ گئے اور انھوں نے ردعمل کے طور پر قلم دوات سنبھال لیے اور فتنوں کی سرکوبی کے لیے سر سے کفن باندھ لیے تو وہ کسی مرد مجاہد سے کم رتبہ نہیں رکھتے ہیں کہ وہ دہری ذمہ داری نبھاتے ہیں فتنوں کی سرکوبی اور عوام اہل سنت کے ایمان وایقان کی صیانت، یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جن کی ہر وقت ادائیگی، شخصیتوں کو معتبر باوقار اور پرضیا بنا دیتی ہے ایسے مقدس افراد پر مشتمل جماعت بار بار دنیا میں جنم نہیں لیتی، برسوں بعد نمود پاتی ہے اور پھر اپنے تبسم ریز ہونٹوں سے کائنات کو موڈرموبقعہ نور بنا کر روپوش ہو جاتی ہے، تہہ خاک ہونے کے باوجود ان کی شخصیتیں اجالوں کو تقسیم کرتی ہیں ہر ایک کو کامیابی انھیں کے دامن تقدس سے وابستگی کے سبب ملا کرتی ہے۔

سب سے بڑا فتنہ - فرقہ ناجیہ کو نقصان پہنچانے کے مقصد سے یوں تو بہت سے فتنوں، فرقوں نے جنم لیا جنھوں نے اپنے باطل نظریات اور مفسدانہ ذہنیت کے سبب مسلمانوں کے دل ودماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اس کے خلاف ردعمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عبدالوہاب نجدی کا تھا۔ یہ فتنہ ''قرن الشیطان'' کا یقینی طور پر مصداق تھا جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ نجد سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

زلزلے اور فتنے جنم لیں گے، یہی فتنہ نجد کی سرزمیں سے محمد بن عبد الوہاب نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انھیں کے نام سے منسوب ہو کر ان کے پیرو کار وہابی فرقہ سے مشہور ہوئے یہ شخص علاقۂ نجد کے شہر عینیہ میں ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوا؟ ان کے نظریات کیا تھے؟ ان کے عقیدوں میں کس طرح کا فتور تھا؟ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کی دریدہ دہنیاں کیا تھیں؟ روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے ان کے خیالات کیا تھے؟ یہ ایک الگ نوعیت کی بحث ہے، ہماری جماعت کے بہت سے قلمکاروں نے اس پر لکھا اور بہت زیادہ تفصیل سے لکھا، میں انھیں دہرانا نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اس قدر بتانا چاہتا ہوں کہ محمد ابن عبد الوہاب ایک فتنہ تھا، یہ فتنہ کسی کے اشارہ پر وجود میں آیا؟ اور اس کے پردۂ زنگاری میں کس کی ذہنیت کام کر رہی تھی یہ ارباب فکر پر روشن ہے۔ یہ فتنہ صرف نجد یا علاقۂ عرب تک محدود نہ رہا بلکہ بہت سے علاقوں میں پھیل گیا اور خوشگوار فضاؤں میں سمیت کے جراثیم بھی پیدا کر دیے۔

ہندوستان میں نجدیت — ہندوستان میں مسلمان خوش عقیدہ تھے، اہل سنت وجماعت کے زیر سایہ اپنی زندگی گزار رہے تھے آپس میں مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی من مونا و نہیں تھا اگر کسی نقطۂ نظر میں اختلاف بھی ہوتا اس کی نوعیت اختلاف امتی رحمۃ تک محدود تھی۔ پورے ہندوستان میں خاندان ولی اللّٰہی کا علمی سکہ چلتا تھا اور ہر معاملات میں مسلمان انھیں پر اعتماد رکھتے تھے۔ اسی خاندان میں ۱۱۹۳ھ میں اسماعیل دہلوی پیدا ہوا۔ شیخ عبد القادر بن ولی اللہ دہلوی کے آغوش تربیت میں نشو ونما پائی اور اپنے چچا شیخ رفیع الدین اور شیخ عبد العزیز سے استفادۂ علم وفن کیا۔ ابن عبد الوہاب نجدی کی کتاب ”کتاب التوحید“ کے طرز پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تقویۃ الایمان رکھا گیا۔ دراصل یہ کتاب تقویۃ الایمان نہ تھی بلکہ ایمان ویقین کو مضمحل کرنے والی کتاب تفویۃ الایمان تھی، جب یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی، تو شیخ عبد العزیز اور ان کے شاگردوں نے اس کتاب کا رد کیا، اور اسماعیل دہلوی کی ملامت کی، ان کے باطل نظریات اور بدعت وضلالت کے سبب بہت زیادہ نالاں ہوئے، اس سلسلہ میں ان کے جو تاثرات ہیں، دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے لائق ہیں

وکان الشیخ عبدالعزیز رحمه الله کف بصره اذ ذاک فقال لولم اکن مبتلی بالامراض والاعذار لکتبت رده کما کتبت فی رد الشیعه تحفة الاثنی عشره. ۳۳

(حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن،ص:۵۵)

حضرت شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اس وقت آنکھوں کی روشنی ختم ہو چکی تھی اس کے باوجود آپ نے فرمایا کاش اگر میں اس مرض وعذر میں مبتلا نہ ہوتا تو اسماعیل دہلوی کے رد میں کتاب لکھتا جس طرح میں نے شیعوں کے رد میں تحفہ اثناعشریہ نامی کتاب تصنیف کی۔

اس دور میں جس قدر علمائے عظام تھے کسی نے بھی اسماعیل دہلوی کا ساتھ نہ دیا۔صرف شاہ عبدالحئی دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی ان کی موافقت میں تھے۔شیخ عبدالعزیز علیہ الرحمہ اسماعیل دہلوی سے اس قدر ناراض تھے کہ انھوں نے اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں سے انھیں کچھ بھی نہ دیا۔

اسماعیل دهلوی کا رد و ابطال - اسماعیل دہلوی کے رد وابطال میں اس دور کے تمام علمائے حق اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ایک ایک نظریہ کا قرآن وحدیث کے تناظر میں رد فرمایا۔جن علماء کرام نے اس قلمی جہاد میں حصہ لیا ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں

(۱) حضرت شیخ مخصوص اللہ دہلوی

(۲) حضرت شیخ محمد موسیٰ دہلوی

(۳) حضرت شیخ رشیدالدین

(۴) علامہ فضل رسول بدایونی

یہ وہ حضرات تھے جو اس دور کے اکابر علماء میں شمار کیے جاتے تھے، ان حضرات نے اسماعیل دہلوی کے نظریوں کا رد بھی کیا اور ان کے معتمد خاص عبدالحئی دہلوی سے جامع مسجد میں مناظرہ بھی کیا۔اسماعیل دہلوی تو مناظرہ میں ٹک ہی نہ پائے اور عاجز ہو کر مجلس مناظرہ سے راہ

فرار اختیار کرلی۔ سیف الجبار میں علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے مناظرہ کا تفصیلی حال تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ کیجیے ذیل میں اس کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے......

۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ بروز منگل صبح کے وقت جامع مسجد دہلی حوض کے قریب یہ مناظرہ منعقد ہوا۔ یہ مناظرہ علمائے اہل سنت مثلاً - (۱) مولوی رشید الدین خاں اور مولوی عبدالحیٔ کے درمیان ہوا تھا گو کہ مجلس میں اور بھی علمائے اہل سنت موجود تھے اور خود اسماعیل دہلوی بھی اس میں شریک تھے مگر مغلوب الغضب ہونے کے سبب وہ گفتگو نہ کرسکے اور مجلس مناظرہ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ مولوی اسماعیل نے پہلے ہی استفسار سے ارادہ کیا اٹھ جانے کا، مولوی رحمۃ اللہ صاحب نے کہا ذرا تشریف رکھیں کہ جناب کے بھی دستخط اس تحریر پر ضرور ہیں، مولوی اسماعیل نے کہا میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں، میرے واسطے محتسب لا، اے مردود میرے ساتھ تختی کرتا ہے انھوں نے کہا میں تختی نہیں کرتا عرض کرتا ہوں پھر مولوی اسماعیل نے کہا میرے رسالہ کا جواب لکھ، مولوی رحمۃ اللہ صاحب نے کہا رسالہ آپ کا میری بغل میں ہے اگر فرمائیں اسی مجمع میں جواب عرض کروں، غصہ کھا کر کچھ نہ کہا پھر مولوی رحمۃ اللہ نے کہا جواب عقلی لکھوں یا نقلی؟ کہا جیسا چاہے۔ رد جواب اس کا لکھو گے کہا میں محکوم کسی کا نہیں ہوں نئے عقیدہ اپنے دل کے بنائے ہوئے کسی سے نہ فرماتے اور نہیں تو ابھی بحث کرلیجیے مولوی اسماعیل اٹھ بھاگے۔ (سیف الجبار، ص:۵۲)

دوسرے مقام پر ہے......

چلتے ہوئے رشید الدین خاں صاحب مولوی عبدالحیٔ سے پوچھا کیے وہ جواب دیتے تھے ایسے کہ قدما کے بہت خلاف نہ تھے۔ (سیف الجبار، ص:۵۲)

مجلس مناظرہ کا لب لباب بیان کردیا گیا۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھیوں کا طریقہ مخالف اہل سنت اور خود اسماعیل دہلوی کے آبا و اجداد کا

مخالف ہے، اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسماعیل دہلوی کی عبارتوں سے جو کفری مضامین ثابت ہوتے ہیں، اس کا انھوں نے التزام کیا ہو، اس بنیاد پر مختلف احتمالات پیدا ہوئے جن کی وجہ سے اسماعیل دہلوی کا کفر، کفر فقہی بن کر رہ گیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے اسماعیل دہلوی کو کافر و مرتد قرار دیا اور خود علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے کافر نہ کہا، اس کے مطالعہ کے لیے دیکھئے تحقیق الفتویٰ اور سیف الجبار۔ علامہ فضل رسول بدایونی حکم تکفیر کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں خیال رہے کہ یہ وہ حکم تکفیر ہے جو تحقیق الفتویٰ میں نافذ کیا گیا۔ سیف الجبار کی عبارت ملاحظہ فرمایئے......

> جواب سوال ثالث ایں است قائل کلام لاطائل از روئے شرع مبین بلا شبہ کافر و بے دین است ہرگز مومن و مسلمان نیست و حکم او قتل و تکفیر است و ہر کہ در کفر او شک آرد یا تردد دارد یا ایں استخفاف را سہل انگارد کافر و بے دین و نامسلمان و لعین است الا در کفر و بے دینی کم تر است از کسے کہ ایں کلام ضلالت نظام را صواب و مستحسن پندارد و اعتقاد این کلام را از عقائد ضروریہ دیں شمارد و آنکس در کفر با ہم سر بلکہ در استخفاف از وبالاتر است چہ او استخفاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سائر انبیاء و ملائکہ و اولیاء را مستحسن داشت و آنرا از ضروریات دین پنداشت ہمچناں کسیکہ ظاہراً باطناً پاسداری ایں قائل دراین چنیں مسائل روا دارد و برائے حفظ حرمت رو در اہل علم تاویلات دور از کار آرد چہ او نیز مرتکب استخفاف شان حضرت سید المرسلین شد کہ پاسداری بے دینی را بر احترام آں سید الانام علیہ التحیہ والسلام رجحان دارد بخوف ملامت بلکہ بمقتضائے بدبختی و شامت در پے اثبات برا استخفاف ولالت دارد افتاد این ہمہ کفر و زندقہ است۔

(سیف الجبار، ص: ۵۰)

ترجمہ:- تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس لغو کلام کا قائل شرعی اعتبار سے بلا شبہ کافر و بے دین ہے وہ ہرگز مومن و مسلمان نہیں، اس کا حکم قتل

اور تکفیر ہے جو اس کے کفر میں شک کرے یا تردد رکھے یا اس توہین کو سہل جانے، وہ بھی کافر، بے دین، نا مسلمان اور لعین ہے، مگر یہ کہ کفر و بے دینی میں وہ اس شخص سے کم تر ہے جو اس کلام ضلالت نظام کو درست اور مستحسن قرار دے اور اس طرح کے اعتقاد کلام کو دین کے عقائد ضروریہ میں شمار کرے، ایسا شخص کافروں کے مساوی ہے بلکہ توہین میں ان کے اوپر ہے کیونکہ وہ توہین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انبیاء کرام، ملائکہ عظام اور اولیاء کو مستحسن خیال کرتا ہے اور اسے ضروریات دین میں شمار کرتا ہے یہ تو اس شخص کے مانند ہوا جو ظاہری، باطنی طور پر ان مسائل میں اس کے قائل کی پاسداری کو جائز رکھتا ہے اور اس کے حفظ حرمت کی خاطر اہل علم کے سامنے دور از کار تاویلات پیش کرتا ہے دور از کار تاویلات کرنے والے بھی استخفاف سرکار دو عالم کے مرتکب ہو گئے، اس لیے کہ وہ افراد بے دینی کی پاسداری کو سید الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ترجیح بخوف ملامت نہیں بلکہ بمقتضائے بدبختی و شامت کے عین مطابق ہے ان تاویلات کو ثابت کرنا توہین پر دلالت کرتا ہے جو مکمل طور پر کفر و زندقہ ہے"۔

پیش کردہ خلاصہ حکم تکفیر اور ترجمہ پر غور کریں، اس میں ہر مقام پر لغو کلام کا قائل کہا گیا اسماعیل دہلوی کی طرف اس کی نسبت یقینی طور پر نہیں کی گئی، حالانکہ خود علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتویٰ میں اسماعیل دہلوی کی غلط اور خلاف حق تحریروں کا ذکر کیا، جیسا کہ سیف الجبار ص: ۴۹ میں ہے

دوسرا مقام کلمہ لاطائل کے بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مولوی اسماعیل کی زبان سے سرزد ہوا۔

ان تحریروں کا ذکر ہونے کے باوجود نسبت الی فاعل ما کو مبہم رکھا گیا، جو احتمال فی المتکلم پر قرینہ ہے اور تعین نسبت کو ثابت نہیں کر رہا ہے اس عدم تعین نسبت کے سبب کفر فقہی متعین، سیف

الجبار میں تکفیر کی نقل تو کی گئی مگر مصنف علیہ الرحمہ نے خود اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا، ان کے عقائد و نظریات کو مخالف اہل سنت اور **مفضی الی الضلالۃ** تو فرمایا مگر کافر نہیں، یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ علمائے متقدمین کے مابین اہل ہوا و بدعت کی تکفیر و عدم تکفیر میں اختلاف تھا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کر دیا گیا اور اس بات کا بھی امکان ہے اسماعیل دہلوی کی تکفیر صرف انکار شفاعت پر نہ کی گئی ہو، اس کے دوسرے وجوہات بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت سیف اللہ المسلول کی نگاہ میں نہ ہوں، اس لیے آپ نے اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا، اور تکفیر سے کف لسان فرمایا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی علامہ فضل رسول بدایونی کی اتباع فرماتے ہوئے الکوکبۃ الشہابیۃ میں فقہی کفریات تو شمار کیے مگر کافر نہیں کہا اور اسے یزید کی مانند معلق رکھا یعنی کوئی کافر کہے تو اسے منع نہیں کیا جا سکتا ہے اور کوئی نہ کہے تو اسے کافر کہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اکابر دیوبند میں سے قاسم نانوتوی، محمود الحسن دیوبندی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کا معاملہ اسماعیل دہلوی سے بہت کچھ الگ ہے۔ اسماعیل دہلوی کا کفر فقہی ہے اور ان کا کفر کلامی ہے۔

کفر فقہی/ لزومی - اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے یہی واضح ہوتا ہے کہ کفر فقہی میں مختلف قسم کے احتمالات پائے جاتے ہیں اول یہ کہ قول صریح کفر نہ ہو۔ دوم یہ کہ کفر تو صریح ہو مگر اس کی نسبت قائل کی طرف یقینی نہ ہو۔ سوم یہ کہ نسبت تو متعین ہو مگر قائل کی نیت کا علم نہ ہو، جہاں اس قدر احتمالات اور شکوک و شبہات پائے جائیں، فقہا اگرچہ قول کفری یا مفضی الی الکفر ہونے کے سبب تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں، مگر محتاط متکلمین اس سے احتراز کرتے ہیں۔ علمائے اہل سنت نے اسماعیل دہلوی کے سیکڑوں کفریات کے لازم ہونے کے باوجود انھیں کافر نہیں کہا۔ ضال، مضل، جہنمی تو کہتے ہیں مگر کافر نہیں کہتے۔

کفر کلامی/ التزامی - میں کسی طرح کا احتمال نہیں ہوتا، نہ کلام میں، نہ تکلم میں اور نہ ہی متکلم میں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام بھی کفری ہو، اس کے صدور کا بھی یقین ہو، نسبت کا تعین اور نیت کفر کا بھی یقینی علم ہو، جیسا کہ اکابر دیوبند کے کفریات میں، یہ تینوں

احتمالات رافع ہیں، مفتی کوثر حسن صاحب قبلہ تحریر کرتے ہیں......

دیوبندیوں کے چاروں پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی اشرف علی تھانوی، خلیل احمد انبیٹھوی کی تکفیر کلامی ہے کہ ان کی عبارتوں میں احتمال فی الکلام کا نہ ہونا الموت الاحمر اور وقعات السنان سے روشن تر اور احتمال فی المتکلم والمتکلم یوں نہیں کہ ان سے ان عبارت کا ثبوت اور عدم توبہ ورجوع بطور تواتر ہے جو علم یقینی کلامی کا افادہ کرتا ہے۔(لمعات نور،ص:۳۰)

کفر لزومی/التزامی یا فقہی/کلامی کا مطالعہ کیجیے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے جو افراد اکابر دیوبند کی تکفیر سے کف لسان اختیار کرتے ہیں وہ سخت قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں اور فکر وشعور کے دائرہ سے ہٹ کر بات کر رہے ہیں، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ دانشوری کا دعویٰ کرنے والے افراد بھی اس طرح کے عمیق گڈھوں میں کیوں گرتے جا رہے ہیں؟ کیا ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گیا یا پھر وہ شامت اعمال کے سبب ذلت ونکبت سے دوچار ہو رہے ہیں۔اس سلسلہ میں اسماعیل دہلوی کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کف لسان کا سہارا لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا تنکوں کا سہارا لے۔ظفر ادیبی اور ان کے ہمنواؤں کا جو حشر ہوا وہ سب ہماری نگاہوں میں ہے اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔مولوی خلیل احمد بجنوری کی زندگی میں جو تاریکیاں چھائی ہیں وہ بھی ہم جانتے ہیں نصیحت آموزی کے لیے یہ دو مثالیں کافی ہیں بدایوں کی سرزمیں نے تو انھیں کوڑوں کے ڈھیر پر ڈال دیا۔کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔کسی دور میں ان کی طوطی بولتی تھی اور اب کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی ان کا نام ونشاں باقی نہیں۔

تکفیر کی نسبت جس طرح شخص کی طرف کی جاتی ہے،اسی طرح جماعت وفرقہ کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔اس نسبت میں دونوں اقسام کفر برابر ہیں۔لزومی بھی، التزامی بھی اور اختلاف تکفیر وعدم تکفیر کا ورود بھی علی سبیل الاستوا ہوگا۔یہ اور بات ہے کہ کیفیت ورود میں تھوڑا فرق ہوگا کہ کفر کہیں شدید ہوگا اور کہیں اشد،اسی طرح کوئی فرقہ کافر قرار پائے گا اور کسی پر صرف ضال ومضل کا حکم ہوگا۔

فرقوں کی تشکیل - ارباب فکر و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ فرقوں کی تشکیل عقائد و نظریات کی بنیاد پر ہوا کرتی ہے، عمل کی بنیاد پر کوئی بھی فرقہ تشکیل نہیں پاتا، کیونکہ اعمال عارضی ہوتے ہیں اگر اس بنیاد پر فرقوں کی تشکیل تسلیم کی جاتی ہے تو پھر روزانہ فرقے بنتے اور بگڑتے رہیں گے چونکہ عقیدے، نظریات دائمی طور پر اپنائے جاتے ہیں اس لیے فرقوں کی تشکیل میں یہی عقائد کارگر ہوتے ہیں، اسماعیل دہلوی اور دوسرے اکابر دیوبند نے اہل سنت و جماعت سے جدا ہو کر کچھ ایسے جدید باطل نظریات و اعتقادات گڑھ لیے اور پھر عام مسلمانوں کو ان عقائد کو اپنانے اور اتباع کی دعوت دی، شروع شروع میں یہ فتنہ انفرادی صورت میں ظہور پذیر ہوا، بعد میں اس نے فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ وہابیت، دیوبندیت اور ان کے اعتقادی نظریات قریب قریب ایک سے ہیں، اس معاملہ میں دونوں کے درمیان کوئی بعد و تفاوت نہیں، یہی سبب ہے کہ دیوبندی حضرات بھی اسماعیل دہلوی، سید احمد رائے بریلوی، ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب نجدی کو اپنا پیشوا و مقتدا تصور کرتے ہیں البتہ عمل میں دونوں کے درمیان فرق ضرور ہے کہ وہابی کسی امام کی تقلید نہیں کرتے اور دیوبندی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں۔ فرقہ کے فلسفہ تشکیل اور اس کے عناصر کی توضیح کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ

دیوبندی ایک نیا فرقہ ہے جسے اہل سنت و جماعت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ فرقہ دیوبند کی طرف منسوب ہے، دیوبند ایک مکتبہ فکر ہے، میتھڈ آف اسکول ہے، اس کے بھی نظریات و اعتقادات وہی ہیں جو قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے تھے۔ ان چاروں اکابر دیوبند کے عقائد کفریہ ثابت بالتواتر ہیں، ہر دور میں عوام و خواص میں سے بہت سے لوگ ان کے کفری اعتقادات کو جانتے رہے ہیں اور موقعہ و محل کے اعتبار سے اس کے رد و ابطال بھی کرتے رہے ہیں، اس بنیاد پر ان کے کفری عقائد بدھیات میں داخل ہو چکے ہیں، اسی لیے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں، ختم نبوت کے منکرین کو دیوبندی کہا جاتا ہے۔ ہمارے اکابر اہل سنت نے جس طرح سے مذکورہ چاروں اکابر کی کلامی تکفیر کی، اسی طرح فرقہ دیوبند پر بھی کلامی تکفیر کا حکم نافذ کرتے رہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کچھ

ایسے لوگ بھی ملیں جو دیوبندیوں کے عقائد سے مطلع نہ ہوں، کیونکہ دیوبندی حضرات اپنے عقائد کفریہ کو چھپاتے رہے ہیں اور تقیہ بازی سے سنیوں میں جا کر سنیوں جیسے اعمال و افعال اور باتیں کرتے ہیں لیکن اتنا تو سب کو معلوم ہے کہ دیوبندی بدعقیدہ ہیں ان کے خیالات اچھے نہیں ہیں، ایسے لوگ اگر چہ کفر کے دائرہ میں نہیں آئیں گے، مگر وہ سخت گنہگار ضرور ہوں گے اور پھر ایسے لوگوں پر دیوبندی ہونے کا بھی حکم نہیں، ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا......

اسی لیے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندیوں کو کافر و مرتد لکھا اور صاف فرمایا

من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انھیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ و بدمذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی سب نمازیں باطل و بے کار، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص: ۷۷)

دیکھیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے دیوبندیوں کی تکفیر بحیثیت فرقہ فرمائی، شخصی تکفیر میں نسبۃ الی الفاعل کا یقینی، حتمی اور جزمی ثبوت درکار ہوتا ہے لیکن فرقہ کی تکفیر میں اس طرح کا ثبوت درکار نہیں، اس کے لیے بطور اجمال تعین ثبوت ہی کافی ہے ۔ تجربہ شاہد ہے کہ فرقہ فتنہ و فساد کے برپا کرنے میں فرد اور شخصیت سے کچھ زیادہ خطرناک ہوتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس کے ازالہ کے لیے ردعمل کی نوعیت بھی اسی انداز کی ہو جس انداز میں فتنہ کی کاروائی عمل میں لائی جا رہی ہے دورِ حاضر میں ہندوستان میں کوئی اسلامی حکومت تو ہے نہیں کہ اس کے قلع قمع کے لیے حکومتی سطح پر کوشش کی جائے ۔ لہٰذا یہاں علمائے اہل سنت کا میدان میں آنا اور اجتماعی طور پر اس کے خلاف کاروائی کرنا ہی بہتر ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسی طرح کے ردعمل کے لیے راہ ہموار کی، علماء کی ٹیم تیار کی، افراد کے ہاتھوں میں ردعمل کے اسلحہ جات عطا کیے اور

مخلصانہ انداز میں کوششیں کرنے کی ترغیب فرمائی، مگر افسوس ہے کہ اس دور میں بعض حضرات ان کوششوں پر پانی پھیرنے کی بات کر رہے ہیں نظریاتی طور پر بھی اور عملیاتی انداز میں بھی، اس ترغیبی عمل کی حرارتوں کو دلوں سے باہر نکال دینا چاہتے اور ذہنوں سے اس طرح کے خیالات کو مٹا دینا چاہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہنی پردہ سیمیں سے وہ باتیں محو ہو چکی ہیں، جن یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے ہمارے اکابر اور اسلاف نے بے پناہ کوششیں کیں تھیں، آیئے پھر انھیں بھولی بسری یادوں کو تازہ کریں اور دیکھیں کہ ہندوستان میں جدید فرقوں کی نوعیت کیا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان پر شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔ امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں......

وبالجملہ هؤلاء الطوائف کلهم کفار مرتدون خارجون عن الاسلام باجماع المسلمین وقد قال فی البزازیه، والدرر، والغرر والفتاوی الخیریه و مجمع الانهر والدرالمختار وغیرها من معتمدات الاسفار فی مثل هؤلاء الکفار، من شک فی کفره وعذابه فقد کفرا وقال فی الشفاء الشریف ونکفر من لم یکن دان بغیر ملة الاسلام او وقف فیهم او شک . وقال فی بحر الرائق وغیره من حسن کلام اهل الاهواء او قال معنوی او کلام له معنی صحیح ان کان ذالک کفرا من القائل کفر المحسن. وقال الامام ابن حجر فی الاعلام فی فصل الکفر المتفق علیه بین ائمتنا الاعلام من تلفظ بلفظ الکفر یکفر و کل من استحسنه او رضی به یکفر.

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب (اسماعیلیہ، نذیریہ، امیریہ، قاسمیہ، مرزائیہ، رشیدیہ، اشرفیہ) مرتد ہیں، باجماع امت اسلام سے خارج ہیں اور بیشک بزازیہ اور فتاوی خیریہ اور مجمع الانہر اور درمختار وغیرہ معتمد

کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا، جوان کے کفر و عذاب میں شک کرے، خود کافر ہے اور شفا شریف میں فرمایا ہم اسے کافر کہتے ہیں جو ایسے کو کافر نہ کہے جس نے ملت اسلام کے سوا کسی ملت کا اعتقاد کیا، یا ان کے بارے میں توقف کرے یا شک لائے اور بحرالرائق وغیرہ میں فرمایا جو بد دینوں کی بات کی تحسین کرے یا کہے کچھ معنی رکھتی ہے یا اس کلام کے کوئی صحیح معنی ہیں اگر اس کہنے والے کی بات کفر تھی تو یہ جو اس کی تحسین کرتا ہے یہ بھی کافر ہو جائے گا اور امام ابن حجر نے کتاب الاعلام کی اس فصل میں جس میں وہ باتیں گنائی ہیں جن کے کفر ہونے پر ہمارے ائمہ اعلام کا اتفاق ہے، فرمایا جو اس بات کو اچھا بتائے یا اس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد ششم، ۱۰۶)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی یہ تحریر خاص طور پر جدید فرقوں کی نشاندہی کر رہی ہے کیونکہ فرقہ دیوبندیہ یا پھر دوسرے باطل فرقوں میں جو افراد شامل ہوتے ہیں ان کے نظریات کچھ اس انداز کے ہوتے ہیں مثلاً......

(۱) اس میں کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو اکابر دیوبند کے کفری اعتقادات پر صحیح اطلاع پاتے ہیں اس کے باوجود ان کفری عقائد کو اپنے لیے ضروری خیال کرتے ہیں اگر وہ ایسا خیال نہ کرتے تو میدان مناظرہ میں وکیل صفائی نہیں بنتے۔ بدعقیدگی کی توضیح کرنے والوں پر شرع کا جو حکم نافذ ہوگا یہی اس کے وکیل صفائی پر بھی عائد ہوگا۔

(۲) کچھ ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جو مذکورہ کفری عقائد کے باوجود عقائد کفری کے وضع کرنے والوں کو مسلمان تصور کرتے ہیں۔ ایسے کافروں کو مسلمان خیال کرنا بھی کفر وزندقہ ہے۔

(۳) چند افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو عقائد کفریہ پر مطلع تو نہیں ہیں مگر ان عقائد کفریہ کے وضع کرنے والوں کو اچھا اور بہتر خیال کرتے ہیں یہ بھی سبب کفر ہے۔

(۴) اور کچھ ایسے بھی افراد و اعیان نظر آئے جو دیوبندیوں کو بدمذہب تو کہتے

ہیں مگر ان کے نمازوں، روزوں اور افعال پر تکلف کی تحسین کرتے ہیں یہ تحسینی جذبات بھی کفر سے خالی نہیں۔

(۵) اور کچھ ایسے بھی نگاہ میں آئے جو اکابر دیوبند کو مسلمان کہتے ہیں اس طرح کی سوچ یقیناً کفر و ارتداد ہے۔

اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے کہ ہندوستان میں پائے جانے والے جدید فرقوں پر تکفیر کا حکم لگایا جا سکتا ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، اگر ان فرقوں کے کفری اعتقادات ونظریات کے ساتھ چشم پوشی کا عمل کیا جائے تو پھر یہ جری وبیباک ہو جائیں گے، ان کے دلوں سے شریعت کا احترام اٹھ جائے گا، قدریں ختم ہو جائیں گی، اس کے نتائج کس قدر بھیانک ہوں گے، شاید اس کا اندازہ لگانا مشکل ہو، ایسی صورت میں ان کا اہل قبلہ ہونا ان کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگا کیونکہ اہل قبلہ کے جو تقاضے ہونے چاہئے، وہ تقاضے یہ افراد پورے نہیں کر پا رہے ہیں۔

اہل قبلہ کی وضاحت - دورِ حاضر میں جب فرق باطلہ کے معتقدات کفریہ پر گرفت کی جاتی ہے شدت کے ساتھ ان کی تنقید کی جاتی ہے اور فقہی یا کلامی تناظر میں نظریہ تکفیر کی وضاحت کی جاتی ہے تو مادیت کے دلدادگان اور روشن خیالی کے حاملین افراد یہ کہتے ہوئے اعتراض کی زبان دراز کرتے ہیں کہ مولویوں کو کافر بنانے کے سوا آتا ہی کیا ہے؟ اس طرح کی تنقیدیں عام طور پر علمائے عظام اور مفتیان کرام پر کی جاتی رہی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ سماج و معاشرہ کے غیر شعور افراد بھی اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی تنقیدیں اسی حد تک محدود رہتیں تو برداشت کر لی جاتیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ اس طرح کے معترضین اپنی باتوں میں زور وتقویت پیدا کرنے کے مقصد سے یہ بھی کہتے ہیں، کہ حدیث میں اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا گیا ہے، اس کے باوجود علماء اس کے خلاف رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ میری نگاہ میں یہ روشن خیال افراد اہل قبلہ کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں۔ کاش اگر اس کے تعلق سے کچھ جان لیتے، تو ان کی زبانوں سے تنقیدی باتیں منصۂ شہود پر آتی ہی نہیں۔ ظاہری طور پر تاب وتوانائی

سے اندرونی اقدار حیات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مسجد نبوی سے کچھ لوگوں کو نکالا گیا اور ایسے نہیں بلکہ کسی کو پاؤں پکڑ کر مسجد سے گھسیٹ کر نکالا گیا اور کسی کو کالر پکڑ کر دھکے دے دے کر مسجد سے نکالا گیا کیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتیں نہیں سنتے تھے، ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتے، اگر دیکھئے تو بظاہر وہ بھی اہل قبلہ تھے، پھر وہ مسجد سے کیوں نکالے گئے، میں کہتا ہوں، مسئلہ تکفیر کے سلسلہ میں، اہل قبلہ کہہ کر علمائے اہل سنت کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ یہ علمائے کرام راہ کے رسم ورواج اور نشیب وفراز سے خوب واقف ہیں۔

ذیل میں اہل قبلہ کی تشریح کی جارہی ہے۔ النبراس شرح عربی شرح العقائد میں ہے......

من قواعد اهل السنة ان لا يكفر، مجهول من التكفير وهو النسبة الى الكفر، احد من اهل القبله معناه اللغوى من يصلى الى الكعبة او يعتقدها قبله، وفي اصطلاح المتكلمين من يصدق لضروريات الدين اى الامور اللتى علم ثبوتها فى الشرح واشتهر فمن انكر شيئا من الضروريات كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم اللّٰه سبحانه بالجزئيات وفرضية الصلوٰة لم يكن من اهل القبله ولو كان مجاهداً في الطاعات وكذالك من باشر شيامن امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاعليه فليس من اهل القبله و معنى عدم تكفير اهل القبله ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكارالامور الخفيه غير المشهورة هذا ما حققه المحققون. (النبراس، ص:۳۲۰-۳۲۱)

ترجمہ: قواعد اہل سنت میں سے یہ بھی ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، تکفیر کفر کی طرف نسبت کرنا ہے، لغت میں اہل قبلہ وہ ہے جو کعبہ کی طرف نماز پڑھے یا اس کے قبلہ ہونے کا اعتقاد رکھے، متکلمین کی

اصطلاح میں اہل قبلہ وہ ہے جو ضروریات دین کی تصدیق کرے اور ضروریات دین سے وہ امور مراد لیے جاتے ہیں جن کا ضروریات دین میں ہونا ثبوت شرعی یا شہرت سے ثابت ہو جس نے ضروریات دین میں سے کسی امر ضروری کا انکار کیا، جیسے حدوث عالم، حشر اجساد، یا اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات اور فرضیت نماز وغیرہ، تو وہ اہل قبلہ سے نہیں، اگر چہ وہ طاعت و بندگی میں کوشش کرتا ہو، ایسے ہی وہ شخص جس نے امارات کذب کا ارتکاب کیا ہے، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، کسی امر شرعی کی اہانت کرنا اور اس کی استہزا وہ بھی اہل قبلہ سے نہیں، اہل قبلہ کی عدم تکفیر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو گناہوں کے ارتکاب کی بنیاد پر کافر نہ کہا جائے گا اور نہ ہی ان امور کے انکار پر کافر کہا جائے گا جن کا ضروریات دین میں ہونا ثابت نہ ہو اور نہ اس کی شہرت ہو، یہ وہ ہے جسے محققین نے دلائل سے ثابت کیا۔

لہٰذا عربی عبارتوں اور اس کے ترجموں پر غور کیجیے اور نظر عمیق سے اس کا مطالعہ کیجیے، شاید اہل قبلہ کے معنی و مصداق سے آپ واقف ہو جائیں۔

اہل قبلہ کی عدم تکفیر - اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے، بلکہ مسئلہ تکفیر میں ان کے اہل قبلہ ہونے کا احترام کیا جائے، ان کی اس حیثیت کا پاس و لحاظ رکھا جائے، اس بات کا تمام اہل فکر و دانش نے اعتراف کیا اور ضرورت پڑنے پر اس کا برملا اظہار بھی کیا ہے یٰسین اختر مصباحی اصلاح فکر و اعتقاد میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کوئی مسلمان جو نمازی ہو، فرائض اسلام ادا کرتا ہو، محرمات سے بچتا ہو، دعوت حق دیتا ہو، مساجد کی تعمیر میں حصہ لیتا ہو، مراکز دین کے قیام میں دلچسپی رکھتا ہو، اسے اگر آپ کسی ایسے امر کی دعوت دیں جسے آپ حق اور وہ باطل سمجھتا ہو، ساتھ ہی اس کے حق و ناحق ہونے پر پہلے ہی سے علماء کے درمیان اختلاف رہا ہو، جس کی وجہ سے وہ شخص آپ کی رائے سے اتفاق نہ

کرے تو محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے اس کے اوپر آپ کا حکم کفر نہایت غلط بات ہے، ناپسندیدہ جرم اور بہت ہی سنگین معاملہ ہے جس سے اللہ منع فرماتا ہے اور ایسی شکل میں حکمت و موعظت حسنہ کی دعوت دینا ہے۔
(اصلاح فکر واعتقاد،ص:۱۰۹)

اختلاف رائے کی بنیاد پر کوئی کسی کو کافر نہیں کہتا، کم از کم ہندوستان میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی ہے اور اگر تلاشِ بسیار کے بعد کوئی روایت مل بھی جاتی ہے تو اسے نفسیانی جذبات پر مبنی قرار دیا جاتا ہے صالح جذبات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ جس مقام پر اہل قبلہ کی تکفیر ممنوع قرار دی گئی ہے وہاں مطلق اہل قبلہ مراد نہیں اور جس بنیاد پر حکم کفر سے روکا گیا ہے، اس سے مراد عملیاتی طور پر گناہوں کا ارتکاب ہے۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس کی وضاحت خود البز اس شرح عربی شرح العقائد میں کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ تکفیر میں اہل قبلہ علت موثرہ ہے لیکن اس مقام پر اہل قبلہ سے مراد وہ افراد لیے جائیں گے جو ضروریات دین کا انکار نہ کرے، بلکہ اس کی تصدیق کرے، اسی طرح منع تکفیر کی بنیاد ارتکاب معصیت ہے بدعت و ضلالت نہیں اور کف لسان کو مقام احتیاط میں رکھا گیا ہے۔

اب اگر کوئی ضروریات دین کا انکار کرتا ہے، یا تکفیر کے امارات کا مباشر ہوتا ہے تو اسے ضرور کافر کہا جائے گا، لہٰذا ۷۲ رفرقوں کو علمائے متقدمین کا کافر قرار دینا صرف معصیت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ بداعتقادی کو اس کا معیار قرار دیا گیا۔ اس لیے متقدمین علمائے کرام پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان کا دامن تقدس تو پاک وصاف ہے اور جن علمائے کرام نے ان کی تکفیر نہیں کی انھوں نے ان کی بداعتقادی کو کفر کی حد میں نہیں رکھا بلکہ ان کی بداعتقادی کو منجر الی الکفر قرار دیا اور علمائے متاخرین نے عدم تکفیر کو اس لیے ترجیح دی کہ وہ اہل قبلہ ہیں یعنی ضروریات دین کے منکر نہیں بلکہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہندوستان میں جن فرقوں کو کافر کہا گیا وہ بہر صورت ضروریات دین کے منکر ہیں، براہ راست نہ سہی کچھ واسطوں سے تو منکر ہیں ہی، اس لیے وہ اہل قبلہ نہیں۔ لہٰذا ان کی تکفیر کسی بھی صورت میں خلاف شرع نہیں اور نہ ہی یہاں انھیں اہل قبلہ میں

شمار کر کے پناہ دینے کی ضرورت کہ جو جماعتیں خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کے وفادار نہیں، ان سے صلح کر کے کیا مل سکتا ہے، اہل قبلہ ہونا تکفیر کا سد باب نہیں کرتا بلکہ اس کے دائرہ کو ضرور محدود کرتا ہے اسی لیے کتابوں، مقالوں میں جہاں تکفیر کا مسئلہ آتا ہے وہاں اہل قبلہ کی بھی توضیح کر دی جاتی ہے اور وہ مسائل بھی وہاں بیان کر دیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے تکفیر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ خود علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب تکفیری صورتوں کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

> کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر علمائے امت کا اجماع ہے صرف اس شکل میں تکفیر کی جائے گی کہ وہ وجود باری تعالیٰ کا منکر ہو یا ایسے شرک جلی کا مرتکب ہو جس میں تاویل ممکن نہ ہو یا انکار نبوت کرے یا ضروریات دین کا منکر ہو، یا دین و ایمان کے تواتر کا انکار کرے یا کسی بھی متفق علیہ دینی حکم و عمل کا انکار کرے۔

تکفیری صورتوں کا ارتکاب کسی شخص معین کی طرف سے ہو یا پھر کسی فرقہ و جماعت کی طرف سے بہر صورت اس کی تکفیر کی جائے گی، شخصی انداز میں بھی، اور جماعتی طور پر بھی، یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی بھی باشعور انسان انحراف اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ ہندوستان میں باطل فرقوں کے تعلق سے علمائے اہل سنت نے عمومی طور پر اور سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خصوصی طور پر جو قلمی جہاد کیا وہ ناقابل فراموش ہے، لائق تقلید اور قابل اتباع بھی ہے۔ باطل فرقوں کے خلاف علمائے اہل سنت کا جماعتی ردعمل یونہی محض اتفاق نہیں بلکہ شعوری کوششوں کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے بڑے ہی خوشگوار اثرات مرتب ہوئے، دلوں کو سکون اور ذہنوں کو چین ملا۔ یہ کون کہتا ہے کہ اس سے آزادی کو دھچکا لگا اور حیات کی قدریں پامال ہوئیں۔ یہ سوچ انھیں حضرات کی ہو سکتی ہے جو مغربیت کے اجڑے دیاروں میں آشیانہ بنانا چاہتے ہیں اور خس و خاشاک کو خوبصورت گل دستوں کا روپ دینا چاہتے ہیں اس ردعمل کا ایک پس منظر ہے اور اس کے بھی مقاصد ہیں۔

پسِ منظر - اس ردعمل کا پس منظر وہ احادیث ہیں جن میں میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کو بدعقیدوں اور گمراہ جماعتوں سے دوری بنائے رکھنے کی تعلیم وترغیب دی ہے کہ ان کے ساتھ نشست وبرخاست اختیار کرنے کے سبب کیا بعید؟ کہ ان کے مسموم زدہ اثرات ہم میں سرایت کر جائیں اور عشق وایمان کی سبز وشاداب کھیتیاں ٹہنیوں کے بل زمیں دوز ہو جائیں اس سلسلہ کی کچھ حدیثیں ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں۔ اس مقام پر بزرگوں کی چند تصریحات پیش کی جارہی ہیں، جن کے مطالعہ سے بصیرت حاصل ہوسکتی ہے اور سوکھے دھانوں پر شادابی آسکتی ہے۔ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مختلف معتبر کتابوں کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں......

ولا بن عساکر عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رائیتم صاحب بدعة فاکفر وفی وجھه فان اللّٰہ یبغض کل مبتدع ولا یجوز احلمنھم علی الصراة لکن یتھاقتون فی النار مثل الجراد والذباب - ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کسی بدمذہب کو دیکھو تو اس کے روبرو ترش روئی کرو، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب کو دشمن رکھتا ہے ان میں کوئی پل صراط پر گزر نہ پائے گا، بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر آگ میں گر پڑیں گے جیسے کہ ٹڈیاں اور مکھیاں گرتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ششم، ص:۱۰۴)

غنیۃ الطالبین ص:۹۰ میں ہے......

وقال فضیل بن عیاض من احب صاحب بدعة احبط اللّٰہ عمله واخرج نور الایمان من قلبه و اذاعلم اللّٰہ عز و جل من اجل انه مبغض لصاحب بدعته دعوت اللّٰہ تعالیٰ ان یغفر ذنوبه وان قل عمله واذا رایت مبتدعا فی طریق فخذ طریقا آخر-

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا جس نے صاحب بدعت کو پسند فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال کو اکارت کرے گا اور اس کے دل سے نور ایمان کو نکال لے گا اور اللہ تعالیٰ جب جان لیتا ہے کہ فلاں صاحب بدعت سے نفرت کرتا ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا، جب تم کسی بدعتی کو راستہ میں دیکھو تو تم دوسرا راستہ اختیار کرو۔

کیا بزرگوں کے یہ ارشادات بھی محض اتفاق پر مبنی ہیں نہیں بلکہ یہ پس منظر اور اس کی کیفیت اس بات کی ترغیب دے رہی ہے کہ دین اسلام کو نقصان پہنچانے والی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ رد عمل اختیار کرنا چاہیے انفرادی طریقہ پر بھی اور جماعتی نہج پر بھی۔ دوسرے اختیاری فعلوں کی مانند رد عمل بھی استعداد و صلاحیت پر مبنی ہے۔ تلوار کی طاقت ہو تو تلوار سے، قلم کی توانائی ہو تو قلم سے، زبان کی طاقت ہو تو زبان سے اور کچھ بھی نہ ہو تو دلوں سے نفرت کیجیے اور دل کے کسی گوشہ میں اسے پنپنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ گمراہ فرقوں کی یہ فتنہ پروری کوئی چنگاری نہیں کہ اس سے چشم پوشی کر لی جائے بلکہ یہ وہ مہلک جراثیم ہیں جو جسم و اعضا میں سرایت کر جاتے ہیں اور اچھے خاصے انسانوں کو ایڈس زدہ بنا دیتے ہیں۔ خدا خیر کرے ایسی جماعت کا جس کے رگ و پے میں اس طرح کی بے وفائی سرایت کر جائے۔

اشتراک عمل کی حرمت - علمائے اہل سنت و جماعت کی طرف سے باطل فرقوں کا رد و ابطال اور رد عمل کو مہتم بالشان کاروائی قرار دینا اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ قرآن و احادیث اور اکابر و اسلاف کے اقوال زریں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ واقعی صورت حال ہے کہ باطل فرقوں کے ساتھ معاملات برقرار رکھنا بہر نوع ان کی تعظیم کرنا ہے، صرف کھڑے ہو کر استقبال کرنا ہی تعظیم نہیں ہے اس کی بہت سی نوعیں ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا، اس لیے ہمارے اسلاف نے اس سے منع فرمایا، اصولی اعتبار سے ہر اشتراک عمل منع اور حرام ہے۔ عمل اشتراک دو طرح سے انجام پذیر ہوتا ہے......

(۱) موالات

(۲) معاملات

موالات چونکہ ولایت سے مشتق ہے اور ولایت کا معنی دوستی، قرب اور نزدیکی ہے اس بنیاد پر موالات کی جس قدر منزلیں ہیں ان میں ولایت کے معانی ضرور ماخوذ ہوں گے اس لیے قرآن کریم اور احادیث پاک میں موالات کو ہر کافر سے مطلق منع فرمایا گیا۔ قرآن مقدس میں اسی کو اس طرح بیان فرمایا گیا......

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ آلے گی۔ (پارہ ۱۲، سورہ ھود)

اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ جس نے اسلام وسنیت کے خلاف ریشہ دوانیاں اختیار کیں، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خداوند قدوس کے برگزیدہ بندوں کی شان میں گستاخیاں کیں، نازیبا کلمات استعمال کیے اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں اور معمولات اہل سنت وجماعت کے جاری رکھنے پر لعن وطعن کیا۔ کیا ایسوں کے ساتھ مصالحت اختیار کی جاسکتی ہے، معاملات استوار کیے جاسکتے ہیں کوئی بھی باشعور انسان اس مصالحت کی ستائش نہیں کرسکتا ہے۔ اسی لیے ہمارے اکابر نے ان کی طرف میلان طبع کو غلط ناجائز اور حرام بتایا موالات کی حرمت تو ابدی ہے اور جہاں تک معاملات کی بات ہے یہ صرف کافروں کے ساتھ جائز ہے، مگر مرتدین کے ساتھ قطعی جائز نہیں۔ مذکور بالا آیت کے تحت تفسیر روح البیان میں تحریر ہے۔ علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں......

لا تمیلوا الیهم ادنی میل۔ یعنی ان کی طرف ذرا سا بھی نہ جھکو۔ (تفسیر روح المعانی جلد ہفتم نصف ثانی ص: ۲۳۱)

جب ظالمین ومرتدین کی طرف قدرے جھکاؤ سے جہنم کے دہکتے انگاروں میں گر پڑنے کا قوی اندیشہ ہے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جو انھیں کے رنگوں میں رنگ جاتے ہیں یا پھر رنگ جانے کا ارادہ دلوں میں رکھتے ہیں، یہ افسوس کا مقام ہے کہ اس طرح کے حالات ملت اور قوم

کے درمیان اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ملت زبوں حالی کا شکار ہوتی ہے اور ضعف واضمحلال اس کا نصیب بن جاتے ہیں۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ افرادِ قوم غیروں کی طرف جھکتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں ان کی مجالست اور اشتراک عمل کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں، انھیں اپنی ذاتی منفعت کا خیال ہے، مسلک اور ملت کا کوئی خیال نہیں، اس کا انجام کیا ہوگا، اس کا تصور تو ان کے فکر وشعور میں نہیں، اس طرح کے حالات کیا بھیانک صورت حال اختیار کرتے ہیں درج ذیل عبارت کا مطالعہ کیجیے شاید اس بارے میں کوئی ایسا احساس جاگ اُٹھے جو مردہ ضمیروں میں حیات کی روبیدار کردے۔

قالوا واذا کان حال المیل فی الجملہ الیٰ من وجد منه ظلم ما فی الاقضا الٰی مساس الناس النار فما ظنک یمن یمیل الی الراسخین فی الظلم کل المیل، ویتهالک علی مصاحبتهم ومنادمنهم ویتعب قلبه وقالبه فی ادخال السرور علیهم ویستنهض الرجل والخیل فی جلب المنافع الیهم ویتبهج بالتزی بزیهم والمشارکة فی غیهم ویمد عینیه الی ما متعوابه من زهرة الغانیه ویغبطهم بما اوتو من القطوف الدانیه غافلا من حقیقة ذالک۔ ذاهلا عن منتهی ما هنا لک۔

(روح المعانی جلد ۷، ص: ۲۴۱)

ترجمہ:- مفسرین نے فرمایا ادنیٰ ظلم کرنے والے کی طرف کبھی کبھی تھوڑی سی توجہ کرنے کا جب یہ حال ہے کہ دوزخ کی آگ اسے چھولے گی تو پھر تیرا کیا خیال ہے؟ اس کے بارے میں جو مکمل طور پر سخت ظالموں کی طرف توجہ کیے ہوئے ہوں، بایں طور کہ وہ ان کی مصاحبت اور مجالست میں گرا جارہا ہے اور انھیں منافع پہنچانے میں انفرادی اور جماعتی طور پر اٹھ کھڑے ہوں، انھیں خوشی دلانے میں اپنے دل اور جسم کو مشقت میں ڈالے ہوئے ہوں ان

کے لباسوں جیسا لباس پہن کر اوران میں شرکت کر کے خوش ہو رہے ہوں اور اس بات پر چشم پوشی اختیار کر لیے ہوں کہ وہ اس کے ذریعہ کس قدر منافع کما رہے ہیں اور انھیں قابل رشک بنا رہے ہوں اس بات پر جو انھیں قبولیت کی کامیابی ملی اس طرح کا رویہ اپنانے والے اس اشتراک کی حقیقت سے غافل ہیں اور آخرت کی ہلاکتوں سے نا آشنا ہیں۔

تفسیر روح المعانی کی درج بالا عبارت اور اس کے ترجمہ پر غور کیجیے اور بتایئے کہ فرق ضالہ کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کرنے کے نتیجہ میں کس کو کتنا فائدہ حاصل ہوا ہے؟ ہمیں یا انھیں؟ اور ٹوٹے میں کون رہا ہے؟ ہم یا وہ؟ ان سوالوں میں انہماک سے قبل یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ پارس پتھر سے چُھ ہونے میں فائدہ صرف اور صرف لوہے کو ملتا ہے کہ وہ فولاد سے سونا بن جاتا ہے اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اس کا چہرہ چاند کی مانند چمکنے لگتا ہے پارس کو کیا ملتا ہے؟ اصل میں یہی راہ عمل ہے جس کے لیے آپ کو پیغام عمل کی تلقین دی جا رہی ہے۔ ان تاریکیوں میں جو افراد سفر کر رہے ہیں ان کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ اس سے آپ کو کیا ملے گا، بدنامی، ذلت، رسوائی، افتراق امت کا الزام، اور قوم وملت کو مضمحل کرنے کا داغ، اس کے سوا اگر آپ کے دامن تقدس میں آسماں سے موتیوں کی بارش ہوئی ہو تو بتایئے زرق برق شہروں میں تیز رفتار سواریوں میں سیر سپاٹا یہ بھی کوئی کامیابی ہے۔ ایسی کامیابی انھیں بھی ملتی ہے جو اسکرین کے پردوں پر تھرکتے ہیں، اگر اسی کا نام کامیابی ہے تو یہ کامیابی آپ ہی کو مبارک ہو، ہم اہل زنداں کے لیے دار ورسن ہی روشن تر کامرانی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ - ممکن ہے میری یہ باتیں آپ کے کانوں پہ گراں گزر رہی ہوں گی اور آپ اس غلط فہمی کے شکار بھی ہو رہے ہوں گے کہ یہ تحریر دل پذیر پرائے زمانوں کی راگنیں ہیں جو الاپی جا رہی ہیں۔ زمانہ کی رفتار اور بدلتے ہوئے حالات سے ہمیں کوئی واقفیت ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ جس سماج ومعاشرہ میں آپ سانسیں لے رہے ہیں اسی میں میری زندگی کے لمحات بھی گزر رہے ہیں زمانہ کے تقاضوں کو ہم بھی جانتے ہیں،

میڈیا کی بین الاقوامی حیثیت کا ہمیں بھی اعتراف ہے، مسلمانوں کے تئیں پوری دنیا میں غیروں کی جو سوچیں ہیں ہمیں بھی کھٹک رہی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں یہ دور اتحاد و یگانگت کا تقاضا کر رہا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اتحاد کس کے مابین ہو۔ یگانگت ہونی چاہیے مگر اس کا مورد کون بن سکتا ہے؟ اس پر بھی غور کیجیے۔ مار آستین سے اتحاد بھی کوئی اتحاد ہے؟ ایسوں سے اشتراک عمل بھی کوئی اشتراک عمل ہے؟ یہی وہ منزل ہے جہاں آزادیوں کے پر کاٹ دیے جاتے ہیں اور بڑے بڑے سورماؤں کے قدموں میں لغزشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر اگر رہنمائی کہیں سے ملتی ہے تو وہ بارگاہ عالی وقار کسی اور کی نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ تو صرف ہمارے اسلاف کی بارگاہ ہے جو سناٹوں میں بھی قیادت کی قندیلیں روشن کیے ہوئے ہیں اور اپنی مذہبی، دینی، تہذیبی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور وہ سرگرمی کچھ اور نہیں، اشتراک عمل کی حرمت ہے اس سے احتراز ہی ہم اہل سنت کی پہچان ہے۔

اشتراک عمل کے نقصانات - اشتراک عمل کے حامیوں کو اشتراک عمل کی کاروائی پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اپنے دلوں میں اس کے سبب کچھ بھی محسوس کریں مگر اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہماری جماعت کو نقصان پہنچا اور جماعت کی شیرازہ بندی بکھر کر رہ گئی جس نے بھی اس طرح کے عمل کو انجام دیا اس نے اچھا نہ کیا۔ وہ جماعت کے مجرم ہیں، انھیں اپنے جرم کا اقرار کرنا چاہیے اور تنہائی میں بیٹھ کر اس سے واقع ہونے والے نقصانات پر غور کرنا چاہیے۔ ذیل میں نقصانات کے پہلوؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے......

(۱) پارس پتھر - اگر فولادوں کے بیچ ہی رہنا شروع کر دے، یا زاغوں کے گھونسلوں میں شاہین اپنا بسیرا کر لے تو اس میں پارس اور شاہین کی بدنامی ہے۔

(۲) غیروں کے ساتھ مشارکت کے نتیجہ میں بدنامی کسے ملی؟ سنی علماء کو۔

(۳) سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں یہ ضرور خیال پیدا ہوا ہوگا، کہ اب اہل سنت کا شیرازہ بکھر گیا اور جماعتی نظام میں دراڑ پیدا ہو گیا۔

(۴) مذکور بالا خیال کا آنا کوئی غلط بات نہ ہوگی، کیونکہ آج چند غیر محتاط عالموں کی

غیر فکری رویوں کے سبب ملت میں افتراق پیدا ہو گیا ہے۔

(۵) ہم اہل سنت اندرونی طور پر کرب واضطراب میں مبتلا ہوئے۔

قوم وملت کے حق میں کیا یہ نقصانات کم ہیں؟ کیا یہ نظر انداز کیے جانے کے لائق ہیں؟ اگر آپ حضرات کے دلوں میں ملت کا درد ہے تو آپ کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ یہ نقصانات بہت زیادہ مضر ہیں، کسی بھی صورت میں ان خطرات سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے۔ میں مانتا ہوں اشتراک عمل کے دلدادگان، دانشور ہیں، صاحب بصیرت ہیں اور دورِ حاضر کے جدید تقاضوں سے آشنا ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ایسے کارناموں کو انجام دیں، جن سے جماعتی عزت وآبرو نیلام ہو جائے، کہنے والوں نے بڑی اچھی اور شاندار بات کہی ہے

والعاقل وان کان واثقا بقوته و فضله لا ینبغی ان یحمله ذالک علی ان یخلب العداوة علی نفسه اتکالا علی ما عنده من الرای والقوة کما انه ان کان عنده التریاق لا ینبغی له ان یشرب السم، اتکالا علی ما عنده۔ (منثورات، ص:۱۷)

دانشور اگر چہ اپنی رائے اور قوت فکر پر بھروسہ کرے مگر ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی رائے کے ذریعہ عداوت کو اپنے لیے پسند کرے، اپنی رائے اور سوجھ بوجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے، جس طرح اگر کسی کے پاس تریاق زہر ہو کیا وہ اس پر بھروسہ کرتے ہوئے زہر پئے گا۔

آج یہی ہو رہا ہے۔ جدید یے اپنی دانشوری اور فکر وبصیرت پر ناز کرتے ہوئے ایسے ہی کارنامے انجام دے رہے ہیں جن کی وجہ سے افرادی قوتوں کو بھی نقصان ہوا اور جماعتی نظام بھی تلملا اُٹھا۔ یہ صرف سنی سنائی بات نہیں آج جماعت اہل سنت کے سامنے جو مشکلات کھڑی ہیں، سبھی حضرات اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج جماعت مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے اور چاند ماری کا سلسلہ بھی دراز ہوتا جا رہا ہے۔ اکابر اہل سنت سے انحراف کا جذبہ وہ آتش فشاں ثابت ہوا جس سے تن من میں آگ لگ گئی۔ کیا اسی کا نام دانشوری ہے؟ اور اسی کو تدبیر کا

نام دیا جا رہا ہے۔وہ کیسے تھے جنھوں نے خون پسینہ ایک کر کے شاہراہ حیات کو سنوارا تھا اور نجات کے راستہ کو صاف وشفاف کیا تھا؟ مگر آج اسے دھندلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، افسوس صد افسوس۔

ایک غلط روایت کی ابتدا - اسلام وسنیت فقہی علوم کے تناظر میں اشتراک عمل کی کوئی حیثیت نہیں یہاں مطلق اشتراک عمل مرادنہیں بلکہ وہ اشتراک عمل مراد ہے جوفرق باطلہ، ضالہ کی مجالست پر مشتمل ہوا کرتا ہے اس کا وجود قبیح وجود ہے، اس بنیاد پراس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔یاران نکتہ داں نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر یہ گتھی الجھائی ہے ۔سردست یہ اگر چہ اپنے ابتدائی وجود میں صرف ایک اشتراک عمل ہے مگر اسے روایت کی شکل دینے کی تیاری چل رہی ہے۔اکابر واسلاف کے نظریوں سے انحراف کسی بھی معتبر شخصیت کی طرف مسلک کی نسبت سے انکار، حدیث افتراق امت کی توضیح وتشریح سے غلط تاثر ڈالنے کی کوشش، موجودہ دور کے علمائے کرام کی شخصیت پر غیر مثبت انداز میں تنقیدوں کی بوچھار، یہ تمام کوششیں اسی غلط روایت کے ناتواں جسم میں تاب وتوانائی پیدا کرنے کے لیے کی جارہی ہیں۔ روایت میں سرعت وتیز رفتاری نہیں ہوتی ہے، وہ نہایت ہی آہستہ روی سے اپنے کاموں کوانجام دیتی ہے۔یکے بعد دیگرے اشتراک عمل کواپنانے کے سبب ہی روایت زندہ ہوتی ہے اوراسی کی باربار کوششیں کی جارہی ہیں تسلسل کا یہ عمل کیا روپ اختیار کرے گا؟اس کا احساس بہت ہی بعد میں ہوگا۔اسی اشتراک عمل کے سبب دلوں میں کدورت اور ذہنوں میں کچھ ایسی بغاوت پھیل گئی کہ اشتراک عمل کوفرضی بنیادوں پر قائم کیا جارہا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ اس سے فتنہ وفساد کے بہت سے دریچے کھل جائیں گے اور پھر انسانی جماعتیں کرب واضطراب میں مبتلا ہو جائیں گی۔

یہ روایت غیر شرعی اور بدعت قبیحہ ہے، تمام مسلمانوں کواس سے دور بھاگنا چاہیے یہی اسلام کا فیصلہ ہے اور اکابرین اسلام کا نظریہ وعمل بھی کسی بھی دور میں اسے جائز نہیں کہا گیا ہے، اگر کبھی کسی صورت میں مجبوری کی حالت میں جائز تصور کیا گیا ہوتو اس سے متعلق واقعہ یا طرز عمل کو مقیس علیہ نہیں بنایا جاسکتا ہے بلکہ ضرورت وحاجت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر

غور وخوض کیا جا سکتا ہے مگر دورِ حاضر میں اشتراک عمل کو جس حیثیت سے انجام دیا جا رہا ہے اسے ضرورت وحاجت کے دائرہ میں لانا جوئے شیر جاری کرنے کے مترادف ہوگا۔ اگر یارانِ نکتہ داں کے دلوں میں اشتراک عمل کا لاوا پک رہا تھا تو پہلے اسے بحث کی میز پر لانا چاہیے تھا، ایسا نہ کر کے انھوں نے خود ثابت کر دیا کہ یہاں ضرورت وحاجت نہیں، کیونکہ اس کا تعلق انفرادیت سے نہیں بلکہ اجتماعی زندگی سے ہوتا ہے، مگر یہاں کچھ ایسا معاملہ انجام دیا گیا جس کی وجہ سے انفرادیت، اجتماعیت پر ترجیح پا گئی اور اس بارے میں علماے اہل سنت سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا گیا۔ اجتماعیت سے چشم پوشی، انفرادیت کو تابانیوں سے ہمکنار کرنا میں سمجھتا ہوں یہ بھی ایک قسم کی رعونت، تکبر اور غرور ہے اور شیطانی وسوسوں کا اظہار ہے، قبیح کی قباحت کو تسلیم نہ کرنا، بلکہ اس کی مدح سرائی میں زبان وقلم کا استعمال کرنا، غلط روی ہے جس سے منزلیں دور تو ہو سکتی ہیں نزدیک نہیں آ سکتیں۔ لہٰذا یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اشتراک عمل بر بنائے رعونت ہے، ضرورت و حاجت نہیں، یہ نظریہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ ضرورت وحاجت کو اس قدر ارزاں نہ کیجیے کہ ہر طرح کے امور ضرورت وحاجت کے دائرہ میں آ جائیں اور علم فقہ کی یہ دونوں اصطلاحیں اپنی معنویت کھو بیٹھیں۔ اشتراک عمل کا اگر یہی تسلسل اسی طرح چلتا رہا تو جدت طرازیوں سے یہ کوئی بعید نہیں کہ دونوں اصطلاحوں کو داؤں پر لگا دیں۔

اشتراک عمل مقاصد شرع کے تناظر میں - ضرورت و حاجت فقہی اصطلاحیں ہیں اور اس کے مواقع استعمال بھی، علم فقہ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ضرورت وحاجت کا وہی معنی مراد لیا جائے گا، جسے علم فقہ نے متعین کیا اور اس کے مواقع استعمال بھی فقہی تناظر میں متعین کیے جائیں گے، ایسا نہیں ہے کہ عام ضرورت ہی فقہی ضرورت ہے اور جہاں چاہیں اس کا استعمال کریں اگر ایسا کیا جائے گا تو حدود شریعت پامال ہو جائیں گے اور ہر حرام چیز اباحت کے درجہ میں آ جائے گی کیونکہ اس زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی ضرورت نہ ہو اور اس کی حاجت نہ ہو۔ مقاصد شرع کل پانچ ہیں......

(۱) تحفظ دین، (۲) تحفظ عقل، (۳) تحفظ نسل، (۴) تحفظ نفس، (۵) تحفظ مال۔

اب غیروں کے ساتھ اشتراک عمل کو مقاصد شرع کے تناظر میں دیکھئے اور غور کیجیے کہ اس سے کس کی حفاظت ہو رہی ہے، دین کی یا عقل، نسل کی یا نفس کی یا پھر مال کی۔ اگر دل میں انصاف و دیانت کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے تو آپ کے ضمیر کی یہی آواز ہوگی کہ اشتراک عمل کا ان مقاصد شرع میں سے کسی مقصد سے کوئی تعلق نہیں اشتراک عمل اگر ان میں سے کسی بھی مقصد شرع کا موقوف علیہ ہوتا تو اسے ضرورت کے مرتبہ میں رکھا جاتا، اور اگر اشتراک عمل کے ترک کرنے میں لحوق مشقت یا پھر کسی ضرر و حرج کا ظن غالب ہوتا تو اسے حاجت کے روپ میں دیکھا جاتا، یہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں، اس لیے اسے ضرورت و حاجت کے رتبہ میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ اس سے کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے؟ اگر فائدہ ہو رہا ہے تو کسے؟ دین کو یا عقل کو، نفس کو یا پھر مال کو اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ فائدہ شریعت کی رو سے مقصود ہے یا نہیں، اگر مقصود ہے تو یہ زینت ہے، میرے خیال میں یہ فوائد مقصودہ میں سے نہیں ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں، فوائد مقصودہ نہ ہونے اور حدود شریعت کی پامالی کی وجہ سے یہ اشتراک عمل فضول و بکواس ہے۔ کوئی بھی باشعور انسان اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ اشتراک عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، یہ نفس پرستی اور ذاتی منفعت کے سبب قوم و ملت اور دین و مذہب کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اب تک تمام علمائے اہل سنت کا یہی فیصلہ رہا ہے۔

استثنائی صورتیں - ہمارے علمائے کرام زمانہ کے جدید تقاضوں سے خوب واقف ہیں، مبتدعین کی مجالست و مشارکت کہاں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں، اصولی انداز میں اسے بھی خوب جانتے ہیں۔ مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب امجدی اس کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں......

(۱) رد و مناظرہ کی مجالست

(۲) مصالح شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں صرف اہل حق کی قیادت ہو اور انھیں کو

عملاً غلبہ حاصل ہو۔

(۳) مصالح شرعیہ کی وہ صورتیں جن میں اگر چہ قیادت مشترک ہو مگر شرکت کرنے والے اہل حق موثر شخصیت کے حامل ہوں جن کے آگے گمراہ فرقے سر ابھارنے کی جرأت نہ کرسکیں اور نہ کارنامہ اپنے نام ریزرو کریں۔

(۴) وہ ضرورت شرعیہ جو بے اشتراک عمل پوری نہ ہو سکے۔

(۵) وہ ضرورت شرعیہ یا مصلحت شرعیہ جس میں اشتراک نہ ہو تو ہر بدمذہبوں کو قوت حاصل ہونا مظنون ہو۔

لیکن ان تمام استثنائی صورتوں میں ایک شرط مشترک یہ ہے کہ موالات کا کوئی عمل نہ کیا جائے، اور نہ ہی بدمذہبوں کی کسی طرح کوئی تعظیم وتوقیر پائی جائے۔

اشتراک عمل اور اہل سنت وجماعت کا موقف۔ دورِ حاضر میں اشتراک عمل کے داعیوں میں سے کسی کی بھی اس طرح کی مجلسوں میں شرکت، صرف براہ نفسانیت ہے یا بر بنائے حصول شہرت ہے۔ملت کو ایسے ناخداؤں کے خرد برد سے بچانا ضروری ہے۔ دوسرے فتنوں کی طرح اشتراک عمل بھی ایک فتنہ کے روپ میں ظاہر ہو چکا ہے، اس کے دفاع کے لیے ہمارے علمائے اہل سنت کو میدان میں آنا ہوگا، ورنہ مسلکی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا اور تکثیری معاملات میں اس طرح کھو جائے گا کہ اس کا تشخص اور اس کی انفرادیت ہی سرے سے ختم ہو جائے گی۔ یہ ذمہ داری علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے جو مدارس ومکاتب یا خانقاہیں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں، انھیں اپنا احتساب کرنا چاہیے اور بہت کچھ سوچ سمجھ کر اقدام کرنا چاہیے ورنہ ان کی ادنیٰ سی غلطی کی سزا ملت کو برسوں بھگتنی پڑے گی، اسی پر میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں اس التجا کے ساتھ کہ اہل قلم، اہل زبان اٹھ کھڑے ہوں کہیں پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے۔

☆☆☆

باب سوم

علامتوں کا آئینہ

فرقۂ ناجیہ اور اس کی مختلف علامتیں

یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ ہندوستان، پاکستان، چین و بنگلہ دیش اور نیپال کے تمام امصار و دیار میں مسلک اہل سنت اور سوادِ اعظم کو مسلک اعلیٰ حضرت / بریلوی مسلک اور پھر اسی کو مختصر انداز میں بریلویت کہا جاتا ہے، یہ ایسی تعبیر و تشریح ہے جو تقریباً نصف صدی بلکہ پون صدی سے کی جا رہی ہے، اس پر ارباب فکر و نظر اور اصحاب علم و ادراک بھی اتفاق کرتے ہیں۔ اتفاق کرنے والوں میں ایسے ایسے دانشور اور دور اندیش افراد شامل ہیں جن کی ذاتیں اور شخصیتیں معتبر رہی ہیں بلکہ ان کے نظریات پر ہر ایک نے برضا و خوشی اتفاق کیا ہے اور اگر یہ کہا جائے تو کوئی غلط نہ ہوگا کہ مذکورہ تعبیر و تشریح پر اتفاق کرنے والے دانشور کم از کم دورِ حاضر کے دانشوروں سے سو گنا زیادہ علم و ادراک اور فکر و شعور رکھتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ ان کی فکری تابانیاں آج بھی علمی شبستانوں میں قندیل بن کر روشن و تابناک ہیں اور انھیں کے نقوش قدم رہِ حق کے مسافروں کے

لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔آج نام نہاد دانشوروں کا جو طبقہ ان کی تعبیر وتشریح پر انگشت نمائی کر رہا ہے اور تنقید بیجا سے کام لے رہا ہے۔ہمیں ان کی اس بے جا جسارت اور غیر فکری جرأت و بیبا کی پر حیرت ہو رہی ہے اور افسوس بھی۔ ذرا سوچئے یہ منھ اور مسور کی دال، ان کی شخصیتیں بلند تھیں اور ان کی نظریات سند کی حیثیت رکھتی تھیں مگر یہ ایسے نام نہاد دانشور ہیں جو انھیں سے فکر و شعور کی خیرات لیتے ہیں اور پھر آنکھیں بھی لال کرتے ہیں اور تیوری بھی دکھا رہے ہیں۔

دورِ حاضر کے دانشوروں نے بریلوی مسلک کے تعلق سے جو غلط اندیشے پھیلائے، ان میں قطعی کوئی سچائی نہیں بلکہ ان اندیشوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دانشور طبقہ مخالف فرقوں کی بچھائی ہوئی جال میں بری طرح پھنس چکا ہے۔اسے کم علمی، ناپختہ کاری کا نتیجہ کہئے یا پھر عصبیت اور تنگ نظری، ذرا سوچئے اور بتایئے مندرجہ ذیل جملوں میں کس قدر خطرناک تیور نظر آرہا ہے......

(۱) لفظ بریلوی اہل سنت کی عظمت کو مجروح کر رہا ہے۔

(۲) لفظ بریلوی اب ہماری گردن کا طوق بن گیا۔

(۳) مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ہی غلط ہے۔

یہ وہ تاثرات ہیں جن میں نئے قلمکاروں کا غضب ناک تیور دکھائی دیتا ہے اور چشم شعلہ بار کی شعلہ افشانی نظر آتی ہے، نہ معلوم وہ کون سی منحوس ساعت تھی، جب نئے قلمکاروں کے دل کا بخار اور ذہن وفکر کی عصبیت نوکِ قلم سے نکل رہی تھی۔ان تاثرات کے اظہار میں ان قلمکاروں نے فکر و شعور سے کام نہیں لیا، بلکہ منفی جذبات سے مغلوب ہو کر وہ سب کہہ دیا جو انھیں نہیں کہنا چاہیے تھا۔کچھ ایسے ہی دانشوروں سے میری گذارش ہے وہ آئیں اور از سرِ نو اس پہلو پر غور کریں...... مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک اور بریلویت میں آخر وہ کون سی بات ہے؟ اور کون سا ایسا پہلو ہے جو غلط فکر کی نشاندہی کر رہا ہے؟ اُسے واضح کیا جائے اور بتایا جائے۔

میرے خیال میں یہ تینوں اصطلاحیں ایک سی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے مترادف ہیں، ان اصطلاحوں کے پس منظر کچھ ایسے خوشگوار پہلو ہیں جن کے تصور ہی سے فکر و شعور کی تمام جہتیں

خوشبوؤں میں بس جاتی ہیں۔انھیں پہلوؤں میں یہ چند گوشے بھی آتے ہیں......

(۱) ارباب فکرودانش، اصحاب تجربہ کا محاورہ ہے۔زبانِ خلق کونقارۂ خدا سمجھو، یہ ایک ایسا محاورہ ہے جس پر تمام افراد کا اتفاق ہے۔عوام بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں اور خواص بھی، بلکہ وہ افراد بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں جو اخص الخواص کے درجہ پر فائز ہیں۔یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک اور بریلویت پر یہ محاورہ پورے طور پر صادق آتا ہے کہ یہ کل بھی زبانِ خلق پر تھا آج بھی ہے تو پھر اِسے زبان خلق کونقارۂ خدا کیوں نہیں سمجھا جا رہا ہے اور اِسے حق و صداقت سے کیوں نہیں تعبیر کیا جارہا ہے؟ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو اس اعتراف حق میں مانع ہورہا ہے؟ اس کی وضاحت کی جائے۔

(۲) فقہ کا ضابطہ ہے جسے لوگ اچھا تصور کریں وہ اچھا ہے اور جسے انسانوں کا جم غفیر برا تصور کرے وہ برا ہے۔یہ ایک مسلم ضابطہ ہے،فقہ کے بہت سے مسائل اسی ضابطہ سے حل کیے جاتے ہیں یہ ضابطہ بھی مذکورہ اصطلاحوں پر صادق آتا ہے۔مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ مسلک اعلیٰ حضرت، بریلوی مسلک کوقدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ یقین کرتا ہے کہ دورِحاضر میں مسلک اہل سنت و جماعت کی علامت اور نمائندہ تحریر اگر کوئی ہے تو وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افکارونظریات ہیں اور ان کی کتابوں میں مذکور عقائد و رسومات ہیں یعنی مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی مسلک ہے اس کے باوجود اس کے علامتی نشان ہونے کو آج چیلنج کیوں کیا جارہا ہے اور اسے کس بنیاد پر مجروح کیا جارہا ہے؟

مذکورہ دونوں جہتیں کس قدر خوشگوار ہیں؟ اس کا احساس ہر وہ انسان کررہا ہوگا جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصانیف سے استفادہ کرتا ہے اوران کے افکارونظریات سے آگاہ ہے۔ آج بھی جس قدر علماء، فضلاء اور مفتیان کرام ہندوستان و پاکستان کی سرزمین پر پھیلے ہوئے ہیں اس راز سے خوب واقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ نصف صدی سے ہندوستان کے تمام علماء اور

خانقاہوں کے سجادگان برملا مسلک اعلیٰ حضرت / بریلوی مسلک کا بیانگ دہل اعلان کرتے رہے ہیں۔ اگر کسی ازدہام کثیر میں کوئی ایک آدھ سر پھرا اس کا اعتراف نہ کرے، تو اسے زید و عمر تصور کر کے نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مگر آج تو اس کا نقشہ بھی الٹا دکھائی دیتا ہے۔ زید و بکر کی باتوں پر دھیان دیا جا رہا ہے، مگر اصحاب رائے اور سنجیدہ دماغوں کی کاوشوں کو پسِ پشت ڈالا جا رہا ہے۔ اسے جدید تہذیب کا تقاضا ہی کہا جائے یا کسی اور جذبہ نافرہ کا کرشمہ؟ اس کا فیصلہ دورِ حاضر کے دانشور افراد خود ہی کر لیں کہ یہ انھیں کا حصہ ہے۔

اصطلاح ثلٰثہ اور اس کی شفافیت - اصطلاح ثلاثہ کیا ہے؟ اس سے آپ بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے؟ مگر اظہار حقیقت کے پیش نظر میں وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اصطلاح ثلاثہ سے میری مراد مسلک اعلیٰ حضرت، مسلک بریلوی اور بریلویت سے ہے۔ ان تینوں اصطلاح میں مسلک کی اضافت و نسبت اعلیٰ حضرت یا شہر بریلی کی طرف کی گئی ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی مسلک میں یہ اضافت و نسبت خود لفظ میں پائی جاتی ہے۔ اب رہی بات بریلویت کی تو اس میں یہ نسبت لفظ میں نہ سہی مگر معنوی طور پر ضرور پائی جاتی ہے۔ یہ نسبت کسی بھی اعتبار سے غلط نہیں، بلکہ مسلک بذاتِ خود اس نسبت کا محتاج ہے، اس کے بغیر مسلک کا کوئی صحیح معنی متبادر ہی نہیں ہو سکتا جب کسی لفظ کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے اصول زبان و ادب کے مطابق کوئی ترکیب عمل میں لائی جاتی ہے تو وہ ترکیب نہایت ہی صاف ستھری اور شفافیت سے پُرنظر آتی ہے، اس کے شفاف آبگینہ سے فائدہ اُٹھانا اہل انصاف کا طریقہ رہا ہے مگر چشم شپرہ رکھنے والے افراد جب اس آبگینہ میں بال دیکھنے لگیں تو اسے کیا کہا جائے؟ دل تو چاہتا ہے ایسے مغرور افراد اور اس کے کج روذہنوں پر ماتم کیا جائے اور آٹھ آٹھ آنسو بہایا جائے، یہ نسبت و اضافت دورِ حاضر کا کوئی ایسا المیہ نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ قرن اول ہی سے یہ نسبت اہل علم و ادب اور صاحب فکر و شعور کے مابین جاری و ساری رہی ہے اس کے بغیر مسلک کا معنی متعین ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نکارت و ابہام دور ہو سکتا ہے۔

لفظ مسلک کی توضیح - جو لوگ عربی زبان و ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں

بخوبی جانتے ہیں کہ عربی کی لغات میں لفظ مسلک کا معنی طریقہ، راہ لکھا ہوا ہے۔ لفظ مسلک اپنے ان لغوی معانی کے سبب اگر چہ اسم کے زمرہ میں داخل ہو کر معنی مستقل پر دلالت کر رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں ابہام کی کیفیت پائی جاتی ہے کہ راستے بہت ہیں ان میں کون سا راستہ نجات دہندہ ہے؟ اور کون سا طریقہ جادۂ استقامت کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا تعین بھی ضروری۔ اس کے تعین کے لیے بھی لفظ مسلک اور اس کے ہم معنی الفاظ کی نسبت و اضافت، رجال و افراد کی طرف کر دی جاتی ہے۔ خود کلام پاک میں رجال کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے......

اهدنا الصراط المستقيم -	ہم کو سیدھا راستہ چلا
صراط الذين انعمت عليهم -	راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا
غير المغضوب عليهم ولا الضالين -	نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا

آیتِ مقدسہ میں لفظ صراط مسلک دین مذہب کا ہم معنی ہے بایں سبب یہ تمام الفاظ اپنی تشریح تام اور وضاحت کاملہ کے لیے کسی نہ کسی طرف مضاف ہوا کرتے ہیں اور اس اضافت کے بعد ہی اس کا معنی متعین اور واضح ہوتا ہے، جب تک اس کی اضافت نہ کی جائے یا کسی اور انداز میں اس کی تشریح نہ کی جائے۔ دین، مذہب اور مسلک کی معنی مقصود پر دلالت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے لفظ مسلک کی نسبت کس کی طرف کی جائے اور کس کی طرف نہ کی جائے؟ ارباب فکر و نظر نے اب تک اس کے لیے کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ واضح فرمایا کہ اضافت کے لیے ادنی ملابست ہی کافی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دین و مذہب کی جو خدمات انجام دیں، اسلام و سنیت کے فروغ و ارتقا میں جو حصہ لیا اور عشق و ایمان کی شگفتگی، رونق و بہار اور حسن و بانکپن کو برقرار رکھنے کے لیے زبان و قلم کا جو استعمال کیا، کیا ان خدمات کے سبب ان کی ذات ستودہ صفات کی طرف مسلک کی نسبت درست نہیں؟ تو پھر بتایئے وہ وجوہات کیا ہیں جن کی وجہ سے یہ نسبت و اضافت جائز و درست ہو سکتی ہے؟

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو مجدد دین و ملت کہا گیا اسی طرح انھیں مجدد مائۃ حاضرہ بھی کہا

جاتا ہے ان دونوں لقبوں میں ان کی طرف دین وملت کی نسبت پائی جاتی ہے، مگر یہ نسبت کوئی عام نسبت نہیں کہ یہ کسی ایسی ویسی نسبت سے بالاتر ہے اور ادنیٰ ملابست سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ نسبت دکھائی پڑتی ہے، اس نسبت میں بواسطۂ مجدد معنیٔ تجدید ملحوظ ہونے کے سبب ہر نسبت سے یہ اقویٰ اور نہایت مؤکد نظر آتی ہے اس لیے ترجیحی بنیاد پر مسلک کی نسبت واضافت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی طرف کی جانی چاہیے اور مسلک اعلیٰ حضرت / بریلوی مسلک یا صرف بریلویت کا اطلاق بھی کیا جائے۔ یہ تینوں مصطلحات ایک دوسرے کے مترادف ومساوی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا اعتراف واقرار دوسرے کے اعتراف واقرار کو مستلزم ہے، مگر یہ عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا اعتراف کیا جارہا ہے مگر بریلوی مسلک اور بریلویت کا انکار...... یاران نکتہ داں کی انکار واعتراف کی یہ پالیسی کچھ اس طرح الجھ چکی ہے کہ ان کا اعتراف انکار میں تبدیل ہو گیا اور انکار اعتراف کی صورت میں نمایاں دکھائی پڑتا ہے، اب اعتراف اعتراف نہ رہا اور نہ ہی انکار اپنی انکاری صورت کو برقرار رکھ پایا۔ یہ کیسے دانشور ہیں؟ کہ خود اپنے ہی زلفِ پیچاں میں پیچ وتاب کھاتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

مسلک اور اس کی علامتیں - چیزیں اپنی علامتوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روز روشن کی مانند واضح ہے۔ دانا وبینا بھی اس حقیقت سے آشنا ہیں اور جاہل وناداں بھی، کیونکہ یہ حقیقت مشاہدہ کے صیغہ میں داخل ہو چکی ہے اور بدیہات کے زمرہ میں قدم رکھ چکی ہے۔ اس لیے مزید اس پر دلیل وبرہان کی حاجت نہیں، پھر یہ کہ یہ کوئی آج کی حقیقت نہیں، بلکہ اس کی جلوہ سامانیاں ہر دور میں رہی ہیں۔

سرور عالم وعالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سب کے سب جہنمی ہیں مگر ایک فرقہ جنتی ہے۔ حدیث کے بموجب وہ فرقہ جنتی ضرور ہے مگر ابھی اس جنتی فرقہ میں ابہام واجمال پایا جاتا ہے۔ ابھی اس کا مکمل تعارف نہیں ہو پایا۔ اسی لیے صحابہ کرام نے عرض کیا...... **ماھی یا رسول اللہ** - وہ جنتی فرقہ کیسا ہوگا؟ اس کی علامتیں کیا ہوں گی؟ اس کی شناخت کا طریقہ کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا...... **ما انا علیه و اصحابی** - اس جنتی فرقہ کی علامت وشناخت یہ ہوگی کہ اس کے اعمال وکردار، عقائد ونظریات اور دیگر معاملات وہی ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے ہیں ۔اس فرمان والا تبار کے بعد صحابہ خاموش ہوگئے اور مزید کوئی دوسرا سوال نہیں کیا، جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ انھیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی علامت بتادی، اگر نہ بتائی جاتی تو دوسرا سوال ضرور کیا جاتا۔

ارباب دانش خوب جانتے ہیں علامتیں کبھی موثرہ ہوتی ہیں اور کبھی غیر موثرہ۔ غیر موثرہ ہونے کی صورت میں پھر اس کی کوئی دوسری علامت وضع کردی جاتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر موثر علامت ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی غیر موثر علامت کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے، جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں، انھیں خود اپنے وہم وخیال اور فکر وشعور کا احتساب کرنا چاہیے، دورِ حاضر کا یہ کس قدر زبردست المیہ ہے کہ مدارس وخانقاہ علماء مشائخ اور واعظین ومدرسین کو خود احتسابی کی دعوت دینے والے خود اپنا محاسبہ کیوں نہیں کرتے؟

دوسری صدی عیسوی میں جب اعتزال کا فتنہ بیدار ہوا اور معتزلیوں نے عقائد اسلام میں رخنہ اندازی شروع کی تو حضرت شیخ ابوالحسن اشعری اور ان کے پیروکاروں نے خود اپنا نام اہل سنت وجماعت رکھا، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ شرح عقائد نسفی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں......

> معتزلہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے سنت رسول اور عمل صحابہ کے خلاف قواعد کی بنیا درکھی حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے معتزلہ سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی رائے سے اختلاف کیا اور احادیث کریمہ میں آئے ہوئے اعمال وعقائد کے لیے دلائل فراہم کیے مسلمانوں کی عام جماعت نے ان کی اتباع کی تو یہ اہل سنت وجماعت سے مشہور ہوئے۔
>
> (پیغام رضا، بابت مارچ ۲۰۰۷ء، ص: ۱۴۳)

معتزلہ کے مقابلہ میں فرقہ ناجیہ کی علامت موثرہ حضرت شیخ ابوالحسن اشعری کی ذات اور

ان کے افکار وعقائد قرار دیئے اور ان کی اتباع کرنے والی جماعت کو اہل سنت و جماعت کہا گیا۔ دوسری صدی ہجری کے بعد اہل سنت و جماعت کا سکہ رواں ہو گیا اور ہر ملک اور علاقہ میں اسی اہل سنت کا غلبہ رہا اور پھر ارباب فکر و دانش نے اسی اہل سنت و جماعت کو سواد اعظم سے موسوم کر دیا۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے مذہب اہل سنت کی علامتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (۱) حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو بقیہ تمام صحابہ کرام پر فضیلت وفوقیت دینا، (۲) حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرنا، (۳) موزوں پر مسح کے جواز کا معتقد ہونا، ہے۔

(نہایہ علی الہدایہ، ص: ۱۴۶)

روی عن ابی حنیفه رضی اللّٰه عنه انه سئل عن مذهب اهل السنة و الجماعة فقال هو ان يفضل الشيخين يعني ابا بكر و عمر علي سائر الصحابه رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم وان يحب الختنين يعني عثمان و علياً رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما وان يدعي المسح علي الخفين ۔حضرت امام اعظم سے روایت کی گئی، آپ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں پوچھا گیا کہ مذہب اہل سنت کیا ہے، آپ نے جواب دیا شیخین کو فضیلت دینا، سرکار کے دونوں دامادوں سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھنا ہے۔ امام اعظم نے یکے بعد دیگرے تین علامتوں کا ذکر کیا۔ اس کا ماحصل یہ ہوا کہ جو شیخین کو بقیہ صحابہ پر فوقیت نہ دے اور حضرت عثمان غنی و حضرت علی سے محبت نہ کرے اور مسح علی الخف کے جواز کا اعتقاد نہ رکھے وہ اہل سنت سے نہیں۔ علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی الخیرات الحسان میں حافظ عبد العزیز ابن ابی رواء سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا......

جو شخص امام ابو حنیفہ کو دوست رکھے وہ سنی ہے اور جو ان سے بغاوت رکھے وہ بدمذہب ہے۔ (الجواہر البیان، ص: ۷۸)

تیسری صدی ہجری میں فرقہ ظاہریہ کے امام داؤد ظاہری نے تقلید کا انکار کیا تو اس وقت کے تمام علماء نے انھیں اہل سنت سے خارج کر دیا اور پھر بعد میں یہ نظریہ قائم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ

میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے اور وہی مذہب اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھے گا جو ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک کا مقلد ہوگا اور جو مقلد نہیں گمراہ، گمراہ گر جہنمی ہے۔

ارباب فکر سے مخفی نہیں کہ مذہب اہل سنت کی مختلف علامتیں رہی ہیں جو اس طرح ہیں......

پہلی علامت ...... ما انا علیہ و اصحابی

دوسری علامت ...... حضرت امام ابوالحسن اشعری کے افکار و نظریات

تیسری علامت ...... تفضیل شیخین

چوتھی علامت ...... محبت ختنین یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

پانچویں علامت...... موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد

چھٹی علامت ...... امام اعظم سے محبت

ساتویں علامت...... تقلید

قارئین کرام! ان علامتوں پر غور کریں اور بتائیں، اگر اہل سنت و جماعت کی اصطلاح ہی کافی و موثر ہوتی تو پھر اس کے بعد تفضیل شیخین، محبت ختنین، موزوں پر مسح کا اعتقاد، امام اعظم سے محبت اور تقلید کو مذہب اہل سنت کی علامت کیوں قرار دیا گیا؟ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل زمانہ کو بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اہل سنت و جماعت کے لیے علامتوں کے وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے اور جب کوئی جدید علامت وضع ہو جائے تو اس سے قدیم علامتوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی قدیم علامتوں کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے۔ صدیاں بیت گئیں، ہزاروں زمانے گذر گئے اس دوران نہ معلوم کتنے مفکروں، دانشوروں نے اپنے فکر و شعور سے کاروانِ انسانیت کو مستفیض کیا، اور ان کے ذہنوں کے تاریک گوشوں کو نور و نکہت سے منور و معطر کیا، مگر آج تک کسی بھی دانشمند نے یہ نہیں کہا کہ ان علامتوں میں سے فلاں علامت غلط ہے یا اس کی وضع ہی قابل اعتراض ہے۔ میرے خیال میں کوئی صاحب فکر ایسی لایعنی باتیں نہیں کرسکتا، کیونکہ علامتیں کبھی بھی اپنے فعل و عمل سے مجرد نہیں ہوتیں اور نہ ہی اس کی وضع غلط ہوسکتی ہے۔ ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ علامت کسی دور میں من کل الوجوہ معرفت شی کا فائدہ نہ دے، اسی لیے

ارباب زمانہ شی کی معرفت کے لیے کسی دوسری علامت سے کام لے لیتے ہیں۔

ہندوستان میں وہابیت کے بطن سے مختلف نئی جماعتوں نے جنم لیا۔ان میں دیوبندیت بھی ہے اور قادیانیت بھی، چکڑالویت بھی ہے اور نیچریت بھی، جماعت اسلامی بھی ہے اور تبلیغی جماعت بھی۔ان جماعتوں میں دیوبندیت ایسی جماعت ہے جس نے تقلید کا سہارا لیا اور خود کو حنفی کہہ کر مقلدین کی صف میں گھس آیا اور سنی مسلمانوں کے مابین وہابیائی عقائد وافکار کی اشاعت شروع کر دی۔خود کو اہل سنت و جماعت سے موسوم کیا، حد تو یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے جب زلزلہ نام کی ایک معرکۃ الآرا کتاب تصنیف کی، تو اس کے جواب میں اعظم گڑھ کی سرزمین سے ایک کتاب زلزلہ در زلزلہ شائع کی گئی اور اس کا ناشر جماعت اہل سنت تحریر کیا گیا۔یہ لوگ ایسے تقیہ باز ہیں کہ خود کو سنی حنفی مسلمان بتانے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ان کے اس رویہ کے پیشِ نظر ایک عام آدمی تو کیا بسا اوقات خاص افراد بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں اور فیصلہ نہیں کر پاتے ہیں کہ انھیں سنی کہا جائے یا دیوبندی؟ انھیں حق پرست کہا جائے یا باطل پرست کیونکہ یہ حضرات بھی خود کو **ما انا علیه واصحابی** کے تحت اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام کا دعویٰ کرتے ہیں۔تفضیل شیخین، محبت ختنین، موزوں پر مسح کو جائز بتاتے ہیں اور اس کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں، خود کو سنی کہہ کر تقلید کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ بھلا بتایئے آپ انھیں کس علامت کی بنیاد پر فرقہ ناجیہ سے الگ تصور کر سکتے ہیں؟ کیا کوئی ایسی صورت ہے؟ کہ یہ اہل سنت سے علیحدہ بھی ہو جائیں اور کسی نئی علامت کے ایجاد کی ضرورت بھی محسوس نہ ہو۔آپ فکر و دانش کا چراغ روشن کر لیں، علم و ادراک کے دیئے جلا لیں مگر انھیں اپنی جماعت سے الگ نہیں کر سکتے۔خود بدایوں میں ہزاروں دیوبندی، حافظ قرآن آتے تھے اور سنی بن کر قرآن سنایا کرتے تھے۔مگر ان کے بارے میں کسی کو وہابی، دیوبندی یا نیچری ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

کرم ہے ان لائق اتباع مفکروں، دانشوروں کا جنھوں نے اہل سنت و جماعت کی صف سے فرقہ باطلہ خصوصی طور پر دیوبندی حضرات کو الگ رکھنے کے لیے ایک نئی علامت وضع کی، اور فرمایا جو امام احمد رضا سے محبت کرے وہ سنی ہے اور جو بغاوت رکھے وہ بدمذہب ہے اور ارشاد

فرمایا...... بریلوی دورِ حاضر میں اہل سنت کی علامت ہے۔فرقہ ناجیہ کی علامتوں میں ایک نئی علامت کا اضافہ ہوا اور اب فرقۂ ناجیہ کی کل آٹھ علامتیں ہوگئیں،مگر یہ کیسی بری سوچ ہے کہ فرقۂ ناجیہ کی دوسری علامتوں پر لوگ چپی سادھے ہوئے ہیں اور نئی علامت بریلوی پر اپنے ترکش سے زہر میں بجھے ہوئے تیر چلا رہے ہیں۔اس نئی علامت کو غلط اور باطل قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔اس علامت کے پیچھے آپ کیوں پڑ گئے؟ اور فرقہ ناجیہ کی دوسری علامتوں پر خاموش کیوں؟ اسی لیے کہا جاتا ہے......

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جام نور دہلی کے حوالہ سے کچھ نئے قلمکاروں کی تحریریں سامنے آئی ہیں۔ان تحریروں میں کچھ خوبیاں ضرور ہیں جس کی بنیاد پر انھیں سراہا جا رہا ہے۔جام نور کی اس پیش رفت سے کسی کو انکار نہیں،کہ اس رسالہ نے تحقیق وتلاش کو نئی جہت اور معنویت سے آشنا کیا ہے اور جماعت اہل سنت کے نوجوان طبقہ میں مذہبی صحافت کی جوت جگادی ہے،تحریر وانشاء کی قوت بلیغ پیدا کردی۔نئے قلمکاروں کے ذریعہ نئے مضامین اور جدید اسالیب سے ہم ضرور آشنا ہوئے،اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا،مگر ان نوجوان قلمکاروں نے کچھ ایسے مباحث چھیڑ دیے جن کی وجہ سے جماعتی تقسیم ناگزیر ہوگئی اور قوم وملت کا اتنا بڑا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی ایک امر دشوار بن گیا۔انھیں اس سے کیا حاصل ہوا؟ ایسا فائدہ جو کسی عظیم خطرہ کا باعث ہو،کوئی بھی سنجیدہ آدمی کسی بھی صورت میں اسے گوارہ نہیں کرسکتا ہے اور قرآنی اصول بھی یہی ہے کہ جو فائدہ یا ارتقاء نقصان کو لازم کرے اسے نظر انداز کردینا چاہیے **کما قال اللہ تعالیٰ**

یسئلونک عن الخمر والمیسر	تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں،
قل فیھما اثم کبیر و منافع	تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور
للناس واثمھما اکبر من نفعھما	لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی،اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے

نقصانات کی تفصیل - جماعت اہل سنت کے لیے جام نور دہلی کے حوالہ

سے اتنے نقصانات ہوئے کہ اس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی ان نقصانات کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ جام نور دسمبر ۲۰۰۱ء میں ایڈیٹر موصوف نے کچھ اس طرح جذباتی انداز سے اداریہ لکھا کہ ہماری جماعت کے افراد و رجال نے حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جذبات سے مغلوب ہو کر تائیدی کلمات تحریر کر دیئے، غلطیوں پر سرزنش کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی، اس قسم کی کاروائی نہ اصلاح کے زمرہ میں آتی ہے اور نہ تنبیہ کے صیغہ میں اسے رکھا جا سکتا ہے۔ ہاں منھ دیکھی بات کہی جائے کہ یہی انسب معلوم ہوتا ہے۔ اب جگر تھام کر بیٹھئے اور پیش آنے والے نقصانات کا جائزہ لیجئے:

اول - ہماری جماعت کے مفکروں نے لفظ بریلوی کو دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کا علامتی نشان قرار دیا۔ تمام علماء و مشائخ نے اس پر اتفاق کیا، مقرروں، واعظوں نے اسے سراہا، عوام نے اسے قبولیت کا درجہ عطا کیا، مگر اسی جام نور اور ماہنامہ سیارگان ممبئی میں سید رکن الدین اصدق نے لفظ بریلوی کے خلاف مضمون لکھا، انھیں جتنا کوسنا تھا کوسا، اور اپنے دل کا بخار نکالنا تھا نکال دیا، کیا ایڈیٹر کی یہ ذمہ داری نہ تھی کہ وہ ایسے دل آزار مضمون شائع نہ کرتے اور اگر شائع کرنا ہی تھا تو اس میں ادارتی نوٹ لگا دیتے، ادارتی نوٹ کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایڈیٹر موصوف بھی سو فیصد اس مضمون سے اتفاق کرتے ہیں، اس طرح سے جام نور دہلی نے تمام مسلمانوں کی دلآزاری کی اور عوام و خواص کے دلوں کو دکھایا، لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے اور تحریری طور پر معافی مانگے۔

دوم - لفظ بریلوی علامتی نشان ہونے کے سبب اب اس کا معنی محدود نہیں بلکہ غیر محدود، نہایت ہی وسیع اور اہل سنت و جماعت کا مترادف بن گیا۔ شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی اس وسیع معنی کے اعتبار سے بریلوی ہیں مگر جام نور کے توسط سے یاران نکتہ داں نے لفظ بریلوی کے معنی و مفہوم میں جدید فرقہ کا معنی شامل کر دیا اور اسی بنیاد پر ترک استعمال کا مشورہ بھی قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ مشورہ

سرے سے غلط ہے کیونکہ لفظ بریلوی سے کسی بھی صورت میں جدید فرقہ کا معنی متبادر نہیں تو پھر اسے بنیاد بنا کر ترک استعمال کا مشورہ دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ مگر انھیں تو ذہنوں میں تکدر اور فکر وشعور میں مسموم فضا قائم کرنا تھا اور انھوں نے کر دکھایا مگر ہماری ہی جماعت کے کچھ دانشوروں، مفکروں نے اس کا سراغ لگائے بغیر اپنے تائیدی کلمات عطا کر کے، کاروان جام نور میں شمولیت اختیار کر لی، یہ خاموش کیفیت کیا انقلاب پیدا کریگی؟ یہ وقت اور حالات بتائیں گے۔

سوم ـ لفظ بریلوی کو غیروں کا عطا کردہ لقب بتایا گیا، اس میں قطعی کوئی سچائی نہیں جن لوگوں نے یہ نظریہ پیش کیا، انھوں نے صرف وہم وگمان اور خیال وظن کی بنیاد پر کہہ دیا، اس سلسلہ میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں، بنظر انصاف دیکھئے تو اہل سنت وجماعت میں سے عوام وخواص کا عمل اس کے خلاف جاتا ہے اگر واقعی یہ غیروں کا دیا ہوا لقب ہوتا تو بریلوی مسلک یا بریلویت کا نعرہ نہ لگایا جاتا، جس طرح سے رضا خوانی اور قبر پجوا کا نعرہ نہیں لگایا جاتا ہے کیونکہ یہ غیروں کے دیئے ہوئے القاب ہیں۔ مجھے سخت افسوس اور حیرت ہو رہی ہے کہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے یہ کس طرح تحریر کر دیا کہ بریلوی کہہ کر ہم غیروں کے معاون کیوں بنیں؟ اگر یہی معاونت ہے تو انھیں یہ مشورہ علامہ ارشد القادری، علامہ سید محمد مدنی اور انھیں کے ہم نام مولانا محمد احمد مصباحی مرحوم کو دینا چاہیے کیونکہ یہ سارا کھیل خود انھیں کے سامنے کھیلا جا رہا تھا اور اس وقت آنجناب خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ اس بڑے بول کا سارا الزام اکابر ومشائخ کے سر جاتا ہے اس طرح سے اسلاف کی شخصیتوں کو مجروح کرنا کیوں کر جائز و درست ہوسکتا ہے؟ اگر بریلوی غیروں کا دیا ہوا لقب ہے تو پھر کہیں ایسا تو نہیں؟ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی بھی غیروں کے دیئے ہوئے القاب ہیں اور ان اصطلاحوں کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔ صدر المدرس صاحب نے اپنے ان خیالات کا اظہار تجلیات رضا کے صدر

العلماء نمبر میں کیا۔ کاروان تجلیات رضا نے نہ معلوم کس جوش جنوں میں اسے شائع کر دیا، یہ وہی بتا سکتے ہیں؟

یہ تمام گفتگو لفظ بریلوی کے متعلق تھی۔ اگر بات یہیں تک محدود رہتی تو اسے زید و بکر کی رائے تصور کر کے نظر انداز کر دیا جاتا، مگر ان تلخ باتوں اور دلآزار مضامین پر ہماری جماعت کے ارباب حل وعقد نے جو خاموشی اختیار کر لی، اس سے ان نوجوان مفکروں، دانشوروں کو حوصلہ ملا اور بعض حضرات کے غیر دانشمندانہ اقدامات سے ان حضرات کو نئی تازگی ملی اور راستہ صاف دیکھ کر مسلک اعلیٰ حضرت پر بھی اعتراض کر بیٹھے ستم بالائے ستم یہ کہ ہماری جماعت کے ایک معتبر شخصیت کی انھیں سرپرستی حاصل رہی، خیر اس معتبر شخصیت نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب وہ دیں گے مگر میں مسلک اعلیٰ حضرت پر کی گئی تنقید سے اتفاق نہیں کرتا۔ بایں وجہ میرے نزدیک یہ تنقید برائے تخریب ہے، برائے تعمیر نہیں۔

چہارم۔ اس بات پر سب اتفاق کرتے ہیں کہ علامتوں کے ذریعہ ہی چیزیں پہچانی جاتی ہیں اور ان کا تشخص بھی برقرار رہتا ہے اگر علامتیں کالعدم کر دیے جائیں یا انھیں سرد خانے میں ڈال دیے جائیں تو چیزیں برقرار ضرور رہیں گی مگر ان کا نہ تو کما حقہ تعارف ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کا امتیاز و تشخص برقرار رہ سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اقرار ہر مکتبہ فکر کے افراد کو ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس مسلک اہل سنت کی آپ بات کر رہے ہیں، اگر اس سے مسلک اعلیٰ حضرت کی روح نکال دی جائے تو اس کی حیثیت ایک بیجان قالب کی سی ہو جائے گی۔ وہابیہ دیابنہ نے اسے بے جان کرنے میں کیا کسر اُٹھا رکھی تھی، یہ تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا کرم ہے کہ انھوں نے قلمی جہاد کیا اور اپنی فکری کاوشوں سے اس میں جان ڈال دی اور اس کی تر و تازگی، رونق و بہار اور حسن بانکپن کا تحفظ کیا جس کے نتیجے میں یہ ہی مسلک اہل سنت، مسلک اعلیٰ حضرت کی صورت میں ظاہر ہوا اور خود مسلک اعلیٰ حضرت، مسلک اہل سنت کی علامت بن گیا، دور حاضر میں جو مسلک اعلیٰ حضرت کو مانتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے

نیز قول و عمل سے اس کا اظہار کرتا ہے، وہی صحیح معنی میں مسلک اہل سنت کا پابند ہے اور جو کسی بھی نوع سے مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف اختیار کرتا ہے، اس کی نیت مشکوک نظر آتی ہے اور صلح کلیت کا اس پر غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ جو لوگ مسلک اعلیٰ حضرت سے الگ ہو کر مسلک اہل سنت کی اتباع کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں یا اس کی وکالت کر رہے ہیں، میرے خیال میں وہ قوم و ملت بلکہ خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور نفسیاتی امراض میں مبتلا نظر آرہے ہیں، اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے سید سیف الدین اصدق کی یہ عبارت پیش کر دی جائے، جسے انھوں نے اپنے والد گرامی سید رکن الدین اصدق کی حمایت و تائید میں تحریر کی ہے، آنجناب لکھتے ہیں......

> میں بہانگ دہل کہتا ہوں کہ مسلک سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو کافی و بس سمجھتا اگر مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت ہے تو اس معنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کا مخالف ہوں جیسا کہ حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں...... **"لو کان رفضاً حب آل محمد - فلیشھد الثقلان انی رافضی"**

اس سلسلہ میں مجھے عرض کرنا ہے اگر مسلک اعلیٰ حضرت سے الگ مسلک اہل سنت کا کوئی تصور آپ کے خیال میں ہے تو یہ آپ ہی کو مبارک ہو اور آپ اس پر جس قدر بھی ناز کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، یہ آپ کا اپنا حق ہے، اس میں کوئی کیونکر مداخلت کرے۔ آل محمد سے محبت کرنا نہ رفض ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر کسی کو رافضی کہا جا سکتا ہے، لیکن مثال میں یہ شعر پیش کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے، کیونکہ حب آل محمد جذبۂ ثبوت کا متقاضی ہے اور رفض میں جذبۂ نفی پایا جاتا ہے اس اعتبار سے دونوں میں باعتبار مصداق تضاد پایا جاتا ہے۔ مسلک اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت میں کوئی تضاد نہیں، تو پھر منافات کے ذریعہ مساوات کو ثابت کرنا کون سی دانشوری ہے؟ اصدق ثانی نے اپنی بوتل سے جنوں کو باہر نکال دیا جبکہ اصدق اول نے اس کا اظہار دبے

اور چھپے ہوئے الفاظ میں کیا تھا، جس سے سینوں میں کرب واضطراب اور ذہنوں میں تکدر پیدا ہو گیا اور جماعت اہل سنت کا اتحاد واتفاق کو بری نظر لگ گئی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نام پر روٹیاں کھانے اور بوٹیاں نوچنے والوں نے اس طرح کروٹ لی، کہ ایک بھونچال آ گیا اور سنیت میں زلزلہ پیدا ہو گیا۔ اگر سنیت میں دراڑ پیدا ہو گیا تو یقین مانئے آپ کا وجود بھی باقی نہ رہے گا اور نہ ہی انفرادیت کے خدوخال ہی دکھائی پڑیں گے۔ اس لیے مشورہ ہے قلم ذرا ہوش سے اُٹھائیں اور جماعتی مزاج وسرشت کو پہچان کر ہی اظہار خیال کریں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح نہ غلط ہے، اور نہ ہی اس کے استعمال پر ہمیں افسوس ہے، اس کی وضع کے وقت جو حالات وکوائف تھے، جن کی وجہ سے اس اصطلاح کی وضع کی ضرورت محسوس ہوئی مگر اس دور میں تو اس سے بھی زیادہ برے اور خستہ حالات ہیں، بایں وجہ اس وقت اس کے استعمال کی اور شدید ضرورت ہے۔ اگر آج کا نوجوان طبقہ اپنے زعم میں اس ضرورت کا احساس نہ کرے تو اس میں ہمارا یا کسی کا کیا قصور ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اپنے قصور فہم کو قوم وملت اور جماعت پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ اگر ایسے ہی ناپختہ کار افراد ملت بیضا کی قیادت کا دعوی کریں اور خود کو مسیحا تصور کریں تو پھر اس ملت بیضا کا کیا حال ہو گا؟ الامان والحفیظ۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو غلط قرار دینے کی تائید میں ذیشان مصباحی نے حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں صاحب قبلہ کے انٹرویو کا یہ حصہ پیش کیا، ذیشان مصباحی لکھتے ہیں......

> نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب کی ذیل کی باتوں سے بھی میرے موقف کی تائید ہوتی ہے ایک رسالہ کو انٹرویو دیتے ہوئے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں بریلوی کوئی مسلک نہیں ہم مسلمان ہیں اہل سنت و جماعت ہیں، ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں، حضور کے صحابہ کا ادب کرتے ہیں حضور

> کے اہل بیت سے محبت کرتے ہیں حضور کی امت کے اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں فقہ میں ہم امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں، ہم اپنے آپ کو بریلوی نہیں کہتے ہمارے مخالف ہمیں بریلوی کہتے ہیں۔
>
> (جام نور دہلی، بابت اکتوبر ۲۰۰۷ء ص: ۱۸)

نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ کا یہ انٹرویو ہے اور انٹرویو کسی نہ کسی سوال کا جواب ہوا کرتا ہے۔ جواب میں پیش کیے گئے الفاظ و عبارت کی توضیح سوال کے تناظر میں کرنا چاہیے۔ یہ کس سوال کا جواب ہے؟ ذیشان مصباحی اسے گول کر گئے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ جواب اس سوال کا ہوگا جس میں یہ کہا گیا ہوگا کہ بریلوی ایک نیا مسلک ہے جیسا کہ سعودی حکومت کے کارندوں نے آپ سے گرفتاری کے دوران مکالمہ میں کہا تھا...... چونکہ فقہ کا ضابطہ ہے **السوال معاد للجواب** کہ سوال ہی جواب کی بنیاد ہوا کرتا ہے لہٰذا اس ضابطہ کے تحت علامہ ازہری صاحب قبلہ نے بنام بریلوی کسی جدید مسلک کی نفی کی ہے مطلقاً مسلک کی نہیں اور یہ بات تو ہر کوئی کہتا ہے کہ بریلوی کسی نئے مسلک کا نام نہیں بلکہ وہ بعینہٖ مسلک اہل سنت ہے۔ دونوں کے مابین باعتبار معنی و مصداق مساوات پائی جاتی ہے۔ اسی لیے قبلہ موصوف نے فرمایا ہم اہل سنت و جماعت ہیں۔ امام اعظم کے مقلد ہیں اور حضور کے صحابہ کا ادب کرتے ہیں، اگر یہ کوئی نیا مسلک ہوتا تو اس میں یہ خوبیاں نہیں ہوتیں، مگر افسوس ہے کہ مصباحی موصوف نے ایک خاص قسم کے مسلک کی نفی کو مطلق مسلک کی نفی تصور کر لیا اور غیر دانشمندانہ انداز میں اس مذکورہ بالا عبارت کو اپنے موقف کی تائید تصور کر لیا، میں ایک بار پھر دہرا دینا چاہتا ہوں مسلک اعلیٰ حضرت / بریلوی مسلک / مسلک اہل سنت کی دلیل و علامت ہے۔ اس سے انحراف کسی بھی صورت میں اختیار نہ کیا جائے اگر کسی کو اپنی ذاتی رنجش نکالنی ہی ہے تو اس کے لیے کوئی اور راستہ ڈھونڈ نکالیں، مسلک کو اس میں ملوث کر کے جماعت کو مختلف خانوں میں بانٹنے سے باز آئیں، اس طرح نہ آپ فائدہ میں رہیں گے اور نہ ہی جماعت کو کچھ ہاتھ آئے گا۔

پنجم - میں محسوس کر رہا ہوں کہ نئے قلمکاروں میں اقدام کی صلاحیت صفر کے برابر ہے اور اس کے برعکس وہ گریز اور انحراف سے کام لے رہے ہیں، شاید انھوں نے یہ یقین کرلیا کہ سلامتی صرف ساحل پر ہے، تو پھر پُرجوش سمندر کی سطح پر کون شناوری کرے، ملت کے نوجوانوں میں جب اس قسم کا جذبہ، پست ہمتی اور احساس کمتری پائی جائے گی تو مستقبل میں ملت کی خوشحالی اور فلاح و بہبودی کے لیے وہ کیا کر سکتے ہیں اس کا اندازہ ابھی سے ہو رہا ہے۔ یہ ایک بڑے خطرے کا سگنل ہے۔ اس قسم کا ایک جذبہ حکیم اجمل کے دل میں بیدار ہوا تھا، جس کے نتیجے میں انھوں نے رواداری کو برتتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی تھی، کہ مسلمان گائے کی قربانی بند کر دیں، انھوں نے یہ اپیل رواداری کے طور پر کی تھی، مگر آج یہی ہندوستان کا قانون بن گیا۔ اس لیے ہمیں اپنے موقف پر قائم رہنا چاہیے چونکہ یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم نے رواداری اور پاسداری کا لحاظ کرتے ہوئے فرق باطلہ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا تو یقین جانئے کہ گھر کی کوئی دیوار بھی صحیح و سالم نہ رہ پائے گی اس لیے میرا ذاتی مشورہ ہے کہ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے اس پر سو بار سوچ لیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ جذبات میں کوئی اقدام کر بیٹھیں اور اس کا فائدہ مخالف جماعت کو پہنچے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو غلط قرار دینا عجلت میں اُٹھایا ہوا قدم ہے، جو اقدام کی صورت سے میل نہیں کھاتا بلکہ یہ سراسر گریز ہے اور تبلیغ و اشاعت میں یہی سدراہ ثابت ہو رہا ہے۔ مخالف جماعت کے افراد یقینی طور پر آنجناب کی اس حماقت و جہالت اور نادانی و غیر شعوری حرکت پر قہقہہ لگا رہے ہوں گے کہ انھوں نے بڑی چالاکی سے ایسی گتھی الجھا دی ہے کہ فرقہ ناجیہ کے یہ افراد آپس ہی میں سر پھٹول کر کے بے دم ہو جائیں گے اور اقدامی صورت کا خیال بھی اپنے ذہن سے نکال دیں گے۔ تف ہے اس غیر دانشمندانہ تحریر پر۔

ہمیں نئی جماعت کے روپ میں پیش کرنے کے لیے مخالف بریلوی کہتے ہیں یا نیا مسلک ثابت کرنے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت سے موسوم کرتے ہیں اس لیے ہم اپنے آپ کو بریلوی نہ کہیں اور نہ ہی مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگائیں۔ اگر یہی آپ کا مشورہ ہے تو بالفرض ہم نے آپ کا یہ مشورہ قبول کرلیا، لیکن آپ کے خیال میں یہ تصور بھی رہے کہ مخالفین عرس و چادر اور دوسرے معمولات اہل سنت کو کفر وشرک کہتے ہیں، میلاد شریف کو کنہیا کے جنم سے تشبیہ دیتے ہیں اور مدح مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا خیال ہے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے بھی آگے بڑھا دیتے ہیں وغیر ذالک، تو پھر ہمیں عرس بھی نہیں کرنا چاہیے، چادر بھی نہیں چڑھانا چاہیے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصیدے بھی نہیں پڑھنے چاہیے۔ میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انعقاد بھی نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس میں شرکت کرنی چاہیے، سب کچھ چھوڑ دیجیے، ان مذکورہ مسائل کے تعلق سے آپ ترکِ عمل کا مشورہ کیوں نہیں دیتے؟ ایک بیچارہ لفظ بریلوی اور مسلک اعلیٰ حضرت ہی رہ گیا ہے جس پر تنقیدیں کی جارہی ہیں اور اسی کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا جارہا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ میرا یہ سوال کاروان جام نور کے تمام افراد سے ہے یا تو وہ اس کا معقول جواب دیں یا پھر جام نور دہلی میں اس قسم کے جتنے مضامین شائع ہو چکے ہیں اس کے تعلق سے ایڈیٹر جام نور دہلی اپنی برأت کا اعلان کریں۔

یہ چند کوتاہیاں تھیں جن کی طرف قارئین اور کاروان جام نور دہلی کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ ان کوتاہیوں، خطاؤں پر مایوس اور دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں کہ خطائیں انسان ہی سے ہوا کرتی ہیں اور میدان جنگ میں شہسوار ہی گرا کرتے ہیں......

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں　　　وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

ہاں محبت بھرے الفاظ میں اتنی بات ضرور کہوں گا کہ اب تک جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان پر معذرت خواہ ہونے کی عادت ڈالیں اور چشم کشا انسان کی طرح اس حقیقت کا اعتراف کرلیں کہ

بڑے انسان ہونے کی یہی پہچان ہوا کرتی ہے اور آئندہ اس بات کا ضرور دھیان رکھیں کہ کسی تحریر کے ذریعہ کسی کو اذیت نہ پہنچے، اس بات کی کوشش ہونی چاہیے۔ خود احتسابی ہی یقیناً وقت کی اہم ضرورت ہے، انفرادی طور پر بھی اسے انجام دینے کی ضرورت ہے اور جماعتی انداز میں بھی۔ جب تک ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا، ہم کسی بھی میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مقصد کو پا سکتے ہیں کہ خود احتسابی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ کچھ کھوئے بغیر فوز مرامی حاصل ہوتی ہے اور آنے والی زندگی میں ایسی تابناکی چھا جاتی ہے کہ ہر انسان کی توجہ اس تابناکی کی طرف از خود مبذول ہو جایا کرتی ہے۔ کاروان جام نور نے جس عزم مصمم کے ساتھ علم و ادراک، فکر و شعور اور جماعتی کاموں میں سبک رفتاری لانے کی شروعات کی ہے اس کا ہم تہہ دل سے استقبال کرتے ہیں مگر اتنی گذارش ضرور کریں گے کہ زمانے کی رفتار کو دیکھتے ہوئے میڈیا اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال ضرور کریں مگر اس بات کا بھی دھیان رکھیں کہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر حدود شریعت پامال نہ ہوں، بلکہ اس کے حدود میں رہتے ہوئے جدید تقاضوں کا پاس و لحاظ رکھیں کہ ماضی میں اس قسم کی کوتاہیاں جام نور کے خانوادوں سے ہو چکی ہیں۔

دوسری اہم بات یہ بھی گوش گزار ہونی چاہیے کہ جماعت کا مزاج اور اس کی سرشت کچھ الگ انداز کی ہوا کرتی ہے۔ جب انفرادیت اپنے بازو پر سمیٹتی ہے اور اپنے زعم و نخوت سے توبہ کرتی ہے تب جماعت کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کی نمود ہوا کرتی ہے۔ وہ جماعت ہی کیا جس میں انفرادیت کی ساری رعنائیاں موجود ہوں اور جماعت پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ یہ خلط کا فساد ہو سکتا ہے، مگر معتدل مزاج نہیں۔ سید رکن الدین اصدق، ذیشان مصباحی سے بس یہی غلطی ہوئی کہ انھوں نے بلا سوچے سمجھے اس دشت امکاں میں قدم رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ خود بھی مجروح ہوئے اور جماعت کو بھی زک پہنچا دی، اگر واقعی طور پر جماعتی طور طریقے میں کسی اصلاح کی ضرورت ہے، تو اس کے لیے حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کا یہ مشورہ ضرور دھیان میں رہے کہ......

ہاں! عام جماعتی مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے موصوف ضرور کچھ سخت ہو گیا ہے اس سے ان کو احتراز کرنا چاہیے مولانا مصباحی کو چاہیے یہ تھا کہ لفظ مسلک اعلیٰ حضرت کے حقائق و معارف اور پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھ کر قارئین سے آرا حاصل کرتے نہ یہ کہ ڈائریکٹ اپنی رائے سے قارئین کو سرفراز فرماتے۔

(جام نور دہلی، جنوری ۲۰۰۹ء)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جماعت اہل سنت کے تحفظ اور ناموسِ رسالت کی صیانت کے لیے جو کوششیں کی اور جس جرأت مندانہ انداز میں دین و مذہب، علم و ادراک، فکرو تدبر اور فقہ و تفسیر کے فروغ و ارتقاء میں حصہ لیا۔ وہ تاریخ کا انمٹ حصہ ہے۔ کسی بھی دور میں اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سنجیدہ دماغ رکھنے والا کوئی مورخ اسے مٹا سکتا ہے مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی جس جماعتی سرمایہ کو ہمارے سپرد کیا ہم اس کی حفاظت نہیں کر پا رہے ہیں بلکہ اسے مختلف خانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ ایسے افراد نمودار ہو رہے ہیں جو ہماری جماعت میں گھس کر امام احمد رضا کی خدمات کو بالائے طاق رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، مسلک اعلیٰ حضرت، مذہب اہل سنت کا علامتی نشان بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تہذیبی روایات بھی ہے۔ قوم و ملت کا بہترین سرمایا بھی، مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا رہ کر اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرنا ایک کھوکھلا دعویٰ ہے صرف زبانی نعرہ ہے ایسے دعوؤں اور نعروں سے چوکنا رہیے کہ یہی وقت کی آواز ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا بھی۔ کاروان جام نور اور نئے قلمکار اس مزاج و سرشت پر کہاں تک کھرے اُترتے ہیں؟ یہ وقت اور حالات ہی بتا سکتے ہیں۔

صدیوں سے اہل سنت و جماعت کے افراد نے دین و مسلک کی اشاعت و تبلیغ کے لیے جو اقدامات اُٹھائے ہیں، وہ ہر دور میں موثر رہے ہیں اور دورِ حاضر میں بھی موثر نظر آتے ہیں۔

ان اقدامات کو غیر موثر قرار دینا، کسی بھی صورت میں درست نہیں اور نہ ہی اس کی راہیں مسدود ہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ صحافتی دور ہے اور جدید ذرائع ابلاغ کا زمانہ ہے، اس کے لیے ہمارے علماء کرام نے مشروط طور پر جدید ذرائع ابلاغ کے اپنانے کی اجازت دے دی ہے، اس پر عمل کیا جائے مگر مدارس و خانقاہ اور واعظین و مبلغین پر آوازیں کسنا انھیں لعن وطعن کرنا اور بلاوجہ تنقید کرنا قطعی مناسب نہیں۔ جن حضرات کو پیشہ ور مقرر کہہ کر آپ حضرات نظر انداز کرنا چاہتے ہیں انھوں نے قوم وملت کو جو مشورہ دیا اور قرآن وحدیث کے تئیں ان کے دلوں میں جو تحریک پیدا کی، وہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور عرصہ دراز تک ان کی یادیں تازہ رہیں گی، یہی وہ واعظین تھے، مقررین تھے جنھوں نے اپنی شعلہ بار خطابت اور تقاریر کی گھن گرج سے حکومت وقت کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔ شاہ بانو مسئلہ سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ کس قدر اہم تھا؟ اس فیصلہ کے متن کو عوام کے سامنے لانا اور جاہل سے جاہل کے دلوں میں اتار دینا کوئی آسان کام نہ تھا، بلکہ جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ دشوار تھا۔ مگر ہماری ہی جماعت کے ایک فرد واحد نے اپنی شعلہ بار خطابت سے پورے ہندوستان میں دھوم مچا دی اور متن فیصلہ کو اس طرح پانی پانی کر دیا کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، حتی کے بچے بھی شاہ بانو کیس کے تعلق سے واقف ہو گئے اور سپریم کورٹ کے ججوں نے جو بددیانتی کی تھی اس کا بھی احساس کر لیا اور پھر حکومت ہند کے خلاف ایسی عوامی تحریک چلی کہ مرکزی حکومت کو الگ سے مسلم مطلقہ بل پاس کرنا پڑا۔ اس سنہرے دور کو ہم کس طرح فراموش کر سکتے ہیں، کیا تبلیغ واشاعت کی راہ میں یہ ایک اہم کارنامہ نہیں؟ تمام واعظین ومقررین کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا قطعی درست نہیں وہ دور خطابت کا تھا اور آج کا یہ دور صحافت کا ہے، اس کے تقاضے اور تھے اور اس کے تقاضے دوسری طرح کے ہیں۔ خطیبوں پر تنقید کرنا نہ آپ کا منصب ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ وہ کیا کر رہے ہیں اس پر دھیان دینے کے بجائے آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ فرائض منصبی پورے ہو رہے ہیں یا نہیں، اس کا احتساب کریں۔

دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اور علم وفن، فکروادراک، نیز مذہبی روایات میں، مدارس ومکاتب کا جو کردار وعمل رہا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں، علماء مشائخ، مفتیان کرام، ائمہ عظام اور مفکروں، دانشوروں کی جو جماعت ہندوستان میں نظر آرہی ہے یہ سب کرشمہ ہے مدرسوں اور مکتبوں کا، اگر مدارس نہ ہوتے تو علماء کی یہ مقدس جماعت نہ ہوتی اور نہ ہی علم وادراک کی یہ تابناکیاں نظر آتیں، جو آج دکھائی پڑ رہی ہیں۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ ہمارے جدید دانشوروں نے **تفقہ فی الدین** کی ایسی توضیح فرمائی کہ مدرسوں کا کردار منفی ہوگیا اور اس کی حیثیت واقعی بھی مجروح ہوگئی۔ مولانا ذیشان مصباحی کا کہنا ہے اس سے مراد دین کا تفقہ ہے، مسائل دین نہیں، یہاں بھی مصباحی موصوف سے تعبیر میں خطا واقع ہوگئی اور انھوں نے اس کی واقعی صورت حال پر غور کیے بغیر دین کا تفقہ مراد لے لیا۔ یہ ایسی فکری خطا ہے جو محدود سوچ کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ لفظ دین اگر چہ صرف تین حرفوں سے مرکب ہے، مگر اس کی معنوی حیثیت بہت زیادہ وسیع ہے۔ اس وسعتِ معنی کا کرشمہ ہے کہ لفظ دین زندگی کے تمام شعبوں پر محیط نظر آتا ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، مسائل خرید وفروخت وغیرہ سبھی دین ومذہب کے جلوے اور کرشمے ہیں، حیات وزیست کا کوئی معاملہ بھی دین سے الگ نہیں ہو تو بتائیے جب لفظ دین اتنے وسیع معنوں پر دلالت کرتا ہے تو پھر تفقہ کا تعلق دین کے وسیع معانی سے کیوں نہیں؟ **تفقہ فی الدین** میں فی ظرفیت کے لیے ہے اور ظرفیت میں جس قدر وسعت پائی جاتی ہے کسی اور میں اتنی وسعت نہیں۔ اس ظرفیت سے بھی تفقہ کا تعلق دین کے تمام مسائل وجزئیات سے متفاہم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ **تفقہ فی الدین** سے صرف دین کا تفقہ مراد لینا غیر شعوری فکر کا نتیجہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم مسائل دین کا تفقہ ہی ہے۔

دوسری بات یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ دین باعتبار منطق ایک کلی ہے جس طرح سے انسان کلی ہے اور خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں، بتائیے دین کا بھی خارج میں کون سا وجود ہے؟ ہاں خارج میں بھی دین کا وجود ہے مگر مسائل وجزئیات کے ضمن میں، ضمنی وجود کے سوا اس

کا کوئی مستقل وجود نہیں، عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ پر دین کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں تو دین ہی کے مسائل ہیں، اس لیے **تفقہ فی الدین** سے مسائل دین کا تفقہ ہی مراد ہے۔ اگر مصباحی صاحب کی بات تسلیم کرلی جائے تو دورِ حاضر کے علماء، مشائخ اور مفتیان عظام **تفقہ فی الدین** کے دائرہ سے خارج نظر آئیں گے حتی کہ حضرت سیدنا امام احمد رضا اور دوسرے فقیہان اسلام کی ذات شخصیت پر لفظ فقیہ کا اطلاق بھی درست نہیں ہوگا کیونکہ اس کے لیے صرف دین کا تفقہ ضروری ہوگا اور یہ عظیم افراد تو مسائل دین کا تفقہ رکھتے ہیں۔ خود فتاویٰ رضویہ اور فقہ کی دوسری کتابوں میں مسائل دین بیان کیے گئے ہیں۔ میں مصباحی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں، مسائل دین و مذہب سے الگ اور جدا ہو کر صرف دین کا تفقہ کس اسلوب بدیع اور منہج جدید سے ثابت ہوگا؟ اس کی توضیح کی جائے، جہاں تک مذہبی اور دینی شعور کی بات ہے وہ تو ہر انسان کو حاصل ہے اور ہر بندۂ مومن اس سے واقف ہے۔ تو کیا ہر ایک کو فقیہ کہا جائے گا؟ آپ نے تو **تفقہ فی الدین** کو اس قدر ارزاں کر دیا کہ اب اس باب میں کسی عالم نبیل، فاضل مثیل کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اور نہ ہی ان کی واقعی حیثیت برقرار رہی، یہ بھی امتیاز و تشخص کو ختم کرنے کی ایک سعی ناکام ہوئی۔ اگر آپ اسی طرح ارزاں صورت میں تعبیر وتشریح کرنے لگیں گے تو معاملہ بہت کچھ بگڑ جائے گا، اس لیے ضرورت ہے کہ کسی لفظ وترکیب کی تعبیر اس انداز میں کریں، اصول وضوابط جس کی اجازت دیتے ہوں، یہ باتیں ناگوار ضرور ہوں گی، مگر میں تو آپ کے روبرو ایک صاف شفاف آئینہ رکھ رہا ہوں تا کہ آپ اس میں اپنے فکر وخیال، شعور وفہم اور تدبر کے خدوخال دیکھ سکیں اور مستقبل میں اس کی حفاظت وصیانت کے تئیں بیدار ہو جائیں۔ اگر میری کوئی تحریر باعث آزار ہو تو معاف فرمایئے گا۔ اچھا خدا حافظ۔

☆☆☆

باب چہارم

زلزلوں کی آہٹ

بریلوی مسلک یا کلچر

ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے وہ مسلمان جو فقۂ حنفی اور اہل سنت و جماعت کے اصول و نظریہ پر کاربند ہیں اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تعلیمات ونظریات پر عمل کر رہے ہیں عرفِ عام میں انھیں بریلوی کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح کس نے ایجاد کی؟ بالفرض یہ مان لیا جائے کہ ان لوگوں کی طرف سے کہا گیا جو عظمتِ اولیاء کے منکر اور بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بے ادب و گستاخ ہیں اور جن کے نزدیک اولیاء و رسل کی عظمت و وقار کی نفی ہی خالص توحید ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے طنز و مزاح میں ہی لفظ بریلوی کا استعمال کیا ہوگا۔ مگر انھیں کیا معلوم؟ کہ جس لفظ کو وہ بطور استہزا و تمسخر استعمال کر رہے ہیں...... وہ ہم سنّیوں کے لیے ایمان وایقان، عرفان و محبت کی علامت اور ایک نشان بن گیا۔ ہمیں اس بات پر خوشی اور فخر و ناز ہے کہ وہ ہمیں بریلوی کہہ کر پکار رہے ہیں...... اور وہ اس کہنے میں مرکز کی طرف سنیوں کی نسبت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ بریلی اہل سنت و جماعت کا مرکز ہے اور جس کی نسبت مرکز کی طرف ہوگی وہ یقیناً نجات یافتہ اور کامیاب و کامراں ہوگا۔ ہمیں بریلوی کیوں کہا جا رہا ہے؟ اور اس کے پس

منظر کیا اسباب وعلل ہیں؟ یہ ایک غور طلب بات ہے۔ آیئے تاریخ کے آئینے میں اس پس منظر کی واضح تصویر دیکھنے کی کوشش کریں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی ایک ایسے دور میں تشریف لائے جب ہندوستان میں ''دیوبندیت، وہابیت اور الحاد و بے دینی کا بازار گرم تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کے تقدس پر انگشت نمائی کی جارہی تھی، کذبِ الٰہی کو ممکن کہا جارہا تھا۔ عظمت اولیاء کا انکار، اسلاف کے ایمان وکردار پر الزام تراشی کی جارہی تھی، جس سے مذہب اہل سنت کو نقصان ہو رہا تھا، اسلامی شیرازہ بکھر رہا تھا، ایمان وایقان کی دولت بے بہا پر ڈاکہ ڈالا جارہا تھا، گویا ایک عظیم طوفان برپا تھا، بلا خیز آندھی چل رہی تھی، ایسے پُر آشوب دَور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب آنکھ کھولی اور ماحول کا جائزہ لیا، تو آپ تڑپ اٹھے اور دل مسوس کر رہ گیا کہ ہائے افسوس! ایک وہ دور تھا جب کہ دین واسلام، ایمان وعرفان عشق ومحبت بچانے کی خاطر تلواریں لے کر صحابہ کرام جنگ میں اتر پڑے، نہ کثرت سے خوف نہ قلت کا احساس تھا بلکہ توحید ورسالت کا ایک نشہ تھا، ایک مستی تھی جن کے سہارے صحابہ اور راہِ وفا کے مسافر، آگ وخون سے کھیل رہے تھے۔ طوفانوں سے نبرد آزما تھے اور آج یہ دور ہے کہ اسلام کے ہی نام لینے والے اپنے مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں، پُر عزم حوصلے اور قومی درد کے ملے جلے جذبات لے کر اٹھے اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تجدید دین وملت آپ کا منصب تھا تہذیب سماج ونفس آپ کی ذمہ داری تھی جسے آپ پورا کرنا چاہتے تھے۔ امام احمد رضا نے سب سے پہلے قوم کو مشورہ دیا خواب غفلت سے انھیں بیدار کیا، پھر رہزنوں اور گندم نما جو فروش مولویوں کی شاطرانہ چال سے بچنے کی تدبیر بتائی۔ وہ کتنے شاطر ہیں کس قدر ہوشیار ہیں، اس کی طرف امام احمد رضا فاضل بریلوی اشارہ فرماتے ہیں......

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

ایک محاورہ اور اس کا پیکر محسوس - اُردو زبان وادب کا ایک محاورہ ہے ''آندھیوں کی زد پہ چراغ جلانا''۔ مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس محاورہ کو حقیقت کے روپ میں بدل دیا۔ اس طرح فاضل بریلوی اس محاورہ کے پیکر محسوس نظر آتے ہیں۔ آپ نے نہ تو طوفان، آندھیوں کا خوف کیا اور نہ ہی فرق باطلہ کی ایذاء رسانیوں کا احساس، بلاخوف وخطر میدان میں اتر آئے اور قلم کی تلوار لے کر تنہا کھڑے ہو گئے۔ دشمنان اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فرق باطلہ کے لیے اگر آپ اشداء علی الکفار تھے تو اپنوں اور جانثاران مصطفیٰ کے لیے ریشم و پرنیاں سے زیادہ نرم ونازک، امام احمد رضا نے عرب سے لے کر عجم تک مومنین کے دلوں میں سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر سلف صالحین کی عقیدت و محبت اور شریعتِ اسلامیہ کے احترام کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ ایمان وایقان کی زندگی کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کی مذہب وتعلیم، سماج و معاشرہ، سیاست وتمدن اور معیشت واقتصادیات غرض کہ سب کی جھلک نظر آتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہابیوں، دیوبندیوں، چکڑالویوں اور نیچریوں کے مزعومات کی آپ نے سخت مخالفت کی۔ کذب الٰہی کا مسئلہ ہو یا خاتمیت محمدی کا، میلاد کو کنہیا کی طرح بتانے کی گفتگو کی ہو یا علم شریف کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دینے کا، اولیا اور بزرگوں کے خلاف منصوبہ بند سازش ہو یا مسلمانوں کے اتحاد میں تفرقہ ڈالنے کی اسکیم ہو، ہر ایک موضوع پر آپ کا قلم اٹھا ہے اور آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر ایک موقف کی وضاحت کی ہے، آپ کی ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ گھر گھر آپ کا چرچا ہونے لگا، بچے جوان بوڑھے مرد وعورت سب آپ کی ان تعلیمات کے شیدائی ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، آپ کا تذکرہ عام کیوں نہ ہو کہ......

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

چونکہ آپ کی تعلیمات میں ایسا خلوص اور ایسی جذب وکشش تھی کہ لوگ کشاں کشاں آتے گئے اور کارواں بنتا گیا کہ......

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ان تعلیمات کے عام ہونے کی اور ملک کے کونے کونے میں اسے ہاتھوں ہاتھ لینے کی وجہ سے دیوبندیوں اور وہابیوں کے درمیان صفِ ماتم بچھ گئی۔ ان کے پاؤں تلے کی زمین کھسکتی نظر آئی اور ان کا چراغ بجھتا ہوا نظر آنے لگا، ان کا مشن اور تحریک دن بدن کم ہوتی نظر آئی جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں حسد اور امام سے دشمنی پیدا ہوگئی، اسی دشمنی کے نتیجہ میں فرق باطلہ نے امام احمد رضا کو ایذا پہنچانے کی پوری پوری کوشش کی، کبھی نوک زبان استعمال کی گئی اور کبھی قلم کا خنجر کام میں لایا گیا۔ میرے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی ہر میدان میں نہایت ہی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے مخالفین، عظمت اولیاء و رسل کے منکرین کو للکارتے ہوئے فرمایا......

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

تعلیمات اعلیٰ حضرت اور اس کے اثرات- امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے مشن کے تحت جن تعلیمات کو قوم وملت اور افراد سماج تک پہنچائی، ان کے زبردست اثرات قوم وسماج، تہذیب وتمدن پر پڑے، ہر طرف عشق ومحبت کے ترانے اور نغمے گونجنے لگے۔ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کی صدائے دلنواز بلند ہونے لگی۔ مزارات اولیاء پر اژدہام کثیر دکھائی پڑنے لگا۔ روح میں بالیدگی، ایمان میں پاکیزگی اور دلوں میں تازگی کی لہریں دوڑنے لگی، محفل میلاد سنورنے لگی، ذکر خیر الانام ہونے لگا، درود وسلام کے نذرانے پیش ہونے لگے، مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کی شیریں آواز کانوں میں رس گھولنے لگی، جان رحمت، سراپا رحمت، پیکر نور جیسے پیارے پیارے الفاظ سے منھ میں شہد گھلنے لگا، بھلا ایمان کے لٹیروں، دولتِ عشق کے رہزنوں کو یہ کب گوارا ہوتا، وہ اٹھے اول فول بکنے لگے، دل کی سیاہی الفاظ کے روپ میں ظاہر ہونے لگی، کبھی ادھر سے قبر پجوا کا خطاب دیا جانے لگا تو کسی غیر مہذب انداز میں

توہین آمیز کلمات، یہ کتنے احسان فراموش ہیں وہ نبی جنھوں نے قوم مسلم کے لیے سب کچھ کیا، راتوں کو گریہ وزاری کی، آبادی سے باہر ایک سنسان مقام پر خدا سے اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کی اس کا یہ بدلہ کہ آپ کو ان کا امتی کہلانے والا ان کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف اور ان کے عاشق امام احمد رضا کے ساتھ آمادۂ جنگ و پیکار، افسوس ہائے افسوس۔

اور بھی تم پہ میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

یہی وہ اسباب وعلل ہیں جن کی وجہ سے مخالفین نے ہمیں "بریلوی" کہا۔ ان کے یہ کہنے کا مقصد صرف اور صرف تمسخر اور مذاق اڑانا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم ان کے احسان مند ہیں اور شکرگزار ہیں کہ انھوں نے یہ لفظ کہہ کر ہمارے لیے دبی زبان میں اور غیر شعوری طور پہ بہت کچھ اعتراف کرلیا جو مندرجہ ذیل تحریرات سے ظاہر ہے۔

بریلوی اور اس کا معنی و مصداق - اہل علم وفن سے پوشیدہ نہیں کہ لفظ بریلوی ایک ایسا اسم ہے جس میں یائے نسبتی لائی گئی ہے اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ شخص بریلوی ہے جس کا وطن بریلی ہو اور وہیں اقامت پذیر ہو، مگر مخالفین جس معنی کو لے کر "بریلوی" کہہ رہے ہیں وہ اور معنی ہے جس کا اول معنی سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ دوسرا معنی ہے جو بہت زیادہ وسیع ہے اور اس میں بے انتہا گنجائش ہے، اس دوسرے معنی کی بھی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس سے تعلیمات اعلیٰ حضرت مراد ہے، دوم یہ کہ اس سے قوم وملت کے وہ اعمال و کردار مراد ہیں جن میں تعلیمات کی اثر پذیری ہو، اگر اول مراد ہے تو ظاہر ہے کہ "بریلویت" کا اطلاق تعلیمات پر بلا واسطہ ہوا اور اگر ثانی مراد ہے تو بھی بریلوی کا اطلاق تعلیمات پر ہوگا مگر اعمال و کردار کے توسط سے، لیکن واضح یہ ہے کہ اس سے تعلیمات ہی مراد ہے نہ کہ اعمال و کردار، یہ تو صرف ایک واسطہ ہے، ایک رابطہ ہے بریلویت کو تعلیمات پر محمول کرنے کا۔ لہٰذا اب بریلوی ہر وہ شخص ہوگا جو ان تعلیمات پر عمل کرے، میلاد و فاتحہ اور عرس پاک میں شریک ہو، درود و سلام کا نذرانہ پیش کرے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب اور اُن کی خاتمیت کا اقرار دل و جان سے

کرے، بریلی شہر میں اقامت اختیار کرنا اس کے لیے ضروری نہیں وہ بریلی کا ہو یا کہیں اور کا ہندوستان کا باشندہ ہو یا پاکستان یا اور کسی ملک کا رہنے والا ہو اگر وہ پورے طور پر اعلیٰ حضرت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے تو وہ بریلوی ہے اور بریلوی رہے گا۔

تعلیمات اعلیٰ حضرت اور اس کا جائزہ - یہ تو بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ بریلویت سے تعلیمات اعلیٰ حضرت مراد ہے۔ جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی پوری زندگی اور اپنی حیات کا لمحہ لمحہ قوم کی اصلاح، علوم وفنون کی اشاعت اور فقہ حنفی کی توضیح وتشریح میں گذاری ہے اور فرق باطلہ کے بکواس وہفوات کی تردید اور انھیں ان کا منھ توڑ جواب دینا، آپ کی بھی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ جب ہم تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک طرف عقائد وایمان کی باتیں ہیں تو دوسری طرف مسائل کی توضیح وتشریح ہے ایک طرف اگر عظمت رسول اور ان کی خاتمیت پر زور دیا گیا ہے تو دوسری طرف اللہ والوں کے کرامات وقومی خدمات کا تذکرہ ہے۔ ان کے فتاویٰ کیا ہیں؟ مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل کا حل ہے، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور قومی اصلاحات کو چار شعبوں میں تقسیم کر کے اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ......

(۱) سنی حنفی مسلمانوں کے عقائد وروایات جنھیں دیوبندی حضرات شرک اور حرام سمجھتے تھے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی واسلاف کی کتابوں سے روشن بیانات اور روا ضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ وہ امور شرک اور حرام نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کا عین مقتضا اور ائمہ کرام، سلف صالحین کے نزدیک مستحسن وپسندیدہ ہیں۔

(۲) دیوبندی فرقے کے وہ مخصوص عقائد جنھیں وہ تقریر وتحریر کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں پھیلا رہے تھے اور آج بھی ان کی تبلیغ واشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور از راہ فریب سادہ لوح عوام سے کہتے تھے یہی وہ اسلامی عقائد ہیں جو قرآن وحدیث سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کو انھیں عقائد پر چلنا چاہیے، اعلیٰ حضرت نے امت مسلمہ کو عقیدے کے فساد سے بچانے

کے لیے جواں مردی اور ثابت قدمی سے اپنی مہم کا آغاز کیا وہ ایک مجدد کی ہی شان ہو سکتی ہے۔

(۳) اکابر دیوبند کی بعض وہ عبارتیں جن میں انھوں نے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخیاں کی تھیں اور ضروریات دین کا انکار کر کے دین سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان توہین آمیز عبارتوں پر ان کا مواخذہ فرمایا اور ان سے رجوع و توبہ کا مطالبہ کیا۔ آگے چل کر اس مطالبات میں سادات حرمین شریفین اور بلاد عرب کے مشاہیر علماء مشائخ بھی شریک ہو گئے اور اس طرح یہ کل عالم اسلام کا مطالبہ بن گیا۔

(۴) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی علمی خدمات کا چوتھا شعبہ وہ مذہبی اور اخلاقی اصلاحات ہیں جو مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی غلط رسموں اور برائیوں کے خلاف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انجام دیے، ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر نئے مسائل ہیں جن پر فاضلِ موصوف نے بلند پایہ تحقیقات اور فکری نوادرات چھوڑے ہیں جنھیں دیکھ کر علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی بصیرت اور علمی عظمت کا لوہا مان لیا ہے، انھوں نے جن اغلاط و مفاسد کی اصلاح کی ہے وہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اور جمہور علمائے اہل سنت – امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تعلیمات کا اجمالی خاکہ پیش کر دیا گیا۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام موصوف نے جو بھی تعلیمات ارشاد کیے یا جس مسئلہ یا فن کی تحقیق کی ہے، اس میں جمہور علمائے اہل سنت کی تائید و حمایت ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنے ہر علمی کارنامہ اور ہر مسئلہ کی تحقیق میں اولاً قرآن کی آیات اور ثانیاً احادیث طیبہ، ثالثاً اسلاف کرام کے اقوال زریں اور رابعاً وہ تحقیقات و تدقیقات پیش کیں جو آپ کے قلب پر من جانب اللہ القا ہوئے۔ فتاویٰ رضویہ ہو یا کوئی اور تصنیف ہر جگہ یہی جلوہ نظر آتا ہے۔ یہی طریقہ اہل سنت و جماعت کے جمہور علماء کا ہے، آپ کی تعلیمات نے فقہ حنفی کی انجمن آرائی کی ہے، جمہور علماء کے مسلک اور سوادِ اعظم کے نظریہ کی یاد تازہ کی ہے۔ کذب الٰہی کے امتناع کا مسئلہ ہو یا علم غیب رسول، عقائد و افکار کی وضاحت ہو یا معمولاتِ زندگی، جلوس محمدی کا نظریہ ہو، یا مزارات اولیا پر حاضری مسند تدریس ہو

یا کرسی خطابت مجلسی زندگی ہو یا گھریلو ہر میدان میں آپ علمائے اسلام کے نقوش قدم کو چومتے نظر آئے ہیں۔

اس طرح یہ کہنا سو فیصد درست ہے کہ امام احمد رضا نے کچھ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ آپ نے اس سماج کو زندہ اور پائندہ رکھا جو سواد اعظم کا سماج تھا یا علمائے اہل سنت کا معاشرہ تھا، بریلویت کے اطلاق کرنے والے اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ اس سے مراد صرف امام احمد رضا کی تعلیمات ہی نہیں بلکہ اس کے توسط سے وہ مسائل مراد لیے جائیں گے جو علمائے اہل سنت کے ہیں کیونکہ امام احمد رضا بیچ کی کڑی ہیں اور صرف ایک واسطہ ہیں اس لیے بریلوی اب وہ کہلائیں گے جو سنی حنفی ہوں گے۔

بریلوی ایک علامتی نشان ہے - بریلوی ایک علامت ہے، ایک نشان ہے اور ایک بین دلیل ہے مگر کس مذہب کی، مذہب اہل سنت کی، حق و صداقت کا ایک نشان ہے، سواد اعظم کی ایک علامت ہے جو شخص حقیقی طور پر بریلوی ہوگا یقینی طور پر اس کے دل و دماغ میں عشق و محبت کی تپش ہوگی وہ حق و صداقت کا علم بردار یا ترجمان ہوگا، ان کی زبان یاد محبوب میں شاد کام ہوگی، ان کی تحریر و تقریر میں بوئے عنبریں...... محسوس ہوگی اور جلوۂ محبوب اور اس کے حسن کے جادو سے وہ نہال ہوگا، کیونکہ اس شخص کی نگاہ میں مدینہ کے خار کے علاوہ کسی کی عظمت نہیں ہوگی، وہ مدینہ کے ذروں پر جنت کی بہاروں کو بھی ترجیح نہ دیگا، سچ ہے کہ......

سیر گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

بریلوی ہونا گویا مذہب اہل سنت کی علامت ہے یہ صرف میرا خیال نہیں ہے، تمام اکابر علماء کا یہی نظریہ اور موقف ہے، آیئے حوالات کی روشنی میں اور ملاحظہ فرمائیں، سب سے پہلے ۱۹۲۷ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس موقف کی وضاحت اس انداز سے کی ہے وہ اپنی کتاب شمع توحید میں لکھتے ہیں کہ...... ''امرتسر میں مسلم آبادی، ہندو سکھ وغیرہ کے مساوی ہے، اسی سال قبل کا مطلب ہے کہ ۱۸۴۷ء میں یعنی اس وقت جب کہ اعلیٰ حضرت پیدا بھی نہیں

ہوئے تھے کیونکہ آپ کی پیدائش ۱۸۵۶ء ہے، اس مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں یہ کہا جا رہا ہے یہ وہی خیالات ہیں جو ۱۸۴۷ء میں مسلمانوں کے درمیان پائے جاتے تھے۔

حضرت مولانا مدنی میاں جو ہماری جماعت کے ایک عالم دین اور باصلاحیت مقرر ہیں وہ بھی اس نظریہ کی حمایت کرتے ہیں کہ بریلوی ایک علامت ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں...... "ان کی ذات گرامی تو بڑی چیز، ان کے شہر کی طرف اپنی ذات کا منسوب کرنا اہل ایمان اور اس کے عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی، اب میں الحمد للہ مسلکاً حنفی، نسبتاً جیلانی، مشرباً اشرفی، وطناً کچھوچھوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بریلوی کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں"۔

اب تک جن علماء کی عبارت نقل کی گئی ہے وہ ہندوستان کے ہی علماء تھے، اب ذرا چلئے مکہ معظمہ کی طرف اور دیکھتے ہیں کہ وہاں کے علماء اس بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں، سب سے پہلے آیئے مسجد حرام کی طرف ہم ایک ایسے عالم سے ملاقات کراتے ہیں جو نہایت ہی باصلاحیت اور ذی شعور عالم دین ہیں، باب السلام کے آس پاس بیٹھ کر درس حدیث دیا کرتے ہیں، وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات کو ہی معیار سنیت اور حق وصداقت کی کسوٹی قرار دیتے ہیں۔

اذا جاء رجل من الهند نسئله عن الشيخ احمد رضا خان فان مدحه علمنا انه من اهل السنة وان ذمه علمنا انه من اهل البدع هذا لمعيار عندنا۔

ترجمہ: جب کوئی شخص ہندستان سے آتا ہے تو ہم ان سے شیخ احمد رضا خاں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اگر وہ ان کی تعریف کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اہل سنت سے ہے اور اگر ان کی برائی کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے ہے یہ ہی میرے نزدیک معیار ہے۔

ان الفاظ کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے کہ حضرت مولانا سید محمد مغربی رحمۃ اللہ علیہ کتنے واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات ہی میرے نزدیک معیار حق وصداقت ہے اور اہل سنت وجماعت میں سے ہونے کی علامت ہے، ان کی تعلیمات ونظریات پر جو عمل پیرا ہوگا وہی ان کی تعریف کرے گا اور جو نہیں ہے، ظاہر ہے وہ ان کی

تعریف کسی بھی صورت میں نہیں کرے گا، اس سے واضح ہوا کہ جو ان کی تعلیمات پر عمل کرے گا اور بریلوی مسلک کا ماننے والا ہے وہ حق وصواب پر ہے، ورنہ نہیں۔

بریلوی مسلک ہے یا کلچر - اب تک کی تحقیق وتنقید یا اس کے تجزیہ سے واضح ہوگیا کہ (بریلوی) سے وہ تعلیمات مراد ہیں جنھیں امام احمد رضا نے اپنی قوم کے افراد تک ارسال فرمایا اور جن پر چل کر قوم (بریلوی) کے نام سے موسوم ہوئی اس طرح امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی قوم اور اس کے افراد کے ذہن ودماغ کی نشو ونما میں حصہ لیا اور ان کی زندگی میں چار چاند لگا دیے، یہی وہ تعلیمات ہیں جنھیں آج کل ہم مسلک اعلیٰ حضرت یا بریلوی مسلک سے موسوم کرتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی نافہمی اور کوتاہ عقلی کی وجہ سے بریلوی مسلک کا انکار کرتے ہیں گویا ان کی نگاہ میں بریلوی مسلک نہیں ہے، بلکہ بریلوی کلچر ہے اور حقیقت یہ ہے بریلوی کلچر کہنے کی صورت میں بہت سے اعتراضات اور الزامات اس پر عائد ہوں گے کہ اس کی دفاع مشکل ہوگی، اس بات پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے، کہ اس وقت میری توجہ اس بات پر مرکوز ہے کہ بریلوی مسلک ہے اور مسلک ہی رہے گا، مسلک کیا ہے؟ اس کی توضیح کیا ہوسکتی ہے؟ اس پر گفتگو کرنے سے قبل اس بات کو دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ مسلک اور اسکول دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہے کیونکہ اسکول حقیقت میں ان نظریات وتعلیمات کو کہتے ہیں جن سے اقدار کا تعین ہو سکے، سماج اور معاشرے میں بہتری آئے، بچوں کے ذہن ودماغ کی نشو ونما ہو، چند کمروں والی عمارت کا نام اسکول رکھ دینا یہ مجاز اور عرف ہے، کسی سماج میں اسکول کیوں قائم کیا جاتا ہے اور کن نظریات کے تحت لوگ اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں، عام طور پر تین قسم کے نظریات اسکول کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں......

اوّل - اسکول کا کام یہ ہے کہ سماج کے اقدار اور طرز عمل کے نمونوں کو سماج میں آئندہ آنے والے اراکین تک پہنچائے اس طرح اسکول کی ذمہ داری یہ ہے کہ سماج کے اقدار علوم وفنون، تہذیب وتمدن اور طرز عمل کو زندہ رکھے اور سماج کی حفاظت میں ایک اہم رول ادا کرے۔

دوم نظریہ یہ ہے کہ سماج میں تبدیلی لانے کے کام میں براہ راست حصہ لے اور ایک نیا سماجی نظام قائم کرے، اس کے لیے ضروری ہے کہ افراد کے خیال میں آزادی لائی جائے اور ان کی فکر کو آزادی دی جائے، نیز ان کے اندر تنقیدی نقطہ نظر پیدا کی جائے۔

سوم نظریہ یہ ہے کہ اسکول کو چاہیے کہ سماجی ثقافت میں سے خاص خاص چیزیں منتخب کرے اور انھیں افراد تک پہنچائے، اس میں جو چیزیں اچھی ہیں اس کا انتخاب کر کے لوگوں تک پہنچائے اور جو چیزیں بری ہیں اس کو نظر انداز کر دے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مسلک اور ان کی تعلیمات نے ان تینوں نظریات کو حتی المقدور پورا کیا اور سماج میں اپنا ایک الگ مقام پیدا کیا، امام احمد رضا نے اپنی تحریک کے ذریعہ کئی طرح سے سماجی زندگی اور معاشرتی و عمرانی حیات کی تعمیر میں حصہ لیا، اس پر گہری نظر سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، آیئے مسلک اعلیٰ حضرت میں ان تینوں نظریات کو تلاش کریں، جن کے تحت اسکول کا قیام کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام احمد رضا کی ولادت سے قبل ۱۸۵۶ء میں مسلمانوں کے درمیان جو معمولات اور خیالات و نظریات پائے جاتے تھے جیسے ولیوں کے مزارات پر حاضری، میلاد و فاتحہ، جلسہ و جلوس عرس وغیرہ کی تقریبات، کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ اور عقائد و افکار جو سنی مسلمانوں کے درمیان موجود تھے امام احمد رضا نے اپنے مسلک اور اپنی تعلیمات میں اسے برقرار رکھا اور سماج کے اس طبقہ کی حفاظت فرما کر آپ نے قیام اسکول کے اول نظریہ کو پورا کر دیا، سماج کے اندر جو خرابیاں، جو عیوب اور نقائص پائے جاتے تھے جیسے کہ جاہل پیر اور سجادہ نشیں نے قوالی مع مزامیر کو جائز قرار دے دیا ہے اور عوام کا ایک طبقہ اپنے پیر یا مرشد کے قدموں پر سجدہ ریز ہونے لگا خرید و فروخت، لین دین اور شادی بیاہ اور نکاح کی مجلس میں جو غلط طریقے رائج تھے کہ جن کی وجہ سے نکاح نکاح فضولی ہو جاتا تھا، امام احمد رضا نے ان سب کی اصلاح فرمائی ہے، ہر ایک پر آپ نے مستقل کتابیں لکھیں اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے اپنے شاگردوں کے ذریعہ ایک ایسا ماحول بنا دیا کہ اس ماحول کے تربیت یافتہ افراد کی نظر اتنی

گہری ہوگئی تھی اوران کا ذہن اس قدر دوررسا اورنکتہ سنج ہوگیا تھا کہ وہ کسی کے عمل یا کسی کے قول کو بے چوں چرا تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے بلکہ سب سے قبل اسے شریعت کے روبرو پیش کرتے تھے اگراس کی طرف سے اجازت ہوتی تو تسلیم کرتے ورنہ رد کردیتے تھے، اس طرح امام احمد فاضل بریلوی نے سماج سے عیوب ونقائص دور فرماکرایک نیا سماج قائم کیا اورنئی تہذیب تمدن کی داغ بیل ڈالی، جوایک مجدد ہی کی شان ہوسکتی ہے۔ یہ قیام اسکول کے نظریۂ ثانی کی جھلک ہے جوآپ کی تعلیمات میں پائی جاتی ہے۔

تعلیمات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا چوتھا طبقہ جواوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قیام اسکول کے تیسرے نظریہ کو پورا کررہا ہے، اس تحقیق وتجربہ سے واضح ہوگیا کہ امام احمد رضا نے جوتحریک چلائی، جومشن جاری کیا وہ ایک اسکول ہے اوراس کی ذمہ داری کو پورا کررہا ہے اس طرح یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ بریلوی ایک مسلک کا نام ہے، ایک مکتبۂ فکر ہے جیسا کہ حضرت علامہ ارشد القادری اپنی تحریر میں لکھتے ہیں...... ’’یہ بات اب محتاج بحث نہیں ہے کہ ہندوپاک میں اپنے آپ کو حنفی کہنے والے دو بڑے مکاتیب میں منقسم ہوگئے، بریلوی مکتبۂ فکر اور دیوبندی مکتبۂ فکر‘‘۔ شوکت صدیقی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ’’بریلوی مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ ایک مکتبۂ فکر ہے جس کی بنیاد عشقِ رسول ہے ان کا سلسلہ حضرت اویس قرنی سے ملتا ہے، جنھوں نے یہ سن کر کہ جنگِ احد میں رسول اللہ کا دندان مبارک شہید ہوگیا، اپنے تمام دانت بے قرار ہوکر توڑ دیئے تھے، برصغیر کے وہ تمام مسلمان جواہل سنت کہلاتے ہیں شاہ احمد رضا خاں کے مسلک سے براہِ راست تعلق نہ رکھنے کے باوجود اپنے رہن سہن، طور طریق اور مذہبی عقائد کے اظہار میں شاہ احمد رضا خاں کی تعلیمات کی تقلید یا اتباع کرتے نظر آتے ہیں۔

اب تک کی تحقیق وتنقید اور تجزیاتی مطالعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جولوگ اہل سنت و جماعت کو بریلوی کہتے ہیں، کہنے دیجیے، کیونکہ بریلوی سنت کا ہم معنی ہے اور وہ ایک مسلک کا نام ہے ایک مکتبۂ فکر ہے، مذہب اہل سنت کی علامت ہے، وہ ہمیں بریلوی نہیں بلکہ سنی مسلمان

کہتے ہیں ہمیں اس پر فخر کرنا چاہیے کیونکہ سنی مسلمان ہی وہ فرقہ ہے جو جنتی اور نجات یافتہ ہے، مگر مجھے افسوس ایسے لوگوں پر ہے جو اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہ عقلی اور نافہمی کی بنیاد پر بریلوی مسلک یا مکتبہ فکر کا انکار کرتے ہیں اور اس کی جگہ ایک نئے لفظ کا اضافہ کر کے بریلوی کلچر، کہنا اور لکھنا شروع کرتے ہیں، میرے دوست بریلوی کلچر کہیے اور خوب کہیے، مگر کہنے سے قبل پس منظر و پیش منظر نشیب و فراز کے حالات کا جائزہ لے لیجیے، کہ کہیں اس لفظ کے کہنے سے ہمارا ہی دامن تو تار تار نہیں ہو رہا ہے، آیئے اور اس بات کا مطالعہ کریں کہ کلچر کیا ہے اور اس کا کیا معنی و مفہوم ہے۔

کلچر کا معنی و مفہوم - کلچر کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں سماج یا معاشرہ کی ہر چیز داخل ہے جو ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی ہے جیسے علم و ادب، فنون لطیفہ، آرٹ، صنعت و حرفت، مذہبی رسومات، قومی رسم و رواج، نئی نئی مشینوں اور برقی آلات و رہن سہن، بول چال، زبان و ادب، رقص و سرور، طب و حکمت اور موسیقی وغیرہ خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی، جب یہی کلچر ارتقائی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اسی کو تمدن کے نام سے موسوم کرتے ہیں، کلچر اپنے ابتدائی دور میں نہایت ہی سادہ تھا، جیسے بیل کے ذریعہ کاشتکاری، کپڑے کی بنائی کرگھوں پر ہونا، مگر دھیرے دھیرے جوں جوں افراد قوم سائنسی تجربات و ایجادات سے آشنا ہوئے تو کلچر پیچیدہ در پیچیدہ اور متنوع ہونے لگا اور اب سائنس کے طفیل اتنی مشینیں وجود پذیر ہو گئیں کہ وہ سماج کا ایک اہم اور لائق توجہ جز بن گیا، یہ کلچر اپنی ایک متعین ہیئت پر قائم نہیں رہتا ہے، بلکہ تغیر پذیر اور مختلف انقلابات سے بدلتا رہتا ہے اور یہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب تکنیک اور اقدار و مقاصد کے درمیان عمل ردّ عمل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہ روز مرّہ کا مشاہدہ ہے، کہ ہر آن تکنیک بدلتی رہتی ہے اور نئے نئے اقدار آتے رہتے ہیں اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، کہ بریلوی تحریک یا امام احمد رضا خاں کا مشن یا ان کے تجدیدی کارنامے کی حقیقت صرف اور صرف مذہبی ہے، مذہب یا اس کے قائد کلچر کے جز ہیں نہ کہ کل کلچر، جو لوگ اس کو بریلوی کلچر کا نام دیتے ہیں، گویا وہ دبی زبان میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مذہب جز نہیں بلکہ کسی شہر کا وہ کلچر ہے اس طرح جو

خرابیاں اور نقائص ابھر کر سامنے آئیں گے، کہ اس کی دفاع قریب قریب ناممکن ہے۔

بریلوی کلچر ار اس کے مضر اثرات – بریلوی تحریک، بریلوی کلچر نہیں ہوسکتی ہے اس لیے کہ اس سے وہ انفرادیت اور امتیازی خصوصیت جو امام احمد رضا کی ہے وہ بالکل معدوم سی ہوکر رہ جائے گی، وہ کس طرح، یہ ایک واضح سی بات ہے کہ امام احمد رضا اپنے علم وفن اور طریقۂ استدلال، نیز اپنے نادر تحقیقات وتدقیقات میں اپنے ہم عصر علماء کے درمیان ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور بریلوی کلچر کہنے میں یہ خصوصیت دب کر رہ جائے گی، کیونکہ بریلوی کلچر سے مراد وہ کلچر مراد لیا جائے گا جس میں فلسفہ وسائنس کے رہنما مذہبی قائد اور صنعت و حرفت میں مہارت رکھنے والی شخصیات، سائنسی ایجادات و تجربات کے حاصل سبھی برابر کے شریک ہوں تو بتایا جائے کہ اس میں مذہبی تحریک، یا بریلوی تحریک کی کیا خصوصیت رہے گی، ظاہر ہے کچھ بھی نہیں، یا اسی طرح جب بریلوی کلچر کہا جائے گا تو اس سے مراد وہی معنی لیا جائے گا جو معنی کہ لکھنوی کلچر یا دہلوی کلچر نیز حیدرآبادی کلچر میں لیا گیا ہے اور اس معنی میں رقص وسرور، موسیقی اور آداب موسیقی داخل ہیں تو بریلوی کلچر سے وہ تہذیب وتمدن مراد لیا جائے گا جس میں شعروسخن، رقص وسرور اور طربیہ مضامین داخل ہوں اس اعتبار سے فوراً ذہن کا تبادر اس طرف ہوگا کہ جو کلچر امام احمد رضا کی شخصیت کی طرف منسوب ہے اس میں ناچ گانا، رقص وسرور، مزامیر داخل ہیں اور کلچر کی نسبت ان کی ذات کی طرف کرنے پہ ان چیزوں کی بھی نسبت ان کی ذات کی طرف ہوگی اور بالضرور ہوگی، اگر اس معنی کے اعتبار سے کوئی یہ کہے کہ امام احمد رضا بھی ان چیزوں کو بڑھاوا دے رہے ہیں تو بتایا جائے کہ اس کا جواب کیا ہوگا؟ باشندگانِ بریلی سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ بریلی میں ایک خوبصورت اسٹیڈیم ہے جو سنجے اسٹیڈیم کے نام سے مشہور ومعروف ہے، جہاں آئے دن پروگرام ہوتے رہتے ہیں، کبھی شعروسخن کی مجلس ہوتی ہے تو کبھی طربیہ محفل سجائی جاتی ہے، کبھی رقص وسرور کے لیے اسٹیج بنایا جاتا ہے تو کبھی ادبی، سائنسی اور علمی سیمینار منعقد ہوتا ہے اور ان تمام پروگرام کو، کلچرل پروگرام کا نام دیا جاتا ہے اگر اس کا اناؤنسمنٹ اس طرح کرا دیا جائے، بریلی میں کلچرل پروگرام ہونے جا رہا ہے، اب بتایا جائے کہ اس سے

مراد بریلوی کلچر لیا جائے گا یا کہ نہیں، بالکل بریلوی کلچر مراد لیا جائے گا، تو پھر اس معنی مراد کے اعتبار سے بریلوی تحریک کی تقدیس و پاکیزگی برقرار رہے گی؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں ہے تو یہ امام احمد رضا کی تعلیمات و نظریات، عقائد و افکار اور ان کی علمی و اصلاحی خدمات کو بریلوی کلچر کہنے سے احتراز کیا جائے، اسی میں عزت ہے اور فلاح و بہبودی ہے، اس قسم کے الفاظ کو استعمال کرنا اعلیٰ حضرت اور ان کے مسلک کو نقصان پہنچانا، نیز ان کے نام و شان کو داؤں پر لگانا کسی بھی انصاف پسند کے نزدیک قابلِ اعتنا نہیں ہے۔

مگر مجھے افسوس ہے جناب احمد حسین صاحب قادری پر کہ انھوں نے امام احمد رضا کی تحریک و مشن اور ان کی تعلیمات نیز قومی اصلاحات کو (بریلوی کلچر) کا نام دے کر مجھے لکھنے پر مجبور کر دیا، آج تک کسی بھی عالم، مفکر، مدرس، خطیب یا شاعر و ادیب نے اس رضوی تحریک کو بریلوی کلچر نہیں کہا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو بریلوی کلچر کہہ کر ایک قسم کی جدت پیدا کی جائے، یہ جدت اہلِ سنت و جماعت کے لیے آبِ حیات کے روپ میں زہر ہلاہل کا پیالا ہے، انھوں نے ایک مضمون بنام (بریلوی کلچر) تحریر کیا ہے جو ماہنامہ سنی دنیا بابت جنوری ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ہے، آیئے چند لمحوں کے لیے اس کا ایک جائزہ لیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ...... "یہاں پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے سنی مسلمانوں کو عرف عام میں (بریلوی) کہا جاتا ہے بریلوی نہ کسی مسلک کا نام ہے اور نہ ہی کسی مذہب کا علامتی نشان ہے۔

قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ بریلوی مسلک نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر میں یہاں یہ یاد دلاتا چلوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے وصایا شریف میں لکھا ہے، میرا دین میرا مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اور اسی پر مخالفین کو زبردست اعتراض ہے خیر یہ ان کی غلط فہمی اور کوتاہ نظر کا نتیجہ ہے یہاں اس پر کلام کرنے کا موقع نہیں ہے، مجھے صرف اور صرف یہ کہنا ہے کہ امام احمد رضا کی تصنیفات و تالیفات سے کیا ظاہر ہے؟ تعلیمات و نظریات ہی نا، افکار و عقائد، معمولات اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت ہی تو ہے، اسی کو ہم بریلوی مسلک کہتے ہیں اور امام احمد رضا نے اسی کو مذہب قرار دیا ہے، یہ الگ بات ہے

کہ مذہب، مذہب اہل سنت ہے مگر اس سے واضح ہوگیا کہ اعلیٰ حضرت کی تعلیمات ونظریات کو مسلک یا مذہب، نیز اس بریلوی مسلک کو مذہب اہل سنت کی علامت قرار دینے میں کسی قسم کی شرعی یا ادبی قباحت نہیں ہے، ایک اور مقام پر جناب احمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ...... ''جسے ہم بریلوی کلچر یا سنیوں کا علامتی نشان کہتے ہوئے سنتے ہیں وہ کچھ نہیں، بلکہ تحریک تقدس رسالت عظمتِ اولیاء کے مشن کو برپا کرنے والے کلچر کو بریلوی کلچر کہا جانے لگا ہے''۔

اس تحریک کو بریلوی کلچر کہنا کہاں تک درست ہے یہ اہل انصاف اور ذی ہوش، دانشوروں سے مخفی نہیں، قارئین خود ہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ مزید اس پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔

اهل علم و ادب سے گذارش – تمام ارباب علم ودانش سے گذارش ہے کہ ان مندرجہ بالا تحریرات کو نہایت ہی متانت وسنجیدگی کی خوشگوار فضا میں مطالعہ کریں، میری ان تحریرات کو کسی اور مقصد پر محمول نہ کریں، بلکہ نیک نیتی، خلوص ووفا اور جذبۂ بے لوث پر محمول کریں خاص کر بریلوی کلچر کے مضمون نگار سے گذارش ہے کہ اگر اس میں کوئی لفظ نا گوار خاطر ہو تو ہمیں معاف فرمائیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت پر ایک فکری تحریر : مسلک اعلیٰ حضرت پر جرح وتنقید کا سلسلہ شروع ہے، قلمکار اپنے انداز میں اس پر انگشت نمائی کر رہے ہیں، کوئی اس پاکیزہ اصطلاح کو جدید فرقہ کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے، کسی نے اسے جماعت کے لیے سم قاتل قرار دیا اور کوئی اسے حق کی شناخت رجال کے ذریعہ کہہ کر نظر انداز کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔ بہر حال جتنے منھ اتنی باتیں۔ انھیں تنقیدی نظریات سے متاثر ہو کر یہ مضمون قلم بند کیا جا رہا ہے، محض اس مقصد سے کوئی سنجیدگی سے اس پر غور کرے اور دیانت دار اور غیر جانب دار ہو کر اس پر کوئی اپنی رائے قائم کرے۔

مسلک اعلیٰ حضرت اب محتاج تعارف نہیں، ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں میں اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ استعمال اس قدر عام ہے کہ انسانوں کا ہر ایک طبقہ اسے جانتا

ہے اور آپس میں استعمال بھی کرتا ہے، ضرورت پڑنے پر کسی حد تک توضیح وتشریح بھی کرتا ہے۔ سنجیدگی کے ماحول میں بھی اور جذبات کے سایہ میں بھی۔ جو اس بات کا اشاریہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح جذباتی بنیاد پر نہیں بلکہ حقائق وبصائر سے متاثر ہوکر وجود میں آئی ہے۔ عوام وخواص دانشور طبقہ اور غیر دانشمند طبقہ دونوں قسم کے لوگ اس سے جڑے ہوئے ہیں ہندوستان سے باہر پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، شری لنکا اور دوسرے ایشیائی ملکوں میں بھی اس کا رواج وچلن ہے۔

اصطلاح کسی فرد واحد کے جذبات وتخیلات کی نمائندگی نہیں کرتی، بلکہ اس کے پس منظر ایک قوم اور پوری جماعت ہوتی ہے اور قوم کے سارے افراد ہوتے ہیں۔ اپنی سوچ اور اپنے فکرو خیال میں اگر چہ یہ افراد مختلف ہوتے ہیں مگر اصطلاح کی تشکیل میں ان کی سوچوں اور خیالوں میں اتحاد اور یکجہتی پائی جاتی ہے۔ اصطلاح جماعتی تفریق کا باعث نہیں بلکہ جماعتی ہم آہنگی کی علامت ہوا کرتی ہے اور جو باشعور انسان اسے جماعتی تفریق کا باعث قرار دے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصطلاح کے فلسفہ تشکیل سے واقف نہیں بلکہ اپنے منفی نظریات کا اظہار کر رہا ہے۔ میں ایسے انسان کو معذورِ محض تصور کرتا ہوں، خواہ اس عذر لنگ کا پس منظر کچھ بھی ہو، اس کی گہرائی میں جانے کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں۔

اصطلاح کے تحت وجود کی سطح پر نمودار ہونے والا لفظ/مرکب/جملہ مختلف آوازوں کا مجموعہ ہوا کرتا ہے اور آوازیں ذہنی خیالات، دماغی تاثرات اور قلبی جذبات وکیفیات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ لفظوں پر تنقید براہِ راست نہ کی جائے، بلکہ ان آوازوں کا ضرور فکری، علمی تجزیہ پہلے کر لینا چاہیے جن کی نمائندگی میں یہ الفاظ وجود میں آئے ہیں اور پھر ان آوازوں کا پس منظر کیا ہے، اس پر بھی غور کر لینا دانشوری کی علامت ہے۔ جو حضرات نشیب وفراز کے ان معاملات سے دور رہ کر تنقید کی وادی میں قدم رکھتے ہیں، میں سمجھتا ہوں اس وادی کی خاردار جھاڑیوں سے ان کا دامنِ تقدس سلامت نہیں رہ سکتا ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کسی فرد واحد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا رشتہ پوری جماعت اور ملت

کے تمام افراد سے جڑا ہوا ہے۔ملت کے کسی فردِ واحد کی طرف سے اس پر تنقید یقینی طور پر جماعتی تفریق، ملی انتشار کا شاخسانہ ہے۔مواقع کی اس نزاکت سے خود فراموشی بہت زیادہ خطرناک ہے۔ہمیں امید ہے نوجوان قلمکار اس طرف ضرور دھیان دیں گے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا پس منظر -اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے قبل ہندستان میں مسلمانوں کے جو عقائد و نظریات تھے، جو عادات واطوار اور طور طریقے پائے جاتے تھے وہی چیزیں آج بھی پائی جاتی ہیں۔اس میں ذرا سا بھی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا ہے۔ماضی کی داستانوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل افکار و خیالات کی ہمیں نشاندہی ملتی ہے......

(۱) خدا ایک ہے پاک و بے عیب ہے، کذب و دروغ اور جسم و زمانہ سے منزہ ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں، شفیع محشر ہیں، غیب کی باتیں جانتے ہیں۔

(۳) اللہ کے نیک بندے صاحب تصرف اور قاضی الحاجات ہوتے ہیں۔

(۴) مزاراتِ اولیا پر حاضری جائز و مستحسن ہے۔

(۵) میلاد و قیام، نذر و نیاز اور عرس وغیرہ امر مستحسن ہے۔

(۶) ایصال ثواب کرنا مندوب ہے اس کے تحت تیجہ، دسواں اور بیسواں و چالیسواں کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۷) ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید بہت ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ افکار و عقائد تھے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے مسلمانوں میں پائے جاتے تھے۔مسلمان اپنے مذکورہ عقائد اور بزرگوں کے مزارات پر حاضری دے کر قرآن واحادیث اور رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت سے اپنی وابستگی کو مضبوط تر کیے ہوئے تھے کیونکہ اللہ کے ولیوں اور اس کے برگزیدہ بندوں کے سایہ میں آخرت کا تصور اور دین سے رشتہ مضبوط ہوتا ہے اور پھر ایمان و عقیدہ میں پختگی آتی ہے، حوصلہ بلند ہوتا ہے، عزم و ارادہ میں فولادی قوت آتی ہے۔ موت کی آنکھوں میں جھانکنے کا ہنر آتا ہے۔مسلمانوں کے انھیں اوصاف نے انگریزوں اور

اسلام مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہونے کا فولادی اثاثہ دیا اور طوفانوں سے پنجہ لڑانے کی قوت و ترغیب دی، چونکہ اس وقت ہم فکر معاش سے بہت دور تھے اور ایسا اس لیے تھا کہ روزی رساں پر ہمارا یقین تھا اور تمام مسلمانوں کو اس بات کی امید واثق تھی کہ ہمارے حصہ میں جو روزی ہے وہ ملے گی ضرور، جس طرح ہم اس کے متلاشی رہتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ ہمارے لیے متلاشی رہتی ہے۔ اسی طرز زندگی نے ہمیں انگریزوں سے لڑنے کا حوصلہ دیا اور دفاعی قوت عطا کی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے، کچھ ایسے مسائل سامنے آئے جن کی وجہ سے ہم یہ محسوس کرنے لگے کہ حیات مستعار کا حصار ہمارے لیے تنگ ہوتا جا رہا ہے اور پھر دھیرے دھیرے ہم فکر معاش میں اس طرح منہمک ہو گئے کہ کسی اور مسئلہ کی طرف دیکھنے کی ہمیں فرصت ہی نہیں۔

سر سید کی تحریک - سر سید کی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کو کیا دیا؟ یہی نا کہ ہمارے معاشی مسئلہ کو خوب سے خوب تر کر دیا۔ لاکھوں میں کھیلنے کا ایک عجیب وغریب داؤ دیا اور ہمارے ذہن و دماغ میں اقتصادیات سے نپٹنے کی ترغیب دی، ڈاکٹرس، انجینئرس، پروفیسرز، سائنسدان، ریاضی داں دیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تلقین بھی کہ اپنی دنیا کو سنوارو، بچوں کو بھی اس طرزِ زندگی اپنانے کی ترغیب دو، بیشک ہماری دنیا سنور گئی، ہمارے مکانات خوبصورت ہو گئے اور آسمان سے باتیں کرنے لگے، سڑکیں صاف ستھری ہو گئیں، مسئلہ معاش سے ہم نجات پا کر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے لگے، گاؤ تکیہ ہمیں سہارا دینے لگے، نرم وگداز بستروں پر خوب نیند آنے لگی اور خواب خرگوش کی غفلت ہماری زندگی کے رگ وپے میں پیوست ہو گئی، مگر اس عشرت کدہ سے ہمیں کیا نقصانات پہنچے، اس طرف ہم نے قطعی دھیان نہیں دیا۔ بزدلی، پست ہمتی، حسرت ویاس، نا امیدی اور آوازِ شکست ہماری زندگی میں سرایت کر گئی، یعنی اب ہمیں وہ ہمت اور حوصلہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسی لیے تو اقبال نے کہا:

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل　　　دنیا تو ملی پر طائر دین کر گیا پرواز

ذرا سوچئے! مسلمان اور پست ہمت اور بزدلانہ روش یقیناً یہ احمقانہ باتیں ہیں، اس کے باوجود اس تحریک کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے، اسے مسیحا کا درجہ دیا جاتا ہے یہ زوال پذیر تہذیب

کی علامت ہے۔ سلاطین جہاں کی دریوزہ گیری کسی بھی تہذیب میں لائق ستائش نہیں کہ یہ دلوں کی موت ہے اس کی زندگی نہیں۔ شاعر مشرق محمد اقبال نے اس آمادۂ زوال تہذیب کی خوبصورت انداز میں منظر کشی کی ہے اور خزاں رسیدہ ماحول میں بہاروں کے اوصاف بتائے ہیں۔ یہ منظر کشی یقیناً آپ کو دعوتِ فکر دے گی......

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست — زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان بڑھا کر تجھے تلوار کرے

اس نظم کا ایک ایک شعر موجودہ تہذیب و ثقافت اور طرز زندگی پر زبردست تنقید کر رہا ہے اور اس بات کا احساس دلا رہا ہے کہ امامت و مسیحائی کا مستحق وہ خوبصورت فرد عظیم ہوگا جو ملت کو حاضر و موجود سے بیزار کر دے اور اس تہذیب سے پہنچنے والے نقصانات کا احساس دلا دے۔ وہ کون ہوسکتا ہے؟ ذہن وفکر میں ابھی اس کا تجسس ہے، جو ملی افراد کو مضطرب اور بے قرار کر رہا ہے۔

ہندوستان میں وہابیت - ارباب تواریخ سے پوشیدہ نہیں کہ انگریزوں کے دوش پر سوار ہو کر فتنۂ وہابیت کے جراثیم ہندوستان آئے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد نظریات اور رجحانات نہایت ہی مضبوط تھے اس میں شگاف ڈالنے کے لیے ایک ایسے شخص کی تلاش انگریزوں کو تھی، جو مسلمانوں کے ملی اتحاد کو پارہ پارہ کر دے اور ان کے ایمان، روحانی جسم واعضا میں اضمحلال کی کیفیت پیدا کر دے۔ انگریزوں کو کچھ ہاتھ نہ آیا تو پھر اسماعیل دہلوی کا سہارا لیا اور انھوں نے ہی ہندوستان میں فتنۂ وہابیت کی تخم ریزی کر دی۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور رسالہ یکروزی کے ذریعہ مسلمانوں کے مابین مندرجہ ذیل خیالات رائج کرنے کی کوشش کی گئی......

(۱) خدا جھوٹ بول سکتا ہے،

(۲) اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہر وقت نہیں رہتا ہے

(۳) رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے

(۴) رسول کو غیب کی کیا خبر؟

یہ وہ خیالات ہیں جو مسلمانوں کے قلب و دماغ پر ہتھوڑے کی ضرب سے کہیں زیادہ چوٹ پہنچاتے ہیں ذرا سوچیے ان خیالات کے ذریعہ مسلمانوں کو کس قدر اذیت پہنچی ہوگی اور کس انداز میں وہ تلملا اٹھے ہوں گے۔ اس سے جو مضر اثرات مرتب ہوئے، ذیل کی تحریر سے اندازہ لگایئے۔ دیوبندیوں کے مولوی رضا بجنوری لکھتے ہیں......

> افسوس ہے کہ اس کتاب تقویۃ الایمان جس کی وجہ سے مسلمانان ہندو پاک جس کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فیصد حنفی المسلک ہیں دو گروہوں میں بٹ گئے، ایسے اختلافات کی نظیر دنیائے اسلام کے کسی خطے میں بھی ایک امام کے مسلک ماننے والوں میں موجود نہیں۔
>
> (انوار باری، ج:۱۱،ص:۱۰۷)

یہ عبارت بآواز بلند اعلان کر رہی ہے، اسماعیل دہلوی کا مقصد مسلمانوں کے حالات میں سدھار نہیں بلکہ یہاں کی مسلم جمعیت اور اس کے اتحاد کو مختلف خانوں میں بانٹنا تھا، اور انھوں نے ایسا اس لیے کیا تا کہ انگریز سرکار کی حمایت کی جائے اور اس کے ناپاک عزائم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے چونکہ اسماعیل دہلوی کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار، اختلاف افتراق ضرور پیدا ہوا مگر یہ ان کے حسب منشا نہیں تھا اور اس سے حکومت چلانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، تو پھر انگریزوں نے دیوبندیوں کے علما کو اپنے زمرہ میں شامل کر لیا، جو اس جماعت کے روح رواں اور ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان علماء میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی، اشرف علی تھانوی چونکہ یہ لوگ خود مقلد تھے اور خود کو حنفی مسلک سے جوڑتے تھے، انھوں نے ایسے ناپاک عزائم اور ارادوں کو قوم کے سامنے رکھا اور شعوری و مقصدی انداز میں اس کی اشاعت کرنے لگے۔ یقیناً ان حضرات نے ملی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ایسے حالات میں کیا ملی اتحاد اور قومی یکجہتی سلامت رہ سکتی ہے؟

اسی موقع کے لیے علامہ ارشد القادری نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے، آنجناب لکھتے ہیں......

> ہندوستان کی تاریخ کا یہی وہ خطرناک موڑ ہے جہاں اعلیٰ حضرت ہمیں ایک باشعور چارہ گر، ایک دردمند مصلح، ایک غمگسار مسیحا، بیباک رہنما اور ایک فرض شناس محافظ دین وملت کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ اہل سنت پر ان کا یہ احسان ہم کبھی نہ بھول سکیں گے کہ انھوں نے قلم کی تلوار اٹھا کر مذہب اہل سنت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش کو ناکام بنا دیا۔ ناموس رسول کے تحفظ کے لیے اعلیٰ حضرت جس حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی پوری زندگی داؤ پر لگا دیا۔ یہ انھیں کا حصہ تھا۔ انھوں نے فتنہ وہابیت والحاد کے اس سیلاب پر بند نہ باندھا ہوتا تو آج اہل سنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا ہوتا۔ (ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام وسنیت اور ملی اتحاد کے خلاف رچی گئی سازشوں کو بے نقاب کر دیا اور اپنی قوت دفاع اور قلم کی تلوار سے انھیں ناکام کر دیا جس کے نتیجہ میں مسلک اہل سنت صاف وشفاف آئینہ کی صورت میں ہم تک پہنچا۔

مسلک اہل سنت کے اس رخ زیبا نے آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور بھر دیا، لبوں پر تبسم پھیلا دیا اور پھر لالہ جگر نے ٹھنڈک پا کر ماحول کو مسحور اور فضا کو خوشبوؤں سے مہکا دیا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس سے متاثر ہو کر قلب وجگر نے مسلک اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت سے تعبیر کر دیا، مسلک اہل سنت سے مسلک اعلیٰ حضرت تک کا یہ سفر کوئی غیر فطری امر نہیں ہے، جس پر واویلا کیا جائے اور شور وغوغا کر کے آسمان اپنے سر پر اٹھا لیا جائے۔ سماجی زندگی میں ناموں کا یہ ارتقائی سفر جاری ہے۔ نام زیبا اختر، زیبا نسیم میں بدل جاتا ہے۔ یہ صرف ناموں کی تبدیلی ہے۔ مسمی ذات کی نہیں، اسی طرح اگر مسلک اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت ہو گیا تو اس سے اس کے مفہوم و معنی میں کوئی تغیر نہیں۔ جب معنی ومفہوم میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں تو اس کی طرف اشاروں اور کنائی انداز میں باتیں کیوں کی جا رہی ہیں۔

کسی بھی شے کا دوسرا نام کسی اہم واقعہ یا کسی اہم خدمت کی یاد تازہ کرتا ہے، اسے روکنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں، مذکورہ پس منظر کو سامنے رکھئے اور پھر مسلک اعلیٰ حضرت کو سمجھنے کی کوشش کیجیے، خوبصورت نظارے دیکھنے کو ملیں گے۔ مسلک اعلیٰ حضرت میں ایک خوشگوار پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اصطلاح مسلک اہل سنت کی علامت ہے اور علامت بھی ایسی جو غیروں کی شرکت سے مانع ہے اور شے کو ممتاز کرتی ہے اگر اس اصطلاح کو درمیان سے اُٹھالیا جائے تو پھر دیوبندیوں سے ممتاز ہونے کے لیے آپ کے پاس کیا اثاثہ ہے؟ کہ وہ بھی اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

موجودہ دور کے جس قدر علماء فضلا اور دانشور افراد ہیں سبھی اس مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو پسند کرتے ہیں۔ جمہور کے مقابلہ میں چند گنے چنے افراد کے رائے کی کیا اہمیت ہے؟ اور پھر ایسوں کی رائے، جو انانیت، خودپسندی کے دلدل میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں اور اپنی خوش فہمی کی بھول بھلیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ آخر جمہور کے مقابلہ میں اپنی شخصیت کی خودنمائی کیوں؟ اگر انھیں مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ناگوار خاطر ہے تو وہ نہ استعمال کریں۔ یہ تو مرضی کا سودا ہے، اس میں کسی قسم کا دباؤ نہیں۔ ہم ان کے اس ناگوار خاطر پر پورے طور سے مطمئن ہیں کہ لا مناقشة في الاصطلاح- کہ اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں۔

حضرات اس فکری معنوی تحریر سے مسئلہ صاف اور واضح ہو چکا کہ مسلک اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت اگرچہ مختلف وضع کے الفاظ ہیں مگر ان دونوں کا معنی ومفہوم اور مصداق ایک ہے۔ اس میں کسی قسم کا فرق نہیں نہ ان کے درمیان تباین کلی ہے اور نہ ہی تباین جزئی، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مسلک اہل سنت اور ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کوئی دوسری شے ہے۔ ارباب فکر سے پوشیدہ نہیں کہ دونوں میں تساوی کا پہلو نکلتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی مسلک اہل سنت ہے۔

رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کا نظریہ پیش کر کے ہم مسلک اعلیٰ حضرت سے پہلو تہی نہیں کر سکتے کہ اس صورت میں بہت سے اہم مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلک اہل سنت خود اس نظریہ پر قائم ہے۔ جغرافیائی حدود سے نکل کر باہر کی وسیع فضا میں قدم رکھنے سے یہ

دشواری آسکتی ہے کہ مسلک حنفی بھی اس نظریہ پر قائم ہے تو پھر کیا ہم اس سے رخ پھیر لیں؟ یہ نظریہ ہر دور میں قابل قبول رہا ہے اور دانشوروں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان میں حافظ عبدالعزیز ابن ابی رواء سے روایت کرتے ہیں......

> جو شخص امام ابو حنیفہ کو دوست رکھے وہ سنی ہے اور جو ان سے عداوت رکھے وہ بدمذہب ہے۔ (الجواہر البیان، ص:۷۸)

اس نظریہ کے تحت دورِ حاضر میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات و شخصیت حسن و صداقت کا معیار اور کسوٹی ہے جو ان سے محبت رکھے وہ اہل حق ہے اور جو ان سے عداوت رکھے وہ بدمذہب ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی ذات و شخصیت کو حق و صداقت کی اشاعت میں وقف کر دیا تھا۔ راہِ حق میں انھوں نے کبھی کسی کی رعایت نہیں کی۔ ان کی تعلیمات جغرافیائی پابندیوں سے آزاد ہیں، رشتہ داریوں کی حد بندیوں سے پاک ہیں ان کا نصب العین صرف اسلام و سنیت، عشق و محبت اور رسول ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی وفاداری رہی ہے۔ ان کا کوئی ایسا پیغام نہیں جو نصب العین سے الگ ہو اور کسی ذات کا اعتبار یا عدم اعتبار اس کے نصب العین سے ہوا کرتا ہے۔ امام احمد رضا نے جو پیغام دیا، اپنا جو نصب العین پیش کیا اس پر کسی کو اختلاف نہیں، نہ اپنوں کو اور نہ ہی غیروں کو تو پھر ان کی ذات کے اعتبار میں کیونکر اختلاف کیا جائے؟ ہمہ وشما تو کیا؟ بڑے بڑے علما، ماہرین فن نے امام احمد رضا کو حق و صداقت اور رشد و ہدایت کا معیار قرار دیا اور سنی وہابی کی پہچان، بدر العلماء حضرت علامہ بدر الدین صاحب علیہ فرماتے ہیں......

> علمائے حق کے نزدیک آپ سے محبت رکھنا سنیت کی علامت ہے اور آپ سے جلنا اور بغض رکھنا بددین ہونے کی پہچان ہے۔ حضرت مولانا قادر بخش صاحب سہرامی جو ایک بہت بڑے مشہور اور زبردست مقرر تھے ایک مرتبہ رجہت صوبہ بہار کے سنی مسلمانوں نے حضرت مولانا سہرامی کو اپنے یہاں تقریر کے لیے بلایا۔ تقریر کے بعد کھانا کھانے کے لیے جب حضرت

مولانا بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت سنی وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتایئے کہ جس کے ذریعہ ہم لوگ بھی سنی اور وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو، مولانا سہرامی نے فرمایا کہ ایسا آسان عمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں سنی ہے یا وہابی ہے تو اس کے سامنے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دکھائی پڑیں تو سمجھ لیجئے کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پژمردگی اور کدورت دیکھے تو سمجھ جایئے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں ہے جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۲)

اس اقتباس کو پڑھئے کیا یہ جذباتی انداز کی تحریر ہے؟ یا اس میں کچھ صداقت بھی ہے۔ اس مقام پر خاص طور سے دو باتیں دھیان میں رکھیں:

اول — یہ کہ مولانا سہرامی صاحب نے جس ماحول میں گفتگو کی ہے اس میں جذبات کا کوئی دخل نہیں، کھانا تناول کرتے وقت ماحول بڑا سنجیدہ رہا کرتا ہے۔ ایسے موقعہ پر زبان سے جو باتیں نکلتی ہیں وہ تجربات و مشاہدات کی نچوڑ ہوتی ہیں۔ ان میں فکر و شعور اور تحقیق و تلاش اور آپ بیتی کا زیادہ اثر ہوا کرتا ہے۔

دوم — یہ کہ عوام نے اپنی سہولت کے پیش نظر سنی اور وہابی کے درمیان پہچان بتانے کی بات کہی تھی اور بات جب کسی سہولت کے پیش نظر کہی جاتی ہے تو اس میں کچھ ایسے نفس الامری حقائق پیش کیے جاتے ہیں جو مختلف اذہان کے لیے لائق تسلیم ہوا کرتے ہیں۔

مذکورہ ان دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھ کر جب آپ فکر کریں گے تو محسوس کریں گے کہ یہی تو میرے دل کی بات، جو مولانا سہرامی کی مبارک زبان سے نکل رہی ہے۔ بھئی یہ تو دل لگتی بات ہے۔ یہاں شک و تردد کی کوئی بات نہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دل میں علم دین کی خدمت اور عشق و محبت کا ایسا آفاقی جذبہ صادق تھا جس سے متاثر ہو کر ان کی ذات بھی آفاقی

ہوگئی۔خوشبوؤں کے ڈھیر میں جب مٹی خوشبو میں بدل جاتی ہے تو پھر امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت آفاقی ہوگئی تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری ۔۔۔ گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

اسی عوامی سہولت کے پیش نظر ہمارے علمائے اہل سنت نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کی وضع فرمائی اور اتفاق رائے سے اس کے فروغ وارتقا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہندوستان کے جس علاقہ میں بھی مسلک اعلیٰ حضرت بولا جاتا ہے اس سے مراد مسلک اہل سنت ہی لیا جاتا ہے۔اس سے الگ اس کا اور کوئی تصور نہیں، نہ اپنوں کی نگاہ میں اور نہ ہی غیروں نے اس سے کوئی دوسرا معنی مراد لیا۔

جو لوگ اس سے نیا مسلک مراد لیتے ہیں یہ تحریر انھیں دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ وہ اسے پڑھیں اور سنجیدگی کے ماحول میں اس پر کوئی رائے قائم کریں اور اس بات کا ضرور دھیان رکھیں کہ مسلک اہل سنت میں اہل سنت سے وہ تمام افراد مراد ہیں جو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سنتوں پر عمل پیرا ہیں اور جادۂ مستقیم پر گامزن ہیں اور لفظ مسلک کی ان کی طرف نسبت ہوئی۔یہ نسبت تمام اہل علم کے نزدیک باتفاق رائے لائق تسلیم ہے۔انھیں افراد میں سیدنا امام احمد رضا بھی ہیں اور کل افراد کی طرف مسلک کی نسبت کرنے سے ضمنی طور پر مسلک کی نسبت ان کی طرف بھی جائز ہوگئی اور جو نسبت ضمناً جائز ہو صراحتاً بھی جائز ہوگی اور مفہوم میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔بالفرض اگر معنی میں فرق آ گیا تو اس سے جزئی کی حیثیت کلی سے بڑھ جائے گی اور یہ قطعاً درست نہیں۔

☆☆☆

باب پنجم

تجزیاتی عمل

مسلکِ اعلیٰ حضرت اور کچھ جدید فکری زاویئے

〈اعتراض و تنقید کے تناظر میں〉

ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور دوسرے ایشیائی ملکوں میں دین حق اور مذہب اہل سنت و جماعت کو ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کہا جاتا ہے۔ اہل علم وفن اور ارباب فکرو دانش کے مابین یہ ''اطلاق'' بلا نکیر جاری و ساری ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب کبھی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' بولا جاتا ہے یا اس نام کا نعرہ لگایا جاتا ہے تو فوری طور پر اس اطلاق سے مسلک اہل سنت ہی متبادر ہوتا ہے اور سننے والے یہی تصور کرتے ہیں کہ اس سے وہی دین و مذہب مراد ہے جو ہمارے اسلاف، علماء، فضلاء صالحین، ائمہ مجتہدین اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا رشتہ ماضی کی گہرائیوں سے جڑا ہوا ہے بلکہ زمانۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصل ہے۔ اس سلسلۂ اتصال سے آج تک کسی بھی مفکر اور دانشور نے انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس اطلاق کے خلاف کسی نے آواز بلند کی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا اطلاق دورِ حاضر کی اختراع نہیں، بلکہ نصف صدی پیشتر سے یہ بولا جا رہا ہے اور سمجھا جا رہا

ہے۔ یہ بات تو پڑھے لکھے لوگوں کی تھی۔ وہ حضرات جو پڑھے لکھے نہیں ہیں اور نہ ہی علم وفکر سے آشنا ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ خود بھی مسلکِ اعلیٰ حضرت بولتے ہیں اور اس سے صدائے حق اور دینِ حق ہی مراد لیتے ہیں۔ کیا یہ واقعی صورتِ حال، معتبریت کی دلیل و علامت نہیں......؟ عوامی سطح پر عام بول چال میں کسی لفظ کا استعمال ہونا ادبی نقطہ نظر سے اعتباریت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر علاقائی زبانوں میں مطلب کو مطبل کہا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں آج تک کسی بھی تنقید نگار اور ماہرین لسانیات نے مطبل کو غلط قرار نہیں دیا۔ یہ صرف علاقائی بولی کے معتبر ہونے کی بات تھی اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کا بولا جانا کسی ایک علاقہ سے متعلق نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام بلاد وامصار میں اس کا رواج وچلن ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کار یہ اطلاق کس پہلو سے غلط ہے؟ ہواؤں میں تیر چلانا، ریت کے ڈھیر پر محل تعمیر کرنا سب کو آتا ہے مگر یہ کوئی کمال اور دانشوری نہیں؟ جن لوگوں نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے اطلاق پر تنقید کی اور انگشت نمائی سے کام لیا۔ انھوں نے کوئی تیر نہیں مارا بلکہ تخریبی ذہنیت کا ثبوت دیا اور خودنما شخصیت کا اظہار کیا۔ ذرا سوچئے کسی خاموش سمندر میں اینٹ مار کر سطحِ آب پر ہلچل مچانے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے اور یہ کیسی دانشوری ہے جس کا عملی طور پر اظہار کیا گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آنجناب کا یہ رویہ منفی رجحانات کے فروغ وارتقاء کا باعث ہو اور اس کے پسِ منظر کلیم الدین احمد بننے کی کوشش کی جارہی ہو......؟ ایسے روشن اور عالی دماغ رکھنے والوں کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ادب کی دنیا اور ہوتی ہے اور مذہبی علم وشعور کا دستور کچھ زیادہ ہی نرالا ہوتا ہے۔ ہر آنے والی نسل کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے اکابر اور معتمد علماء کرام نے جو موقف اختیار کیا ہے، سچائی اِنھیں کے ساتھ ہے اور وہ اپنے موقف میں حق بجانب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ان کی سچائی تک رسائی حاصل نہیں کر پارہے ہیں۔ یہ کوئی یوروپی سائنس وفکر کی پگڈنڈی نہیں کہ بعد میں آنے والا کوئی اس پر چلنے کو تیار نہیں۔ جسے دیکھیے وہ اپنی راہ الگ متعین کرتا ہے اور اپنے پیشرو سائنس داں کے مزعومات، خیالات کی دھجیاں بکھیرتا ہے۔ ایسا صرف اس لئے ہو رہا ہے کہ ان کے یہاں کوئی ربط وتسلسل نہیں۔ اتصال کی کوئی کیفیت نہیں۔ مگر ہمارے یہاں ایسا

نہیں ہے۔ہم اتصالی کیفیت سے کام لیتے ہیں کہ اس میں برکت بھی ہے اور بزرگوں کا فیض بھی، مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے مندرجہ ذیل تنقیدیں سامنے آئی ہیں......

(الف) مسلکِ اعلیٰ حضرت جماعتی ہم آہنگی کے لیے سم قاتل ہے۔

(ب) مسلکِ اعلیٰ حضرت مسلک اہل سنت کو محدود کر رہا ہے۔

(ت) مسلکِ اعلیٰ حضرت رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کے نظریہ کو فروغ دے رہا ہے۔

(ث) مسلکِ اعلیٰ حضرت جدید مسلک کی جانب مشعر ہے۔

(ج) مسلک دیوبندیت جب نیا ہے تو پھر مسلکِ اعلیٰ حضرت کیوں نہیں؟

(د) مسلکِ اعلیٰ حضرت کہا جائے یا مسلک اہل سنت، یہ صرف لفظی مناقشہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ وہ افکار ونظریات ہیں جو جدید ذہنیت رکھنے والے افراد کی سطح سے اُٹھ کر آئے ہیں، ان نظریات کی کیا حقیقت ہے؟ اور اس کے پسِ پردہ کیا ٹھوس دلائل ہیں؟ اور اسی قسم کے سوالات اور اس کے جوابات کے لئے آنے والا مضمون قلم بند کیا جا رہا ہے اور حقائق ومعلومات پر مبنی ایک مبسوط مقالہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ اس کے مطالعہ سے اندھیرے اور اجالے کے مابین فرق وامتیاز پیدا ہو سکے اور عوامی سطح پر اُٹھنے والے کچھ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو سکے۔اس مقالہ کے مطالعہ سے قبل یہ چند باتیں ضرور گوش گزار کر لیں۔

اولاً – مسلکِ اعلیٰ حضرت کے اطلاق کرنے والے کوئی فرد واحد نہیں بلکہ ایک پوری جماعت ہے، ایک پورا گروہ ہے۔اس میں ایسے عظیم مایہ ناز افراد بھی شامل ہیں جو اپنے وقت کے نابغہ روزگار، میدان علم وشعور کے شہسوار اور فکر ودانش کے سپہ سالار بھی ہیں۔مدرسین، مفکرین، علماء، فضلاء، مفتیان کرام اور مصنفین عظام بھی ہیں۔نصف صدی قبل سے لے کر اب تک جس قدر اہل علم ہوئے، سب کے سب اس اطلاق پر متفق ہیں۔اسکے برخلاف جن حضرات نے اس کی مخالفت کی وہ گنے چنے افراد ہیں اور ایسے ہیں جن کا کوئی علمی معیار نہیں۔ان کی حیثیت تو محض ایک بلبلہ کی ہے جو چند ثانیے کے لئے ابھرتا ہے اور پھر اس کا وجود روپوش ہو جاتا ہے۔ایک جمعیت کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت ومقام ہے، اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ثانیاً - یہ کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت ایک اصطلاح ہے، جس میں ہر دل کی دھڑکن اور ہر ذہن کی سوچ شامل ہے۔ اس کے بر خلاف اختلاف کی آواز، انفرادی اختلاف اور ذاتی رائے پر مبنی ہے۔ کسی بھی انفرادی نوعیت کی رائے بازار میں چل جائے، یہ کوئی ضروری نہیں، تو پھر اس قسم کی باتوں پر دھیان دینا اور انھیں سننا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں۔

ثالثاً - مسئلہ ھٰذا کے تعلق سے جو اختلاف رائے رکھتا ہے اسے اس بات کا ضرور دھیان رکھنا چاہیے کہ انفرادیت اس وقت اہمیت وعظمت کا حامل ہوتی ہے جب جمعیت کی رائے اسے تسلیم کرلے اور تسلیم نہ کرنے کی صورت میں یہ انفرادیت بھی گھٹتے گھٹتے دم توڑ دیتی ہے اور پھر یہی انفرادیت اپنے موجد، موسس کو روز وشب کوستی رہتی ہے۔ ان ناگفتہ حالات میں تنقید نگار عالم کسمپرسی کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زباں سے یہ سرد بھری آہ نکلتی ہے کہ:

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

رابعاً - اس تنقید کو برائے تعمیر کیونکر کہا جائے کہ اس سے جمعیت منتشر ہو رہی ہے پوری جماعت کرب واضطراب میں مبتلا ہے۔ اس سے عام طور پر یہ ذہن بن رہا ہے کہ اس تنقید کے ذریعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت مجروح کی جا رہی ہے اور ان کی تعلیمات و نظریات کو پس پشت ڈالنے کی تیاری چل رہی ہے۔ ان کے علم وفن، فکر وشعور، فہم وفراست اور فقہی نظریات بے اعتنائی سے دوچار کیے جا رہے ہیں۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف پر اندروں خانہ قدغن لگانے کی سعی لاحاصل کی جا رہی ہے......

حق سے بد ہو کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے
ارے میں خوب سمجھتا ہوں معمہ تیرا

مسلکِ اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرنے والوں کی تحریریں قطعی وقیع نہیں۔ کسی کے گلے نہیں اتر رہی ہیں اور منصف مزاج افراد کو ایک آنکھ بھی نہیں بھا رہی ہیں۔ تو پھر اس قسم کی تحریروں سے کیا فائدہ......؟ سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ ان تحریروں کے سہارے "شخصیت نمائی" کی جا رہی ہے اور زعم ونخوت کا جلوہ بکھیرا جا رہا ہے۔ یہ جذبہ نہ خدا کو پسند ہے نہ ہی اہل علم ارباب

انصاف کو۔ یہ تحریر اس لئے آنجناب کے روبرو لائی جا رہی ہے تا کہ انھیں اپنی کوتاہی عمل اور خطائے اجتہاد کا احساس ہو جائے اور خود کو جذبہ انفعال سے سرشار کر سکیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت اور تشریح و تجزیہ: میری یہ گفتگو دو مرحلوں پر مبنی ہے۔ پہلے مرحلہ میں یہ بتایا جائے گا کہ خود مسلکِ اعلیٰ حضرت کی تشریح و تجزیہ کیا ہے اور دوسرے مرحلہ میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ آخر وہ کون سے اسباب و عوامل تھے کہ مسلک اہل سنت کو مسلکِ اعلیٰ حضرت کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مرحلہ اولیٰ - مسلکِ اعلیٰ حضرت مرکب ناقص ہے جو صرف مضاف اور مضاف الیہ پر مشتمل ہے۔اس کی تشریح و تجزیہ دو طریقے سے کی جا رہی ہے۔

(الف) جیسا کہ بتایا جا چکا کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت مضاف اور مضاف الیہ پر مبنی ہے اہل علم کے نزدیک اضافت پر مشتمل اسموں کی تشریح کے وقت اس کے اجزائے ترکیبی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کیونکہ کل کا تجزیہ اس کے اجزا کے تجزیہ پر مبنی ہوا کرتا ہے۔اسی تشریحی عمل کو اہل علم، تشریح باعتبار اضافت کا نام دیتے ہیں۔ یہاں تشریحی عمل کی صورت حال اس طرح ہوگی۔

اولاً - مسلک کی وضاحت واستعمال۔

ثانیاً - اعلیٰ حضرت کی تشریح و تجزیہ۔

ثالثاً - اضافت اور اس کی نوعیت وحیثیت۔

مسلک اور اس کی حیثیت - مسلک عربی زبان وادب کا لفظ ہے، جو فارسی ادب اور اردو ادب میں بھی بولا جاتا ہے۔لغت کے اعتبار سے اس کا معنی ''طریقہ'' ہے۔ دین، مذہب بھی اسی معنی میں آتا ہے اس طرح سے یہ تینوں الفاظ مترادفہ ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔طریقہ، راستہ، ظاہری طور پر محسوسات میں سے ہے۔ اہل علم وفکر نے اسے وسعت دی اور مجازی طور پر معقولات کے لیے بھی اس کا استعمال کرنے

لگے۔ طرز نگارش، انداز فکر، علوم وفنون میں غیر محسوس جامعیت اور مختلف معانی میں قیام ترتیب کا نام بھی مسلک رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ علوم عقلیہ میں بھی مسلک کا استعمال ہوا کرتا ہے۔ لفظ مسلک اصل کے اعتبار سے عمومیت کا متقاضی ہے۔ اچھے راستہ کا نام بھی مسلک ہے اور برے راستہ کا بھی، مسجد کی جانب جانے والا راستہ بھی مسلک ہے اور شراب خانہ کی طرف جانے والا راستہ بھی اہل کفر کا بھی مسلک ہوا کرتا ہے اور اہل ایمان وعشق کا بھی۔ بہر صورت مسلک تمام راستوں کو محیط ہے ہر راستہ صحیح اور درست ہوا ایسا نہیں ہو سکتا؟ اسی لئے کوئی ایک راستہ ہی اپنانا ہوگا اور دوسرے تمام راستوں سے دامن چھڑانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وما أمرو ا الا ليعبد الله مخلصين له الدين حنفاء و يقيموا الصلوٰة و يؤ تو الزكوٰة ذالک دين القيم. (پارہ ۳۰، سورہ: لم یکن)	انھیں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، یہ سیدھا دین ہے۔

جب اسلام کی جلوہ نمائی نہ ہوئی تھی، اس وقت بھی دین ومذہب کا تصور تھا۔ یہودیوں کا بھی دین تھا اور نصرانیوں کا بھی۔ آتش پرستوں کا بھی مسلک تھا اور ستاروں کی عبادت کرنے والوں کا بھی، یہ تنہا دین اور مسلک تھا جو ہر فرد کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ آج بھی ہوتا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا اور یہی صورت مسلک اور مذہب کی بھی ہے۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جب دین/مذہب/مسلک کا استعمال بغیر کسی اضافت کے ہو تو اس کا کوئی معنی معتد بہ ذہن میں نہیں آسکتا اور جب اس کی اضافت کر دی جائے یا اس کی کوئی صفت بیان کر دی جائے تو فوراً ذہن کسی معنی معتد بہ کی طرف متبادر ہوتا ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے......

ان الدين عندالله اسلام.	بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

آیت کریمہ میں لفظ دین کا استعمال ہوا۔ اگر یہ کسی معنی معتد بہ پر دلالت کرتا تو اس کی توضیح کے لئے اسلام لانے کی ضرورت نہ تھی اور یہاں اسلام کے ذریعہ اس کی توضیح کر کے یہ ذہن دیا گیا کہ دین ہر قسم کا ہو سکتا ہے۔ اچھا بھی اور برا بھی، حق بھی اور باطل بھی، مگر انسان کی

بنیادی ضرورتوں میں جس دین کا تصور پایا جاتا ہے وہ ایسا دین ہے جو معتد بہ دلالت کرتا ہے اور دین غیر معتد بہ سے انسانی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ یہی سبب ہے کہ سماج و معاشرہ کا ہر دانشمند طبقہ خواہ اس کا تعلق کسی بھی شعبۂ علم سے ہو۔ جب وہ مسلک کا استعمال کرتا ہے تو اس کی اضافت کسی نہ کسی شے کی طرف ضرور کرتا ہے۔ لہٰذا مسلکِ اعلیٰ حضرت میں اگر اس کی اضافت اعلیٰ حضرت کی طرف کی گئی تو یہ کوئی غلط کام نہ ہوا بلکہ اس سے لفظ مسلک کے اندر حسن و بانکپن، ندرت معنی اور اس کی اہمیت وافادیت میں زبردست اضافہ ہوا۔ مسلک کی اضافت ہر ایک کی طرف ہوسکتی ہے۔ فرد ہو یا جماعت، یا کوئی شہر ہو اس میں علمی اعتبار سے کوئی حرج نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کی اضافت فلاں کی طرف ہوسکتی ہے اور فلاں کی طرف نہیں ہوسکتی ہے۔ جب لغت و ادب اور فکر و فن نے اضافت کو وسیع تر رکھا ہے تو پھر ہمیں کیا ضرورت ہے؟ کہ اس اضافت کو محدود کردیں اور یہ نظریہ قائم کرلیں کہ مسلک کی اضافت صرف اعلیٰ حضرت کی طرف نہیں ہوسکتی ہے اور نہ ہی بریلی کی طرف، اس کے برخلاف اس کی اضافت ہر ایک کی طرف ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی اندھیر نگری ہے کہ لفظ اعلیٰ حضرت کی طرف اس کی نسبت و اضافت کو منع کیا جا رہا ہے شہر بریلی کی طرف اس کی اضافت کو طفلانہ، بچکانہ کہا جا رہا ہے۔ بغداد و کربلا اور دوسرے افراد کی طرف خوب دھڑا کے سے اس کی اضافت کی جارہی ہے۔ یہ کیسی بوالعجبی ہے؟ خدا ہمیں اس بوالعجبی سے دور محفوظ رکھے۔

لفظ اعلیٰ حضرت - یہ لفظ اعلیٰ + حضرت سے مرکب ہے، جس کا معنی بڑے حضرت سے کیا جاتا ہے یہ لقب ایسا ہی ہے جیسے کسی سے بڑے مولوی صاحب کہہ دیا جائے۔ مگر اس کے تلفظ ہی سے ذہن میں ایک ایسی ذات کا تصور ابھر آتا ہے جو اپنے زمانہ کے تمام امثال پر تفوق و برتری رکھتی ہو۔ یہ تصور تلفظ کرنے والے کے فہم و شعور پر منحصر ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ نفس الامر میں وہ ذات ایسی ہی ہو جیسا کہ تصور کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایسی بہت سی شخصیتیں ہیں جن کے بارے میں مریدین و معتقدین کا حلقہ سب سے اعلیٰ و برتر تصور کرتا ہے۔ اس کے برخلاف جو سلسلۂ بیعت سے وابستہ نہیں ہیں۔ وہ ان کے بارے میں ویسا تصور

نہیں رکھتے ،اس کے باوجود سماج ومعاشرہ کا کوئی فرد ان سے نہیں کہتا کہ تم اپنے پیر ومرشد کے لئے ایسا کیوں سوچتے ہو؟ ایسا نہ کہنا اس بات پر مبنی ہے کہ کسی کی فکر وشعور پر پابندی عائد کرنا اصول فطرت کے خلاف ہے۔لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے ہم جب امام احمد رضا کے لیے لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال کرتے ہیں تو یاران نکتہ دان ہماری سوچ اور فہم وفراست پر بند باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ذرا سوچئے آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو اصول فطرت کے خلاف راہ چلنے پر مجبور کر رہا ہے۔ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچئے اور پھر فیصلہ کیجئے۔حالانکہ تاریخی حقائق اور ان کے علمی کارنامے،تجدیدی اصلاحات بتارہے ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نفس الامر میں اس لقب کے صحیح طور پر مصداق ہیں۔یہاں انفرادی واجتماعی شعور اور عملی حیثیت میں ایسی مطابقت ہے جیسی طابق النعل بالنعل میں پائی جاتی ہے۔پھر بھی امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لئے یہ جذبہ انحراف کیوں؟ اور اس انحراف کے پس منظر وہ کون سے اسباب وعوامل ہیں جو اس جذبہ انحراف کو جنم دے رہے ہیں، یہاں پر ایک اور لمحہ فکریہ ہے جس پر ہم سب کو سنجیدگی سے غور کر لینا چاہیے۔شخصیت کسی کی بھی ہو وہ ارتقاء پذیر ہوتی ہے،اس سے انکار نہیں،مگر اسے ارتقاء کہاں سے ملتا ہے؟ گھر کے ماحول سے یا عوام کی زندگی سے،معاشرتی ماحول سے یا پھر اپنے بڑوں کی صحبت سے۔اہل علم اصحاب فکر ودانش اسی کو مدارج نشو ونما سے تعبیر کرتے ہیں۔اس زمرہ میں القاب وآداب کے ذخیرہ نہیں آتے، کیونکہ بڑے بڑے القاب سے شخصیت قطعی متاثر نہیں ہوتی، کاش اگر ایسا ہوتا،تو لوگ صرف القاب وآداب ہی سے استفادہ کرتے اور مدرسہ کے ماحول سے بہت دور رہتے اور کسی بڑے باپ کی اولاد کبھی نہ بگڑتی، کہ ان کے یہاں القاب کی کمی نہیں ہوتی ہے۔تجربہ بتاتا ہے......نوابوں، راجاؤں اور سجادہ نشینوں کی اولادیں دن بدن بگڑتی جارہی ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی بھی لقب سے شخصیت متاثر نہیں ہوتی بلکہ القاب خود متاثر ہو جاتے ہیں۔نوابین اور دیگر اشخاص کے لئے بھی لفظ اعلیٰ حضرت بولا گیا۔خود دیوبندی حضرات نے اپنے اکابر کو اعلیٰ حضرت کہا ہے مگر یہاں نتیجہ صفر رہا کہ اس لفظ وترکیب سے ان کی شخصیتوں کے مستفید ہونے کا سوال ہی نہیں اور خود لفظ اعلیٰ حضرت بھی اس سے اکتساب نور وضیاء نہ کرسکا

کیونکہ یہاں انفرادی/اجتماعی شعوراور عملی حیثیت میں بہت زیادہ فاصلہ رہا۔اس لیے اکتساب و استفادہ کا سلسلہ قائم نہ ہوسکا۔مگر جب یہ لفظ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے لئے استعمال ہواتو یہاں انفرادی/اجتماعی سوچ اور علمی حیثیت میں مطابقت کے سبب خود لفظ اعلیٰ حضرت میں معنویت وسعت، علمی بانکپن اور فکری بہار پیدا ہوگئی۔یہ اعلیٰ حضرت وہ اعلیٰ حضرت نہ تھا جب کہ اس کا استعمال نوابوں کے لئے ہوا تھا بلکہ اس اعلیٰ حضرت میں بہت سی خوبیاں، کمالات، جمالیات درآئیں۔اسی لئے ارباب کمال اس لفظ کو اچکنے کی کوشش کر رہے ہیں اور آئے دن اس کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔اس کے علاوہ لفظ اعلیٰ حضرت میں ایک خوبی یہ پیدا ہوگئی کہ جب یہ بولا جاتا ہے تو اس سے لزوم ذہنی کے طور پر صرف اور صرف امام احمد رضا کی ذات و شخصیت ہی مراد لی جاتی ہے اور ذہن کی رسائی اس سے آگے پرواز نہیں کرتی۔اس قسم کا لزوم ذہنی ہر لقب کو نصیب نہیں ہوتا کچھ ہی ایسے القاب ہیں جہاں لزوم ذہنی پایا جاتا ہے۔

اضافت اور اس کی قسمیں

مسلک اور اعلیٰ حضرت کے مابین اضافت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ مرکب، ترکیب اضافی کی صورت میں سامنے آیا۔ اضافت دو لفظوں کے درمیان پائی جاتی ہے جو نہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور نہ ہی سننے سے مگر عقل رسا اس کا ادراک ضرور کر لیتی ہے۔اضافت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) اضافت لفظیہ، (۲) اضافت معنویہ۔

مسئلہ ہذا میں اضافت لفظیہ سے کوئی بحث نہیں کیونکہ اس صورت میں مضاف اسم فاعل ہوتا ہے یا اسم مفعول یا پھر صفت مشبہ۔مسلک اعلیٰ حضرت میں مسلک نہ اسم فاعل ہے نہ اسم مفعول اور نہ ہی صفت مشبہ ہے۔اس لئے اس ترکیب میں اضافت معنویہ ہی متصور ہوسکتی ہے۔ اضافت معنویہ سے دو طرح کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) مضاف الیہ اگر نکرہ ہے تو اس سے مضاف میں تخصیص کا معنی پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر غلام امراۃ۔عورت کا غلام، دیکھئے مضاف الیہ یعنی امراۃ نکرہ ہے، اس لئے غلام کی نکارت تو ختم نہ ہوئی مگر اس میں خصوصیت اس اضاحت معنویہ سے ضرور آ گئی کہ اس سے وہ غلام مراد کے دائرہ سے باہر نکل آئے جو مردوں کے تھے۔

(۲) مضاف الیہ اگر معرفہ ہے تو مضاف کی عمومیت ختم ہو جاتی ہے اور اس میں معرفہ کی تمام خصوصیات متعین ہو جاتی ہیں۔غلام زید میں صرف وہ غلام مراد ہوگا جو زید کا ہے۔اس طرح سے غلام بھی معرفہ ہوا اگر چہ عارضی طور پر ہی سہی۔

مسلک اعلیٰ حضرت میں بھی اضافت معنویہ پائی جاتی ہے اور اعلیٰ حضرت لقب ہونے کے سبب علم کے زمرہ میں آتا ہے کہ علم تین صورتوں میں منحصر ہے، اسم ہو یا کیفیت یا پھر لقب ہو۔ اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک ایسا مضاف الیہ ہے جو معرفہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے سبب مسلک کے اندر صرف خصوصیت ہی نہیں بلکہ عظیم خصوصیت کا معنی شامل ہو رہا ہے۔جس کے سبب ان تمام مسالک کی نفی ہو گئی جو وہابیت، دیوبندیت، مرزائیت، شعیت، قادیانیت، چکڑالویت یا اور دوسرے فرقہ کی طرف منسوب تھے اور اس مضاف الیہ یعنی اعلیٰ حضرت سے متصور ہونے والا مسلک عام مسلک نہ رہا بلکہ وہ دین حنیف بن گیا اور یہی دین حنیف قرآن وحدیث کا مطلوب ہے اسی کو دین قیم بھی کہتے اور ملت بیضاء بھی اور جب کسی مضاف الیہ کے سبب مسلک صاف ستھرا اور نتھر کر اس طرح روبرو آجائے کہ اور دوسرے مسلکوں سے اسے کوئی تعلق ہی نہ رہے بلکہ صرف ایک بن کر رہ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی مضاف الیہ مسلک دینی اور مذہب صادق کی علامت بن جاتا ہے۔یعنی اس کا مطلب یہ ہوا جو اس مضاف الیہ سے تعلق رکھتا ہے، وہی دین حق پر قائم اور جو اس سے بدک گیا وہ ضلالت وگمراہی میں جا گرا۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ اس قسم کا تصور ویقین صرف خوش عقیدگی پر قائم

نہیں، بلکہ نفس الامری حقیقت بھی یہی ہے۔اس حقیقت سے روشناس ہونے کے باوجود اگر کوئی اعلیٰ حضرت کو مضاف الیہ کی حیثیت سے تصور نہیں کرتا ہو۔یہی سمجھا جائے گا اس کے دل میں کدورت اعلیٰ حضرت کی طرف سے کم ہے مگر مسلک کی طرف سے زیادہ ہے۔ایسی صورت میں وہ نہ اِدھر کا رہا اور نہ اُدھر کا، بلکہ صلح کلیت ہی اس کی پناہ گاہ ہے۔خدا خیر کرے اس ترقی اور روشن خیالی کا جو انسان کو کسی گھاٹ میں نہ رہنے دے۔اس لئے کہا جاتا ہے ''دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا''۔

مرحلہ ثانیہ - مسلکِ اعلیٰ حضرت لقب ہے مگر کس کا؟ اس سوال کے جواب پر میں سمجھتا ہوں تمام ارباب فکر متفق ہیں کہ یہ ''دین حق'' مذہب عشق و محبت اور تمام اہل سنت و جماعت کے مسلک کا لقب ہے۔اپنی جماعت کے افراد تو اس لقب اور اس کے معنی و مصداق کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ افراد جو ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتے وہ بھی اس مفہوم کا ضرور اقرار کرتے ہیں۔وہابی حضرات بھی اور دیوبندیت کے جھنڈا تلے آنے والے لوگ بھی۔خود مولوی ثناء اللہ امرتسری نے کہا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی پیدائش سے پہلے بھی ہندوستان میں وہی عقائد و نظریات پائے جاتے تھے۔جن کی بنیاد پر آج مسلکِ اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے اس لقب یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے پسِ پردہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہم سب کو دعوت فکر دے رہی ہیں......

(الف) یہ کہ علم ہی کی طرح لقب بھی ذات و شخصیت کا تعین کرتا ہے اور اس کے مصداق کی حیثیت بھی نمایاں کرتا ہے کہ یہاں اس سے وہ مسلک مراد لیا جائے گا جو ہمارے اکابر اور علمائے حق کا تھا۔بقیہ دوسرے مسالک اور مذاہب سے ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہے اور نہ ہم اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ مسلک ''مسلک حنیف'' ہے اگر اسے مسلک حنیف تصور نہ کیا جائے تو پھر لقب میں اعلیٰ حضرت کی طرف اس کی اضافت کا کیا مفاد ہوسکتا ہے؟

(ب) مسلکِ اعلیٰ حضرت سے ایک دوسرا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہلو منفی صورت اور نئے انداز میں متصور ہوتا ہے۔گویا مسلکِ اعلیٰ حضرت سے ان تمام مسالک کی نفی ہو رہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دور میں موجود تھے اور جن کا آپ نے رد بلیغ فرمایا ہے۔ان غلط

مسالک کی ایک لمبی فہرست ہے..... دیوبندیت، وہابیت، قادیانیت، مرزائیت، نیچریت، چکڑالویت، گاندھویت وغیرہ وغیرہ۔ مقام لحذا کی اس نزاکت ولطافت اوراس کے احساس و شعور سے نظریں چرائی جائیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت پر اعتراض وتنقید کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو اس سے ملت اسلامیہ کو زبردست نقصان ہوگا بلکہ یوں کہیے کہ اس کی واقعی حیثیت بھی مجروح ہو جائیگی کیونکہ مسلکِ اعلیٰ حضرت صحیح معنی میں مذہب وسنیت، دین وملت اور مسلک کے تئیں جامعیت کو بھی برقرار رکھ رہا ہے اوراس کی مانعیت کو بھی استوار کر رہا ہے اوراس ترکیب اضافی یعنی مسلکِ اعلیٰ حضرت کے نہ ہونے سے اس کی جامعیت بھی متاثر ہوگی اور مانعیت بھی، اس طرح سے صلح کلیت کا بازار گرم ہو جائیگا۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اوراسے ہی کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ زبردست حماقت ہے اورنری جہالت بھی۔ اگر روشن خیالی اور جدت طرازی اسی کا نام ہے تو پھر ملت کا کیا ہوگا؟ الاماں والحفیظ۔

(ج) مسلکِ اعلیٰ حضرت ہی مسلک اہل سنت کا دوسرا نام ہے۔ یہ صرف نام ہی نہیں بلکہ اس کی شناخت اور مابہ الامتیاز بھی ہے اوراس بات کی یہاں سخت ضرورت تھی کہ مسلک اہل سنت کا زبردست انداز میں اس طرح اعلان کیا جائے کہ اس کے تمام کل پرزے نمایاں ہو جائیں اور یہ صرف مسلکِ اعلیٰ حضرت کی صورت میں ہی ہو سکتا تھا کہ یہی اس کی صورت نوعیہ ہے۔ اس مقام پر اگر صرف مسلک اہل سنت ہی کہا جاتا تو اس کے ممتاز ہونے کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ دوسرے گمراہ فرقے بھی اپنے آپ کو اہل سنت ہی قرار دیتے ہیں اس لئے مسلک اہل سنت کے لئے ضروری تھا کہ اسے ایسے نام سے یاد کیا جائے جس میں اس کی اصل حقیقت بھی شامل ہو اوراس کی امتیازی خصوصیت بھی ہندوستان کی سرزمین پر جب سے وہابیت، دیوبندیت اور دوسرے باطل فرقوں کے بال وپر نکلنے ہیں اور جہاں مسلکوں کی بھرمار ہو رہی ہے۔ تو اس صورت میں مسلک اہل سنت میں صرف اصل حقیقت پائی جارہی تھی۔ امتیازی اور شناختی خصوصیت کا اس میں زبردست فقدان تھا اس کے برخلاف مسلکِ اعلیٰ حضرت میں یہ دونوں چیزیں پائی جارہی تھیں یعنی اصل حقیقت بھی، اور امتیازی شان بھی۔

اس لئے ہمارے اکابر علماء کرام اور مفتیان عظام نے مسلک اعلیٰ حضرت کو ہری جھنڈی دے دی۔تا کہ مسلک اہل سنت کی اصل حقیقت اوراس کی امتیازی حیثیت دونوں نمایاں ہو جائیں اور یہ صرف مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ذریعہ ہوسکتا تھا جن لوگوں نے اس سے انحراف اختیار کیا، نہ وہ صحیح معنی میں مسلک اہل سنت پر قائم ہیں اور نہ ہی ان کی اس حیثیت سے پہچان بنی ہوئی ہے۔خواہ وہ مدارس ہوں یا مراکز، خانقاہیں ہوں یا تہذیبی، معاشرتی ادارے ہوں، مگر خیال رہے کہ یہ تمام تقاضے اس دور کے تھے جب اسماعیل دہلوی اوراس کے پیروں کی فتنہ انگیزیاں جاری تھیں اور آج بھی ہیں۔تو پھر میرے دوست آپ لاکھ کوشش کریں، سر پٹک پٹک کر مر جائیں مگر آپ کو مسلکِ اعلیٰ حضرت سے انحراف کا کوئی جواز حاصل نہیں ہوسکتا کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا اطلاق دورِ حاضر میں ضرورت وحاجت بن گیا ہے آپ اسے مسرت سے قبول کر لیں یا ندامت سے یہ آپ کا اختیار ہے۔

(د) اہل سنت و جماعت بھی ایک اصطلاح ہے جو معتزلی فرقے کے مقابلہ میں وضع ہوئی، کیونکہ معتزلیوں نے احادیث سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف دین میں اختلاف کیا اور الگ قواعد کی بنیاد ڈالی اور خود کو اہل حق سے تعبیر کیا۔حضرت امام ابوالحسن اشعری نے معتزلی کا رد فرمایا اور سنت ہی پر قائم رہے، تو ان کے پیروکاروں نے خود کو اہل سنت کہا۔زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ اہل باطل نے خود کو اہل حق کہا اور جو صحیح معنی میں دین حق پر تھے انھوں نے اپنا نام اہل سنت رکھا اس سے یہ مزاج بن گیا کہ اہل باطل سے اہل حق خود کو ممتاز رکھیں۔خواہ اس امتیاز و شناخت کے لئے وہ اپنے آپ کو کسی بھی نام سے تعبیر کریں۔اس میں کوئی قباحت نہیں ٹھیک اسی طرح ہندوستان میں جب نئے نئے فرقوں نے جنم لیا اور خود کو اہل سنت سے موسوم کیا۔تو اہل سنت و جماعت نے خود کو باطل فرقوں سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے ایک خوبصورت پہچان کا انتخاب کیا۔وہ پہچان مسلکِ اعلیٰ حضرت / بریلوی مسلک ہے۔اس تعبیر سے ہمیں یا ہماری ملت کو کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا۔تو پھر اس نام پر اس قدر شور وشرابہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ کم از کم اس تنقید سے قبل معترضین اس تاریخ کا مطالعہ کر لیتے تو اس شور وغوغا اور آہ و

فغاں کی ضرورت پیش نہ آتی......

''یہ دلوں میں اتر جانے والی اور ذہنوں میں پیوست ہو جانے والی باتیں تھیں جو آپ کے گوش گزار کر دی گئیں۔اس کے باوجود آپ کے علم ناقص اور ناپختہ شعور وادراک میں نہ آسکے تو اس میں میری کیا کوتاہی ہے؟ سورج تو اپنی تابانیوں کے ساتھ چمک رہا ہے اگر شپرۂ چشم اسے نہ دیکھ پائے تو اس میں بھلا آفتاب کا کیا قصور ہے؟

مسلکِ اعلیٰ حضرت، اہل سنت والجماعت کے دین و مذہب، تہذیب و معاشرت، عشق و وفا، عقیدہ و ایمان اور جذبۂ دروں کا لقب بھی ہے اور اس کی شناخت بھی، جو چیز شناخت بن جاتی ہے، نا قابل فراموش ہو جاتی ہے۔اس کے ساتھ بے اعتنائی برتنا گویا خود کو گم کرنے کے مترادف ہے اور اپنی واقعی حیثیت کو مجروح کرنا بھی ہے۔مسلک اہل سنت جنس کا درجہ رکھتا ہے۔ کہ جس طرح ہم لوگ حنفی، حنبلی، شافعی اور مالکی ہیں...... یہ لوگ بھی خود کو حنفی شافعی اور مالکی سے منسوب کرتے ہیں۔اس لئے دیوبندی حضرات خود کو اہل سنت و جماعت بھی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔اس سے نمایاں ہوا کہ مسلک اہل سنت و جماعت میں یہ تمام افراد خود کو شامل مانتے ہیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت ''فصل'' کا مقام رکھتا ہے کہ اس سے ہم اہل وفا ممتاز ہوا کرتے ہیں یہیں سے دونوں یعنی مسلک اہل سنت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت میں ایک باریک سا فرق و امتیاز یہ محسوس ہوا کہ مسلک اہل سنت ما بہ الاشتراک ہے اور مسلکِ اعلیٰ حضرت ما بہ الامتیاز ہے۔لہٰذا ان دونوں میں لفظی مناقشہ کی صلاحیت و استعداد ہی نہیں مگر یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے جب لفظوں کے پسِ پردہ اس کے معنیاتی نظام کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور اس کے تمام پہلوؤں پر محققانہ انداز سے کام لیا جائے جو لوگ سرسری انداز میں دیکھتے ہیں اور پھر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ان دونوں ترکیبوں میں صرف لفظی مناقشہ ہے یہ اس کی شخصیت کا کھوکھلا نظام ہے جو دیکھنے میں سندر اور خوشنما ضرور نظر آتی ہے مگر اندر کیا ہے؟ یہ آنجناب خود جانتے ہونگے یا پھر ارباب تحقیق اپنی امعانِ نظر سے اسے محسوس کر لیتے ہیں۔اس باریک فرق و امتیاز کے سبب ان میں تضاد کی کیفیت بھی نہیں ہاں دونوں میں تقابل عدم بالملکہ ہو سکتا ہے؟ جو نسبت تساوی کا داعی ہے، اس داعی کے

سبب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت مسلک اہل سنت کی وسیع اور کشادہ تر شاہراہ کو محدود کر رہا ہے اور دن بہ دن اس کے دائرہ کو تنگ کر رہا ہے کیونکہ شی ما بہ الامتیاز، شی ما بہ الاشتراک کو محدود نہیں کرتی بلکہ اس کی معنویت، ندرت اور انوکھے پن میں اضافہ کرتی ہے اور اس کی تابانیوں میں چار چاند لگاتی ہے۔ جہاں تک مسلک اہل سنت کی افرادی حیثیت ہے اس میں بھی کوئی فرق نہیں اور اگر اس میں فرق ہوتا ۔تو غیر مقلدین کے مقلدین کی صف سے نکل جانے کے سبب اہل سنت و جماعت سواد اعظم نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا، سواد اعظم کی معنویت میں غیر مقلدوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی معنویت کا اظہار کس خوبصورت پیرایہ میں کسی شاعر نے کیا ہے آپ ملاحظہ فرمائیں اور شاعر کی نازک خیالی، لطافت بیانی کی داد دیں، وہ پُر کیف شعر یہ ہے۔

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

جس طرح دریا کی طغیانی، روانی اور تیز رفتاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اہل سنت کی جمعیت میں بھی کوئی فرق نہیں اور نہ ہی اس کا دائرہ محدود ہوا۔ اس واضح حقیقت کے باوجود اگر کوئی دائرہ کے محدود ہونے کی بات کرتا ہے۔ مجھے اس کی حماقت پر ہنسی آتی ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ ملک کا دانشور ہونے کے باوجود اتنی کچی گولی کھیل رہا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

یہاں ایک زبردست لمحہ فکریہ یہ ہے کہ جبریہ، قدریہ، معتزلیہ، تفضیلیہ، وہابیہ، دیوبندیہ اور انھیں جیسے باطل فرقوں کے اہل سنت و جماعت سے نکل جانے کے بعد بھی اہل سنت کا دائرہ محدود نہیں تو مسلکِ اعلیٰ حضرت سے اس کا دائرہ کیونکر محدود ہوگا کہ وہاں خروج لازمی تھا اور یہاں تو ''خروج'' کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کا خیال لانا طبع نازک پر گراں گزرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہہ کر کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت سے مسلک اہل سنت کا دائرہ محدود ہو گیا۔ ایک انہونی بات کو ہونی تسلیم کر لینا ہے جو کسی زاویہ فکر سے درست نہیں۔ میں دعوت فکر دیتا ہوں اس پر غور کریں اور پھر اپنے موقف پر نظر ثانی فرمائیں۔ یہ ایسا دلخراش جملہ ہے کہ اس سے اپنوں کے دل تو چھلنی ہوئے ہی مگر آنجناب کی شخصیت بھی مجروح ہوئی اور علمی بھرم کا گھڑا بیچ چورا ہے پر

چھوٹ گیا۔ یہاں یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ دیوبندیت اور بریلویت میں آسمان وزمین کا فاصلہ ہے کہ دیوبندیت کے لئے جنس ما بہ الاشتراک یعنی اہل سنت سے خروج لازم کیونکہ ان کے عقائد نظریات اور افکار کفریہ ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اہل سنت سے خارج ہوگئے۔ اور ان کے اندر ما بہ الاشتراک کی صلاحیت ہی مفقود ہوگئی اور مسلک اعلیٰ حضرت ماننے کی صورت میں ما بہ الاشتراک کی صلاحیت بھی موجود ہے اور ما بہ الاتیاز کی عملی قوت بھی، یہی وجہ ہے کہ دیوبندی، وہابی، معتزلی وغیرہ جدید فرقے ہیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ماننے والے کسی جدید فرقہ سے جڑے ہوئے نہیں ہیں تو پھر ایک دوسرے کے لئے مقیس علیہ کس طرح بن سکتا ہے اور جو مقیس علیہ تسلیم کرتا ہے وہ نہ معلوم کس بھول بھلیوں میں رہتا ہے؟ اور کس زعم ونخوت کا آدمی ہے۔ جو اس قسم کا نظریہ پیش کر کے، ہزاروں کے دلوں اور ان کی تمناؤں کا خون کر رہا ہے کیا اسی کا نام صحافت ہے اور اسی طرح کی دیانت ہوا کرتی ہے؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کار تحریر کی یہ بے راہ روی کب تک رہے گی اور بے اعتنائی کا زلف دراز کہاں تک پہنچے گا۔ کبھی اس پر بھی غور کیا، سوچئے اور بتایئے، اس قسم کی اونچی اڑان کس کام کی۔ جو اپنے ہی گھر کا راستہ بھلا دے۔ یہ رویہ کس قدر خطرناک ہے اور کیسا ستم ڈھا رہا ہے رات کی تنہائی میں سوچیں اور بتائیں، اس طرح اڑنے والا کامیاب ہو، ایسا ممکن نہیں کہ بسا اوقات اڑنے والے بھی، کھڑاون کی شدید ضرب سے زمین کا بوسہ لینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اور اسے کامیابی بھی اسی سے نصیب ہوا کرتی ہے۔ اسی مقام سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قول، وہابی کبھی سنّی نہیں ہوسکتا، کی سچائی ثابت ہوجاتی ہے اور عقل وفکر میں اس قول کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جو فرد انسان اپنے عقائد کفریہ کے سبب جنس سنیت ہی سے نکل جائے اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالے۔ وہ مذہب حق پر کس طرح قدم رکھ سکتا ہے۔ اس کی مثال اس پتھر کی مانند ہے جو جنس حیوانیت ہی سے خارج ہو۔ اس کا شمار انسان/حیوان ناطق میں کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور لوگ انھیں انسان، آدمی، مرد وعورت یا بچہ نوجوان کس طرح کہہ سکتے

ہیں اور جو وہابی سنی بن جائے ......تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی تک جنس اہل سنت سے خارج ہی نہیں، اس لئے واپس آ گئے۔

مخالف گروپ کا یہ کہنا کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی یہ اصطلاح جماعتی انتشار کا باعث ہے۔ یہ سراسر غلط اور خطا ہے نیز غیر واقعی صورت حال پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود یہ نظریہ، کسی دیوانے کی بڑ ہو سکتی ہے۔ مگر صاحب فکر اور عالی جناب کی نظر نہیں۔ مذکورہ غیر فکری جملہ کے تعلق سے مندرجہ ذیل متزلزل صورت حال درپیش ہو سکتی ہے۔

اولاً - یہ کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت ایک اصطلاح ہے اور اصطلاح کسی فرد واحد کی نہیں ہوتی۔ پوری جماعت جب کسی نظریہ پر اتفاق کر لیتی ہے تب کہیں جا کر اصطلاح کے جوبن میں نکھار آتا ہے اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب مسلکِ اعلیٰ حضرت اصطلاح کی صورت میں ہے تو یقین جانئے اس میں تمام اطراف واکناف کی خوشگوار آوازیں شامل ہوئی ہونگی اور ہر دل کی دھڑکنیں بھی، ٹھیک اسی طرح ہر طبقہ انساں کی فکریں بھی، اس کے باوجود یہ باعث انتشار وافتراق ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چاندنی رات کو دن کا اجالا کہا جائے یا چمکتی ہوئی ریت کو آب حیات۔ جس طرح یہ ممکن نہیں، اسی طرح اس کا باعث اختلاف ہونا بھی ممکن نہیں۔ مخالف گروپ کے قولِ مذکور سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے عقل وخرد میں فکری قوت نہیں اور نہ ہی سوچ کی توانائی ہے۔ ایسا یقیناً ہو سکتا ہے کہ آنجناب دورِ حاضر کے شہزادے جو ٹھہرے۔

ثانیاً - یہ قول اس طرح بھی درست نہیں کہ کسی جمعیت یا جماعت میں انتشار اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کے ہم جنس اجزائے ترکیبی میں کوئی جزوِ غیر جنسی داخل ہو جائے۔ سمندر کی خاموش سطح پر انتشاری کیفیت اسی وقت نمودار ہوتی ہے جب اس میں ڈھیلا مارا جائے یا پھر اینٹ پتھر رسید کی جائے اور اگر اس میں ایک گلاس یا ایک گھڑا پانی ڈال دیا جائے تو اس میں انتشار کہاں سے آئے گا۔ زمیں سے یا آسمان سے، بتایئے ارے بھئی جب مسلکِ اعلیٰ حضرت جماعت اہل سنت کا ہم جنس ہے، ہم رکاب وہم قدم ہے تو پھر یہ باعث انتشار کس طرح ہو سکتا

ہے؟ اس حقیقت کے منکشف ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی نہ سمجھ پائے تو انھیں اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے اور شرم وندامت سے سر جھکا لینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ انھیں نہ شرم ہے اور نہ ہی حیا کی بو۔

کہا جاتا ہے روٹی دونوں ہاتھوں سے پکتی ہے، صرف ایک ہاتھ سے نہیں، ٹھیک اسی طرح جہاں دو کا تصور آتا ہے تو لازمی طور پر دونوں رفتہ رفتہ قدم بڑھائیں گے جبھی قربت، نزدیکی پیدا ہوتی ہے اور اگر کوئی ایک دھیرے دھیرے سرک رہا ہے اور دوسرا بت بنا کھڑا ہے تو فطری طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے جو کھڑا ہے وہ اندھا ہے اور دوسرے کا محتاج ہے اور کبھی یہ تصور ہوتا ہے کہ جھکنے والا اندھا چراغ ہے، جو روشنی کا متمنی ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ ہمارا مسلک بھی نور والا ہے، جو دونوں ہاتھوں سے اجالوں کو بانٹتا ہے اور ہماری جماعت کے افراد ورجال بھی تابانیوں کے ذخائر دل کھول کر عطا کرتے ہیں، اسی لیے کہیں حق کی شناخت رجال کے ذریعہ ہوتی ہے اور کہیں رجال کی شناخت حق کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ یہ دونوں نظریئے اپنے مقام پر حق بجانب ہیں۔ کہاں کونسا نظریہ کارگر ہو، یہ حالات اور زمانہ کے بدلتے مزاج پر موقوف ہے۔ ہواؤں کا رخ پہچانے بغیر کوئی بات کرنا غیر مناسب ہے۔ یہ تو ایک اصول کی بات ہے حق کے اندر اگر شناخت کا مادہ نہیں تو وہ رجال کی شناخت کیونکر کرا پائے گا اور اگر رجال کے اندر شناخت کی صلاحیت نہیں، تو وہ دین اسلام اور مذہب حق کی کیا پہچان کروائے گا۔ جہاں تک رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کی بات ہے ہر دور میں یہ نظریہ پسندیدہ رہا ہے تاریخی حقائق اس پر شاہد عدل ہیں، بتائیے۔

دین اسلام کی شناخت ہمیں کس طرح حاصل ہوئی؟ صحابہ وتابعین کے ذریعہ، ائمہ مجتہدین کے توسط سے ہمارے اسلاف نے بتایا۔ اسلام ہی اللہ کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہے۔ خواجہ غریب نواز کے ذریعہ اہل ہند مذہب حق اور دین فطرت سے روشناس ہوئے۔ ہم احادیث کی صداقت کو اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا...... یہ اقوال رسول ہیں۔ مفسرین نے ارشاد فرمایا...... اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا یہ معنی ہے، یہ مفہوم ہے، کیا یہ رجال کے

ذریعہ حق کی شناخت نہ ہوئی- ہوئی اور بے شک ہوئی تو مسلکِ اعلیٰ حضرت میں اگر یہی نظریہ کارفرما ہے تو اس میں غضب کی کیا بات ہے، یہ کیسی کدورت ہے کہ دوسرے مقامات پر اس نظریہ کو سراہا جائے اور یہاں منھ بسورا جائے، کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے اور یہی دیانت ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو انصاف کا دروازہ کھلا ہے۔ آیئے اور اس کی چوکھٹ کا بوسہ لیجئے اور اگر جواب اثبات میں ہے تو اس اندھی شخصیت کو بالائے طاق رکھ دیجئے اور نور والوں سے اجالوں کی خیرات مانگئے کہ یہی عینِ حیات سرمدی ہے اور ابدی زندگی کا پہلا زینہ بھی یہی ہے۔

بظاہر یہ وہ تحریریں ہیں جو نوک قلم سے صفحہ قرطاس پر نمودار ہوئی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان تحریروں میں خون جگر شامل ہے۔ اس لئے اس کا رنگ چوکھا دکھائی دیتا ہے اور قلب و نظر کو خوشگوار محسوس ہوتا ہے۔ میرا اذعان بول رہا ہے کہ ان تحریروں سے آپ کے دل کی کلیاں شگفتہ ہو جائیں گی اور دماغ کی رگوں میں تازہ خون دوڑتا محسوس ہوگا۔ اگر میری تحریروں سے آپ کی یہی کیفیت بن جائے تو اس حسین اور جنت نظیر ساعت میں اس بے نوا کو ضرور یاد رکھیں اور اپنی مخصوص دعاؤں میں شامل کر لیں کہ یہی میرے قلب کی آواز ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے کچھ دلنواز خوشگوار باتیں تھیں جو صادر ہو گئیں اور ذہن و فکر، ادراک و شعور کو محوِ التفات کر رہی ہیں۔ چلتے چلتے کچھ اور اہم باتیں بھی بطور تتمہ عرض کی جا رہی ہیں تا کہ مقالہ اپنے حسن اختتام تک پہنچ سکے اور قارئین اس کے مطالعہ سے اپنے قلب و جگر میں خوشگوار، کیفیات کا احساس کر سکیں۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت اور اس کا فطری ارتقاء - مسلکِ اعلیٰ حضرت منظم صورت میں آج موجود ہے اس میں انسانی ضرورت و حاجت کی وہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جن کا شرعی طور پر التزام و اعتنا زندگی کو خوبصورت اور دلکش و جاذب نظر بنا سکتا ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو اس میں مصرح نہ ہو۔ عقیدہ و ایمان، عشق و وفا، عبادت و ریاضت، تصوف و سلوک، بیعت و ارشاد، خرید و فروخت، حسن معاملت، حسن معاشرت، سماجی اصلاح کے طریقے، سیرت سازی، کردار نوازی، حسن تبسم، شیریں بیانی، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، لین دین، ہبہ و عطیہ، وصیت و توریث وغیرہ وغیرہ...... ان تمام پہلوؤں سے متعلق مسائل مسلکِ

اعلیٰ حضرت میں مصرح ہیں اور تفصیلی اور فکری انداز میں مبرھن ہیں۔ اس کا ارتقاء، اچانک نہیں ہوا بلکہ خونِ جگر پلا پلا کر اسے پختہ کیا گیا اس کے تمام پہلوؤں پر دینی فکری نظر رکھی گئی ہے اور اس کے ارتقائی سفر میں نظری اور شرعی تقاضے پورے کئے گئے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ چند باتیں بھی نکل کر سامنے آتی ہیں۔

(الف) تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستان کی سرزمیں پر جہاں اور فتنے بیدار ہوئے تھے اور شرانگیزی نے جنم لیا تھا۔ وہیں یہ فتنہ تو جب بھی اُٹھا تھا کہ انگریزوں کی ملی بھگت سے کچھ ہندوستانی علماء نے غلط تاویلیں پیش کر کے اہل سنت و جماعت کے عقائد ونظریات پر قدغن لگائی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی مبارک زبان وقلم سے مذکور عقائد ونظریات پر جمے گرد وغبار کو صاف کیا اور اس کی حقیقی ویقینی تابانیوں کو اجاگر کیا اور اس کے جسم وجاں میں تازگی کی روح دوڑادی اسے تازہ خون سے آشنا کردیا کہ فکری انداز میں اس کا مداوا اسی طور پر ہوسکتا تھا۔ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتمیت محمدی، شفاعت وسیلہ، مزارات پر حاضری، عرس وفاتحہ، چادر پوشی، گل پوشی جیسے اہم مسائل پر محققانہ انداز میں بحث کی ہے کیونکہ ان مقامات کا صاف و ستھرا نہ کرنا، جن کا علاج کرنا مقصود ہو غیر فطری عمل ہے۔ جس سے مرض میں افاقہ کے بجائے اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ارتقاء میں اس شعبۂ علم کا بھی زبردست حصہ رہا ہے۔

(ب) زمرۂ الف کے بعد امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرق باطلہ کے ان فاسد عقائد اور غلط نظریوں کی طرف دھیان مرکوز کیا۔ جو ایمان و وفا کے اجالوں کو اندھیروں میں تبدیل کرسکتے تھے۔ تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، فتاویٰ رشیدیہ اور دوسری کتابیں جنھیں فرق باطلہ کے اکابر نے تصنیف کی تھیں، ان کا رد بلیغ فرمایا اور علم وشعور کے ذریعہ ان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت نے باطل نظریات کے حاملین کی بھی خیر وخبر لی اور ان کی شاطرانہ، عیارانہ باتوں کو اس طرح نمایاں کردیا کہ......

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

اس خوشگوار پہلو کو ہم سلسلۂ ارتقاء سے خارج نہیں کر سکتے کیونکہ رجال کا تعارف ان کی شناخت بھی علمی فروغ وارتقاء میں دخل رکھتی ہے اور اسے پروان چڑھاتی ہے اس طرح ردوتنقید میں بھی رجال کی اہمیت ہے۔ یہاں یہ بات بھی لائق التفات ہے کہ ارتقائی سفر میں خاص طور سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔

اول – وہ چیزیں جو ارتقائی سفر میں مانع ہوتی ہیں اور قدم کو آگے بڑھانے سے روکتی ہیں جیسے کسی صاف ستھری اور ہموار راہ میں کانٹے اور نوکیلے پتھر ہوں، اصول فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے کانٹوں کو صاف کیا جائے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے منظم طریقہ سے پہلے انھیں کانٹوں کو صاف کیا، یہ کانٹے غلط اور کفری نظریات کی صورت میں تھے یا پھر فرق باطلہ کے اکابر و اصاغر جو مجسم کانٹے تھے، اسی لئے تو ان کی خبر گیری فرمائی اور ان کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ کر ان کے سڑانڈ اور بھیانک صورت حال کی وضاحت فرمادی اور یہ چیلنج بھی کر دیا کہ۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

یہ ایک قسم کا چیلنج بھی ہے اور دعوت فکر بھی کہ ذرا ان سے بچے رہو کہ یہ اس طرح ایمان و محبت پر حملہ کرتے ہیں کہ اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس طرح سے امام احمد رضا نے پوری جماعت اہل سنت میں وہ خوبیاں پیدا کردیں جن کی وجہ سے پیش آنے والے خطروں کا وہ بخوبی احساس کرلیں اور خود کو ان کی صحبت سے دور رکھیں۔ کیا اس قسم کی خدمت دین بروقت فراہم کرنا۔ انوکھی شخصیت اور نادر الوجود ہستی کا حامل نہیں؟

دوم – ارتقائی سفر میں اس بات کی بھی زبردست اہمیت ہے کہ ان راستوں کو بھی سنوارا جائے ان کے خدوخال نمایاں کیے جائیں جن پر اہل حق کو چلنا ہے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھئے تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قرآن وحدیث اور ائمہ کرام کے علمی فن پاروں اور ان کے ذخیرہ معلومات سے استفادہ فرما کر ایسے اصول ونظریات قائم فرمادیئے۔ جن کے تناظر میں انسانی حیات کی ہر ساعت اور ہر لمحہ بردوش ثریا ہوسکتا ہے اور اس کی زندگی میں کیف وبہار

کی موجیں اُٹھ سکتی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں انسانی معاملات، حسن معاشرت، کردار وعمل اور تہذیب نو بہار کے تمام گوشے پائے جاتے ہیں، اس کا مطالعہ کیجیے، کیف وسرور اور لطف ومزہ کا اندازہ لگا لیجیے اس کے علاوہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تہذیبی اقدار معاشرتی اصول اور اقتصادی قواعد بھی منضبط کر دیے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر علوم وفنون کے دریا بہا دیے ہیں جن کی وجہ سے دل میں انوکھی کیفیت اور ذہن وشعور میں بھی بالیدگی آتی ہے نیز اپنی جماعت کے افراد ورجال میں بھی خود اعتمادی کا جذبہ بیدار کر دیے ہیں۔ ایمان واذعان، عشق ووفا، خلوص و پیار اور جذبۂ اخلاص کی ایسی عطر بیزی کی ہے کہ ہر مشام جاں اب تک مہک رہی ہے اور ہر سُنّی مسلمانوں کی سانسوں میں بوئے جاناں کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ یہ تمام چیزیں مسلک اعلیٰ حضرت کے سلسلہ ارتقا کی سب سے اونچی اور بلند چوٹی ہے کہ بظاہر اس سے زیادہ بلند ہونا مشکل نظر آرہا ہے۔ زوال پذیر اس ماحول میں تو اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ یہیں سے مسلک اعلیٰ حضرت کی انفرادیت نمایاں ہوتی ہے اور تمام ذی ہوش افراد کو اپنی طرف محو التفات کر لیتی ہے۔ اسی لیے دورِ حاضر میں ہر باشعور انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ......

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

مسلک اعلیٰ حضرت اور جمالیاتی اقدار - مسلک اعلیٰ حضرت کے تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات اور اصول و نظریات میں جمالیاتی اقدار کا جس قدر اہتمام وانصرام پایا جاتا ہے۔ وہ اہتمام کہیں اور نظر نہیں آتا ہے صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس مسلک کے جو پیروکار ہیں انھیں بھی جمالیات کا احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس مسلک کا لب لباب یہ ہے کہ ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ سرور دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن وجمال کا اسیر ہو جائے اور ان کی نگاہ میں ایسی روشنی نمودار ہو جائے کہ انھیں محبوب سے زیادہ اور کوئی پسند نہ آئے اور انھیں کے جمالیات کے سایہ میں زندگی کا کارواں گذرتا چلا جائے......

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

☆

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

☆

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
قرآن یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

☆

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ان اشعار میں جمالیاتی اقدار اور اس کا شدید احساس نمودار ہوتا ہوا نظر آتا ہے اسی جمالیاتی احساس کے اظہار کے لئے امام عشق ومحبت نے شعری ادب کو پسند فرمایا۔لہٰذا ہم اس صنفِ سخن کو "مسلک اعلیٰ حضرت" سے جدا نہیں کر سکتے۔اس عنوان پر مزید گفتگو ہو سکتی ہے مگر طوالت کے اندیشہ سے میں اپنی بات یہیں پر ختم کرتا ہوں۔

لفظ "بریلوی" فکر و تنقید کے تناظر میں: لفظ "بریلوی" سے عام طور پر بریلی کا باشندہ مراد لیا جاتا ہے۔خود امام احمد رضا اپنے نام کے ساتھ اسی معنی میں لفظ "بریلوی" لکھا کرتے تھے۔دورِ حاضر میں بھی بہت سے علمائے بریلی اپنے ناموں کے ساتھ لفظ "بریلوی" کا اطلاق کرتے ہیں اور معنی مذکور ہی مراد لیتے ہیں۔"بریلوی" کوئی فرقہ نہیں، یہ ایک

مسلمہ حقیقت ہے اور یہ فرقہ بن بھی نہیں سکتا ہے کیونکہ فرقہ کی تشکیل عقیدوں کے اختلاف سے ہوتی ہے۔ آج تک جتنے فرقے وجود میں آئے اس کے مطالعہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ان فرقوں نے ائمہ سلف اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عقیدوں اور اعتقاد جازم سے اختلاف کیا۔ حدیث افتراق امت کی بھی یہی منشاء ہے۔ علامہ ابن اسعد صدیقی دوانی فرماتے ہیں **کلها فی النار من حیث الاعتقاد** یعنی تمام فرقے جہنمی ہیں، اس سے وہ فرقے مراد ہیں جو اعتقادی ہوں، اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ جن فرقوں کے عقیدوں میں ایسا اختلاف پایا جائے جو باعثِ تکفیر و بدعت ہو، ایسا اختلاف جو نظریہ و عمل تک ہی محدود ہو، اس پر فرقہ کا اطلاق درست ہی نہیں، ہاں یہ اختلاف مسلک، مکتبۂ فکر یا دبستاں کو وجود دے سکتا ہے، فرقہ کو نہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے علمی جواہر پاروں میں انھیں عقائد کی توضیح و تشریح فرمائی ہے جو صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمہ ذوی الاحترام کے عقائد تھے۔ عقیدوں میں اختلاف تو بہت دور کی بات رہی۔ آپ نے فقہ حنفی سے نظریاتی اختلاف بھی نہیں کیا۔ اب بتایا جائے کسی جدید فرقہ کو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے شہر مبارک کی طرف منسوب کر کے ''بریلوی'' کا نام دینا کہاں تک درست ہے؟ اپنے تو خیر سے اپنے رہے غیروں نے بھی ہمیں ''جدید فرقہ'' سے موسوم نہیں کیا۔ جمعیت اہل حدیث کے ترجمان الحسنات رامپور نے واضح الفاظ میں تحریر کیا......

> یہ خیال درست نہیں کہ احمد رضا خاں نے دین اسلام میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی ہے البتہ یہ درست ہے علما کی اس جماعت کو عرف عام میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت کی بنیاد پر ''بریلوی'' کہا جاتا ہے۔
>
> (بحوالہ ماہنامہ حجاز، جولائی ۱۹۸۹ء، ص:۵۶)

اس تشریح کے باوجود اب اگر کوئی ہمیں فرقہ کے روپ میں دیکھتا ہے اور اسی حیثیت سے ہمیں مشہور کرتا ہے، تو یقین مانیے ان کی باتوں میں کوئی دم نہیں، وہ صرف ہواؤں میں لٹھ چلا رہا ہے، اصلیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کی غلط باتوں میں عوام و خواص کو آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کس قدر فکر و شعور سے کورا ہے جو ان لایعنی باتوں سے صرف اپنے دل کی بھڑاس نکال

رہا ہے، خواہ ’’البریلویہ‘‘ نامی کتاب کا مصنف مولوی احسان الٰہی ظہیر ہی کیوں نہ ہو؟ ان سے ان لایعنی باتوں کا صدور زیادہ تعجب انگیز نہیں مگر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب کہ ہماری ہی جماعت کے کچھ افراد نے ان باتوں کو سچ تسلیم کر لیا اور اس کے ترک کا مشورہ دے دیا۔

لفظ ’’بریلوی‘‘ کا استعمال کیوں اور کب؟: لفظ ’’بریلوی‘‘ ہم اہل سنت و جماعت کو کہا جاتا ہے اس سے انکار نہیں، خاص طور سے اخبارات اور میڈیا میں ہمیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور کچھ ہمارے دوست بھی کہا کرتے ہیں...... ’’فخر سے کہو ہم بریلوی ہیں‘‘ مگر اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ یہ لفظ ’’بریلوی‘‘ اپنے تمام زاویوں سے غلط ہے؟ اس کے استعمال کی کوئی نہ کوئی جواز ضرور ہے۔ جب ہم مزارات پر حاضری دیتے ہیں، فاتحہ خوانی کرتے ہیں، عرس اور چہلم کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں، چادرو گاگر اپنے سروں پر اٹھاتے ہیں، یا رسول اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں، میلاد کی مجلسوں میں قیام کرتے ہیں، علم غیب اور عالم ما کان وما یکون کا نغمہ داودی چھیڑتے ہیں تو اشاروں اور کنایوں میں ہمیں بریلوی کہا جاتا ہے اور لکھا بھی جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ’’بریلوی‘‘ کوئی فرقہ ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ’’بریلوی‘‘ کہنے کی بنیاد صرف اور صرف عرس و فاتحہ، تیجہ و دسواں اور چہلم، فاتحہ خوانی اور چادرو گاگر ہی ہے۔ ڈاکٹر شارب ردولوی کی یہ تحریر پڑھئے......

> غیر مقلد اور اہل حدیث یا وہابی خیالات کی سخت گیری نے ان کے خلاف ایک جماعت پیدا کی جس کے بانی احمد رضا خاں تھے اور یہ جماعت ’’بریلوی‘‘ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان لوگوں نے سختی کے ساتھ پرانے حنفی خیالات کی تجدید کی اور فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارہویں، عرس، پیر پرستی، قیام، میلاد وغیرہ کو پھر سے رائج کیا، یہ دراصل اہل حدیث اور وہابی کا رد عمل تھا۔ (جدید اردو تنقید اصول و نظریات، ص:۱۱۸)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے بریلوی کہنے کی وجہ صرف اور صرف عرس، فاتحہ خوانی، قیام، میلاد اور پرانے خیالات کی تجدید وغیرہ وغیرہ ہے۔ ان خیالات کی بنیاد پر یہ کہنا کہ ایک

جماعت پیدا کی جس کے بانی احمد رضا خاں تھے، قطعی غلط ہے۔ اس مقام پر شارب ردولوی کے قلم نے زبردست لغزش کھائی کیونکہ یہ ردعمل ہے جو ظاہر ہوتا ہے، پیدا ہونا اس کی صفت نہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر امام احمد رضا خاں کو اس جماعت کا بانی کہا جا سکتا ہے، یہ ردعمل تو برسوں پرانا ہے۔ خود اسماعیل دہلوی کے دور میں ظاہر ہو چکا تھا۔ ردعمل کے طور پر مندرجہ ذیل کتابیں بھی منظر عام پر آچکی تھیں......

(۱) معید الایمان فی الرد علی تقویۃ الایمان، ۱۲۷۱ھ ازعلامہ شیخ مخصوص اللہ علیہ الرحمہ
(۲) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ، ۱۲۴۰ھ ازعلامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ
(۳) سیف الجبار، ۱۲۹۲ھ ازعلامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ
(۴) منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال، ازعلامہ مفتی صدرالدین آزردہ علیہ الرحمہ
(۵) الحق المبین فی الرد علی الوہابین، ازعلامہ شیخ احمد سعید مجددی علیہ الرحمہ

یہ وہ کتابیں ہیں جو وہابیوں کے رد میں لکھی گئیں جن میں ان کے عقائد باطلہ اورافکار فاسدہ کا مدلل انداز میں رد کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جن معمولات اہل سنت و جماعت کی حفاظت وصیانت فرمائی اور جن عقائد وافکار کے تحفظ میں اپنی نوک قلم سے علمی، فکری جواہر ریزے بکھیرے ہیں۔ وہ تمام عقائد وخیالات انیسویں صدی کے نصف آخر میں مسلمانوں کے مابین پائے جاتے تھے نظری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں......

> امرتسر میں مسلم، غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) مساوی ہیں، اسّی سال قبل سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل ''بریلوی حنفی'' کہا جاتا ہے۔
>
> (حجاز دہلی، ماہ جولائی ۱۹۸۹ء، ص:۵۶)

خود شارب ردولوی نے مذکورہ اقتباس میں یہ اعتراف کیا ہے، ان لوگوں نے سختی کے ساتھ پرانے حنفی خیالات کی تجدید کی۔ ذرا سوچئے جو جماعت پرانے حنفی خیالات کی تجدید کرے اور ردعمل کے طور پر علمی مذہبی خدمات انجام دے، وہ نئی جماعت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اوراس

جماعت کا بانی کسی کو کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہاں اس کی مثال اس ماہتاب جیسی ہے جو ابھی بدلی کی اوٹ سے نمودار ہوا ہو اور اپنی نئی آب وتاب سے کائنات کے ذروں کو بقعہ نور بنا رہا ہو، مخالفوں، وہابیوں نے اپنے غلط نظریات سے جس مسلک اہل سنت کو دھندلا کرنے کی کوشش کی اور اس پر پردہ ڈالنے کے لیے جد وجہد کی، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسی سیاہ بادل کو تار تار کیا نیز اپنی فکری، علمی، تحقیقات وتدقیقات اور تلاش وتتبع کے ذریعہ اسے نئی آب وتاب عطا کی اور اس میں نئی جان ڈال دی جو ایک مجدد کی شان ہوتی ہے۔ امام احمد رضا کے دور میں وہابیت، دیوبندیت کا زیادہ زور تھا، مسلک اہل سنت پر پے در پے حملے ہو رہے تھے، ان حملوں کی زد میں عقیدۂ توحید بھی تھا اور عقیدۂ نبوت ورسالت بھی۔ معمولات اہل سنت بھی تھے اور خانقاہی مراسم بھی، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے انھیں حملوں کا دفاع کیا۔ اس دفاعی نظام کو آپ جو چاہیں نام دیں ہم اس کو مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی مسلک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ صرف تعبیر ہے ورنہ اس کی حقیقت تو مسلک اہل سنت ہی ہے حنفی مسلک ہی ہے اور ضابطہ ہے تعبیری الفاظ سے حقائق نہیں بدلتے ہیں تو پھر یہاں بریلوی مسلک کوئی جدید فرقہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی سچ ہے کہ خانقاہی مراسم اور معمولات اہل سنت کی بجا آوری کے سبب ہمیں ''بریلوی'' کہا گیا، جیسا کہ شارب ردولوی کے حوالہ سے ہم ثابت کر آئے ہیں۔ لفظ ''بریلوی'' سے اگر کسی کو الرجی ہو رہی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ انھیں ان تمام معمولات کو ترک کرنا پڑے گا جن کی بنیاد پر یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ کیا خواص وعوام میں سے کوئی بھی اس کے لیے راضی ہو سکتا ہے؟ مخالفین اگر چہ ہمارے لیے جدید فرقہ کے طور پر بریلوی کہتے ہوں مگر ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور خود ان کے اکابر اس کا رد کر چکے ہیں جسے آپ اوپر کی تحریروں میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

لفظ ''بریلوی'' کے استعمال کا امکان و جواز : ہمارے علمائے کرام مسلک اعلیٰ حضرت/بریلوی مسلک کا استعمال تو کرتے آئے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں مگر لفظ ''بریلوی'' کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں۔ اس احتراز کی وجہ ''بریلوی'' کا جدید فرقہ ہونا نہیں بلکہ اس کا اسم منسوب ہونا ہے جو صرف شہر کی طرف کسی کی نسبت ہونے کو واضح کرتا

ہے۔ البتہ عوامی سطح پر اس کا استعمال کہیں کہیں ہوتا ہے، جلسہ وجلوس وغیرہ میں اور بعض تنظیم نے یہ نعرہ دیا...... ''فخر سے کہو ہم بریلوی ہیں''۔ مجھے حیرت ہے عوامی سطح کی اس بولی اور بعض تنظیم کے اس نعرہ کو اس قدر اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟ کہ شعوری طور پر اس کے لیے ایک محاذ کھول دیا گیا۔ کیا دورِ حاضر میں ہر کام سے اہم صرف یہی کام رہ گیا ہے؟ پہلے مولانا وارث جمال صاحب پھر ابوالفیض معینی، پھر مولانا سید رکن الدین اصدق، اس کے بعد مولانا طاہر القادری۔ اس لیے ضروری ہو گیا کہ اس پر بحث کی جائے، اس کے استعمال اور ترک استعمال کے تعلق سے گفتگو کی جائے تاکہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

لفظ ''بریلوی'' کا معنی حقیقی تو وہی ہے جو ہم بتا آئے ہیں یعنی بریلی کا رہنے والا۔ اس استعمال پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا استعمال عرف و عادت میں کیا جاتا ہے اور معنی مجازی کے اعتبار سے اس کی دو صورتیں ہیں......

(۱) معنی مجازی بیک واسطہ (۲) معنی مجازی بدو واسطہ۔

اول الذکر صورت میں معنی مجازی بیک واسطہ سے مراد نظریہ وعمل، اسکول، دبستان اور مکتبۂ فکر سے ہے۔ اس صورت میں ''بریلوی'' سے مراد امام احمد فاضل بریلوی کے وہ علمی، فکری اور مذہبی خدمات ہیں جو وہابی، دیوبندی خیالات کے ردِعمل میں انجام دیے گئے ہیں، یہ استعمال بھی جائز ومباح ہے۔ عرف ولغت اور فکر وعقل کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی قباحت نہیں خود ہمارے ہندوستان میں بھی اس قسم کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ آج تک اس پر کسی نے انگشت نمائی نہیں کی۔ لکھنوی/لکھنویت، دہلوی/دہلویت کو اس کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر دہلی اور لکھنؤ کے شعر وسخن اور اس کی خصوصیات میں لکھنوی/لکھنویت اور دہلوی/دہلویت کے ذریعہ فرق وامتیاز کیا جا سکتا ہے تو پھر حق و باطل، غلط اور صحیح نظریوں کے مابین بریلوی/بریلویت اور دیوبندی/دیوبندیت کے ذریعہ خط امتیاز کیوں نہیں کھینچا جا سکتا ہے؟

ثانی الذکر صورت میں معنی مجازی بدو واسطہ سے مراد وہ افرادِ جماعت ہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی نظریہ وفکر کے حامل ہوں اس استعمال میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، نہ لغت

کے اعتبار سے اور نہ ہی عرف و عادت کے اعتبار سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ہر پڑھا لکھا خود کو علیگ لکھتا ہے اور فارغین کی پوری جماعت اپنے لیے علیگ برادران کا استعمال کرتی ہے۔ اگر مسلک اعلیٰ حضرت کے حاملین اپنی پوری جماعت کے لیے بریلوی جماعت کا نعرہ لگاتے ہیں تو اس میں اس قدر شور وغوغا کیوں؟ یہ اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ اس کے مرتکبین کو معافی نہ دی جائے۔

لفظ ''بریلوی'' کا ترک استعمال اور اس کے وجوہات: جن اہل علم نے لفظ ''بریلوی'' کے ترک استعمال کا مشورہ دیا ہے انھوں نے چند وجوہات بھی ذکر کیے ہیں ان وجوہات پر قدرے بحث کو دل چاہتا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں......

وجہ اول - یہ بتائی گئی کہ اس لفظ کے پسِ پردہ دشمن ہمیں نئے فرقہ کے روپ میں پیش کر رہا ہے، لہٰذا اس لفظ کو ترک کر دیا جائے تا کہ دشمن کو اس کا موقع ہاتھ نہ آئے۔

میرے خیال میں یہ وجہ کچھ زیادہ پائیدار نہیں کیونکہ لفظ ''بریلوی'' دشمن کے منصوبہ کو ثابت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا اطلاق اس سلسلے میں معاون ہو سکتا ہے، لہٰذا اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے اس لفظ ''بریلوی'' سے استدلال دشمن کے لیے اس سے کہیں زیادہ دشواری پیش آئے گی، جو فرہاد کو جوئے شیر جاری کرنے میں ہوئی تھی اور اس بابت ہم گفتگو کر آئے ہیں کہ ''بریلوی'' کا مطلب جدید فرقہ نہیں ہے۔

وجہ دوم - کے تحت یہ بتائی گئی کہ یہ مخالف کا دیا ہوا لقب ہے لہٰذا اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

یہ وجہ اول سے بھی زیادہ کمزور ہے، اس کی حیثیت پانی کے بلبلہ سے بھی کم ہے۔ اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ کسی لقب کے اطلاق سے پہلے اس کے معنیاتی نظام پر غور کرنا چاہیے، اگر وہ مفید اور خوب تر ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس سے نقصان ہو تو قطعی اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دشمن جس معنی کو لے کر ہمیں یہ لقب دے رہا ہے کیا اس لفظ ولقب کا معنیاتی نظام دشمن کے معنی مراد کو ثابت کر رہا ہے، اگر کر رہا ہے تو یقینی طور سے اس لقب کو مسترد کر دیا جائے اور اگر ثابت نہیں کر رہا ہے تو اس کے اپنانے

میں کیا نقصان؟ اسی تناظر میں لفظ ''بریلوی'' اور اس کے معیاتی نظام پر غور کیجیے بات سمجھ میں آجائے گی۔

وجہ سوم - کے ضمن میں یہ بتایا گیا کہ لفظ ''بریلوی'' اہل سنت وسواد اعظم کی تفریق کا باعث ہے۔ یہ تفریق کا باعث کیوں اور کس طرح ہے؟ اسے ثابت کیا جائے حالانکہ ''بریلوی'' ایک ایسا لفظ ہے جس پر تمام افرادِ اہل سنت کو جمع اور متفق ہو جانا چاہیے کیونکہ اس لفظ کے پسِ منظر ''مرکزیت اور عبقری شخصیت کی رعنائیاں'' ہیں جس کے تصور ہی سے فکری نظام میں تازگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور قلب وجگر میں کیف وسرور جب ہم ان کے علمی فیضان سے استفادہ کر رہے ہیں تو پھر اس حقیقت کے اعتراف میں ہچکچاہٹ کیوں ہے؟ آج خانقاہوں میں جو بہاریں ہیں انھیں کی بدولت ہیں، کاش امام احمد رضا فاضل بریلوی فتنۂ وہابیت اور دیوبندیت کو نہ روکے ہوتے تو آج زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اگر اعتراف حقیقت میں نفسیاتی الجھنیں آڑے آرہی ہیں تو اس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ لفظ ''بریلوی'' کا استعمال تو باعث تفریق نہیں ہے۔ البتہ اسے جماعت کے لیے سم قاتل بتانا، گردن کی طوق قرار دینا اور سختی کے ساتھ اس کے استعمال کو منع کرنا ضرور باعث تفریق ہے۔ زندگی کے خاموش سمندر میں آپ نے قلم کی ایک جنبش سے ایسی اُچھال پیدا کر دی جو ملت کے اتحاد کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور افراد ملت کے دلوں میں کرب و اضطراب انگڑائی لے سکتا ہے۔ خدارا اندیشوں کے ہشت بہشت میں آشیاں نہ بنائیں۔ کبھی حقیقت وصداقت کی خاردار وادیوں کی بھی سیر کریں۔ جہاں تک عالمی منظر نامہ اور دیار عرب کی بات ہے اس سلسلے میں عرض ہے میں مانتا ہوں یہاں ہماری امیج خراب اور حالت خستہ ہے۔ ہماری کتابوں اور کنزالایمان پر پابندی عائد ہے، اس کی وجہ صرف ایک منصوبہ بند تحریک ہے جو دھیرے دھیرے کام کر رہی ہے۔ اس تحریک کا مقصد صرف ''اہل سنت وجماعت'' کو زک پہنچانا ہے اور حق وصداقت کی آواز کو پابہ زنجیر کرنا ہے اور اہل محبت کو قسم قسم کی اذیتوں میں مبتلا کرنا ہے۔ اسی سازش کے تحت ہم اہل سنت کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس میں لفظ بریلویت یا مسلک اعلیٰ حضرت کے اطلاق کا کوئی دخل نہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے لفظ 'بریلویت' کے سبب ہی ہماری یہ

درگت بنی، تو بتایا جائے کنزالایمان پر پابندی عائد کرنے سے پہلے قصیدہ بردہ شریف اور دیگر کتابوں پر بھی پابندی عائد کی گئی تھی۔ حالانکہ اس وقت بریلویت/مسلک اعلیٰ حضرت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کیا اس وقت اہل سنت وجماعت کی امیج خراب نہ تھی؟ ہماری حالت خستہ نہ تھی؟ اُس دور اور آج کے دور میں کیا فرق ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ نجدی، وہابی حکومت پہلے ہی سے ہمارا مخالف ہے، وہ مخالفت نہیں کرے گی تو کیا ہمیں ''تاج زریں'' سے نوازے گی۔ اس نزاعی معاملہ میں بریلوی تحریک کا کوئی رول ہے ہی نہیں۔ خواہ مخواہ اس لفظ کو گھسیٹا جا رہا ہے۔ اب رہی ان اصحاب فکر ورائے کی بات جو ہمارے فکر ومزاج سے ہم آہنگی تو رکھتے ہیں مگر بریلوی تحریک/مسلک اعلیٰ حضرت سے بدکتے ہیں۔ میرے خیال میں اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ وہ سائنٹفک اندازِ فکر سے کام نہیں لے رہے ہیں یا پھر کسی کے زیر اثر ہونے کے سبب حق بات کے اعتراف میں پس وپیش سے کام لے رہے ہیں۔ انھیں مجاہدانہ کردار وعمل سے کام لینا چاہیے۔ حق بات اور سچا قول جس صورت میں بھی ملے اسے قبول کر لینا چاہیے۔ خواہ ان اصحاب رائے کا تعلق کسی خانقاہ سے ہو یا کسی علمی دانشگاہ سے۔ وقت کا اہم تقاضا یہی ہے کہ ہم لفظوں کے صحراؤں میں بھٹکنے کے بجائے اپنی بگڑی امیج کو سدھارنے کے لیے نئے عہد وپیماں کریں۔ نئی اور تازہ کوششوں میں لگ جائیں۔ البریلویہ نامی کتاب واقعی خطرناک ہے، اس کا جواب دینا چاہیے۔ وصال سے تقریباً دو سال قبل عرس کے موقعہ پر مارہرہ مقدسہ میں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی تھی، مذکورہ کتاب کا تذکرہ چھڑ گیا۔ اس سلسلہ میں علامہ موصوف نے ارشاد فرمایا تھا...... ''بس میری زندگی کی آخری خواہش یہ ہے میں البریلویہ نامی کتاب کا جواب لکھوں''۔ حضرت کی یہ خواہش پوری تو نہ ہوئی، شاید ہماری جماعت کا کوئی فرد عظیم اس خواہش کو عملی روپ دیدے کیونکہ اب تک جس قدر جوابات منظر عام پر آئے ہیں وہ ناکافی ہیں۔ اس کے لیے بلند حوصلہ، پختہ عزم وارادہ چاہیے مگر یہ کیسا انقلاب ہے؟ کہ عزم وحوصلہ والے افراد تاثراتی کیفیات سے دوچار ہو رہے ہیں اور خود اپنی جماعت کو کوس رہے ہیں۔

ترک استعمال اور اس کے مضر اثرات : یاران نکتہ داں نے مشورے تو دیدیئے کہ بریلوی کا استعمال نہ کیا جائے مگر اس کے انجام اور مابعدیت اثرات پر غور نہیں کیا۔ سماجی زندگی پر اس کے ترک سے جو مضر اثرات پڑیں گے اس کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا۔ ذیل میں یہی مضر اثرات بیان کیے جارہے ہیں......

"شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات"

(۱) عرف وسماج میں "بریلوی" کو خوش عقیدہ مسلمانوں کی علامت اور پہچان تصور کی جاتی ہے اور دیوبندی، وہابی، نجدی کو بدعقیدہ کہا جاتا ہے۔ اگر یہ علامت ختم کردی جائے تو ہماری شناخت کس لفظ سے ہوگی؟ کیا ہم سماج کے اس ازدہام میں گم نہ ہو جائیں گے؟ ارے بھئی، چیزیں تو اپنی علامتوں سے ہی جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔

(۲) جیسا کہ کہا گیا "بریلوی" دیوبندی اور وہابی کا ردعمل ہے اور ردعمل، عمل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اولاً ہم انھیں دیوبندی، وہابی، تبلیغی کہنا بند کریں، ثانیاً خود کو بریلوی کہنا ترک کریں۔ اس طرح سے ترک استعمال کا پورا پورا فائدہ حزب مخالف کو پہنچتا ہے، اس سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا کہ ہم اپنی جان جوکھم میں ڈالیں اور خود کو سماجی زندگی میں گم کردیں۔

(۳) بریلوی/ بریلویت کے ترک استعمال کا مطلب مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی مسلک کو بھی ترک کرنا ہوگا کیونکہ یہ سب الفاظ مترادفہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا ترک دوسرے کے ترک کو مستلزم اور اگر مترادف نہیں ہیں تو ان تینوں لفظوں میں کیا فرق وامتیاز ہے، بیان کریں۔

(۴) ترکِ استعمال کا مشورہ صرف ہم سے ہے یا مخالفین سے بھی ہے ہمیں یہ مشورہ اس وقت مفید ہوتا جب ہم اس لفظ کا استعمال ہر صورت میں کرتے اور ہماری جماعت کے تمام افراد کرتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ استعمال بہت کم ہوتا ہے اور وہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب تقابل کی صورت آپڑتی ہے ورنہ ہم تمام لوگ خود اہل سنت و

جماعت ہی کہتے ہیں اور مخالفین کو یہ مشورہ بھی مفید نہیں کیونکہ وہ کبھی بھی بریلوی کا ترک نہیں کریں گے کہ ہمارے اکابرین اپنی کتابوں میں وہابی نجدی، دیوبندی لکھ چکے ہیں اور اگر ان کتابوں سے ان لفظوں کو باہر نکال پھینکتے ہیں تو جماعتی وفاداری داؤں پر لگ جائے گی اور پھر یہ الزام بھی عائد ہوگا کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

دیدۂ بینا اور وقت کی اہم ضرورت : ہاں دورِ حاضر میں اسی دیدۂ بینا کی ضرورت ہے جو کسی مسئلہ کے اظہار سے قبل اس کے پس منظر اور پیش منظر کے تمام اور پورے حالات وکوائف پر نظر عمیق رکھے اور ایک ادنیٰ سے قطرہ میں سیل رواں کو بھانپ لے۔ اس دیدۂ بینا کا اظہار ہمارے اکابر اور زمانہ قریب میں علامہ مشتاق احمد نظامی اور رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری نے کیا تھا۔ اس کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ذیل کی تحریر میں بھی نظر آتا ہے میں اپنی یہ تحریر شیخ الاسلام حضرت علامہ مدنی میاں صاحب قبلہ کی اس مکتوب پر ختم کر رہا ہوں، مکتوب کی تحریر ملاحظہ فرمائیں......

> ''وہ مقدس ہدایت یافتہ ونجات دہندہ جماعت حضور آیۂ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے **ما انا علیہ و اصحابی** سے جس کی پہچان کرائی اور **یداللّٰہ علی الجامعہ** فرما کر جس کا تعارف کرایا، اسی جماعت کو ہندو پاک کے ایک بڑے حصہ میں بریلوی کہا جاتا ہے۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت وعظمت اور ان کی رفعت شان اس گوشے کو نمایاں کرتا ہے جو مجددین سابقین کی صف میں آپ کی ذات کو منفرد وممتاز کر دیتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ لفظ ''بریلویت'' کو غیر شعوری طور پر سہی، سنیت کے ہم معنی ایک وسیع مفہوم میں استعمال کے آغاز کا سہرا خود منکرین عظمت نبوت کے سر ہے جنھوں نے تقدیس رسالت کی نفی ہی کو توحید الٰہی سمجھ رکھا ہے۔ اب کوئی اشاعرہ سے ہو یا ماتریدیہ سے، حنفی یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی اگر وہ صحیح طور پر

مسلک اہل سنت و جماعت پر گامزن ہے مذکورۃ الصدر مروجہ اصطلاح کی روشنی میں بریلوی ہے۔اب بریلوی ہونے کے لیے فاضل بریلوی کی ذاتِ گرامی تک کسی کے سلسلۂ علمی یا سلسلہ نسبی یا سلسلہ بیعت وارشاد کا پہنچنا یا شہر بریلی میں مقیم رہنا ضروری نہیں رہ گیا۔اسی لیے ایسوں کو بھی بریلوی کہا گیا جس نے عمر بھر بریلی شریف کو خواب میں بھی نہ دیکھا نیز جس کا علمی یا نسبی یا کسی دوسری طرح کا کوئی سلسلہ فاضل بریلوی تک نہیں پہنچتا بلکہ جہاں فاضل بریلوی کی آواز تک نہیں پہنچتی۔اس اصطلاح نے بریلویت کو وہاں تک پہنچا دیا۔اب اس دنیا کا ہر فرد بریلوی ہے جو مسلک اہل سنت پر واقعی طور سے گامزن ہے۔غور فرمایئے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے۔از اول تا آخر مقلد رہے،ان کی ہر تحریر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی صحیح ترجمان رہی۔نیز سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے ارشادات اور مسلک اسلاف کو واضح طور پر پیش کرتی رہی ہے وہ زندگی کے کسی گوشہ میں ایک پل کے لیے بھی سبیل مومنین صالحین سے نہیں ہے"۔

اب اگر ایسے عالم دین کے ارشادات حقانیہ اور توضیحات وتشریحات پر اعتماد کرنے والوں،انھیں حق سمجھنے والوں اور دلائل وبراہین کی روشنی میں انھیں سلف صالحین کی روش کے مطابق یقین کرنے والوں کو بریلوی کہہ دیا گیا تو کیا بریلویت وسنیت کو مترادف المعنی نہیں قرار دے دیا گیا؟ اور کیا بریلویت کے وجود وآغاز سے پہلے ہی تسلیم نہیں کیا گیا،المختصر ہمارے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عظمت وشان اور بارگاہ خدا ورسول میں ان کی مقبولیت کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کی ذات گرامی تو بڑی چیز ہے۔ان کی شہر کی طرف اپنی ذات کو منسوب کرنا اہل ایمان اور اس کے عاشق رسول ہونے کی دلیل بن گئی۔اب میں الحمدللہ مسلکاً حنفی،نسباً جیلانی،مشرباً اشرفی اور وطناً کچھوچھوی

ہونے کے باوجود اپنے کو بریلوی کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی

محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاوتکریما

(بحوالہ حجاز جدید دہلی بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۸۹ء)

ارباب فکر ودانش سے درخواست ہے ایک طرف امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات و شخصیت کو رکھئے اور دوسری طرف ان کی علمی، مذہبی، فکری خدمات اور پھر بتایئے علامہ مدنی میاں صاحب قبلہ کا یہ مکتوب گرامی صرف عقیدت وارادت سے لبریز ہے یا اس میں واقعیت اور اصلیت بھی ہے؟ انصاف ودیانت کے تناظر میں اہل فکر فیصلہ کریں نیز غالبؔ کے فکرومزاج سے ہم آہنگ، ذہن ودماغ اور اُداس چہروں پر عود کرآنے والی رونق و بہار کے بارے میں کیا کہا جائے گا کہ......

ان کے آنے سے جو آجاتی ہے منھ پہ رونق
لوگ سمجھتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

کیا یہ بھی عقیدت ہے یا اس میں کچھ سچائی بھی ہے، اب فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ بریلوی، اہل سنت وجماعت کا علامتی نشان ہے۔ اس پر حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ہر دور میں سواد اعظم کا کوئی نہ کوئی علامتی نشان رہا ہے، کبھی موزوں پر مسح کرنا تو کبھی مرتکب کبیرہ کی تکفیر نہ کرنا، کبھی قرآن کو قدیم اور اللہ کی صفت کو قدیم ماننا وغیرہ وغیرہ، کبھی رجال کی شناخت حق کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی حق کی شناخت رجال کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اس کا انحصار زمانہ کے فکرومزاج اور حالات وکوائف کی سرشت پر ہے۔ **ما انا علیہ اصحابی اتبعوا السواد الاعظم** سے رجال کے ذریعہ ہی حق کی شناخت ہورہی ہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ کی اتباع وپیروی میں ہی حق کا ہونا مذکورہ نظریہ کو واضح کررہا ہے۔ رجال کے ذریعہ حق وصداقت کی شناخت صرف اس دور کی

خصوصیت نہیں جس پر حیرت کا اظہار کیا جائے۔

بیشک ''بریلوی'' کوئی فرقہ نہیں یہ حقیقت نفس الامری ہے، اپنے اور اغیار بھی اس بات پر متفق ہیں، خود فرقہ باطلہ سے تعلق رکھنے والے افراد و اشخاص بھی اپنی تحریروں میں وضاحت کر چکے ہیں اور ہم اپنے مضمون لفظ ''بریلوی'' فکر و تنقید کے تناظر میں (الف) میں بھی ثابت کر چکے ہیں مزید وضاحت کے لیے دیکھئے ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف بابت جون ۲۰۰۱ء اور ماہنامہ سیارگان بمبئی بابت جولائی ۲۰۰۱ء۔ اس روشن حقیقت کے باوجود اگر کوئی اسے ''جدید فرقہ'' کے طور پر بین الاقوامی سطح پر متعارف کرانے کی کوشش کر رہا ہے تو یہ چمکتے سورج پر تھوکنے کے مترادف ہوگا اور ہماری یہ ذمہ داری ہوگی کہ ہم مخالف کی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں خواہ تقریر سے ہو یا تحریر سے مگر ہماری جماعت کا زبردست المیہ یہ ہے کہ ہم غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے بجائے کچھ ایسے عوامل انجام دے رہے ہیں جن کا زبردست فائدہ مخالف کو پہنچ رہا ہے اور ہماری جماعت، انتشار و افتراق سے دوچار ہو رہی ہے، وہ عوامل درج ذیل ہیں جن پر بعد میں گفتگو کی جائے گی......

(۱) ہمارا قصور بس اتنا ہے کہ صرف ایک نام اعلیٰ حضرت بریلوی کا ہم کو یاد رہا اور ہر موقع پر ہماری زبانوں پر یہی نام آتا رہا، اس کا نتیجہ سامنے یہ آیا کہ ہماری نئی نسل یہ سمجھ بیٹھی کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ امام احمد رضا بریلوی کا ہے ان کے پہلے اور بعد والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

(۲) لفظ ''بریلوی'' کی آڑ میں دشمن کی طرف سے ہمیں نیا فرقہ قرار دینے کی کوشش نہ بھی ہوتی تو بھی یہ لفظ جماعت کے لیے سم قاتل ہے۔

(۳) یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ لفظ ''بریلوی'' جماعتی تعصب کے نتیجہ میں دیا نبہ اور وہابیہ کی طرف سے دیا ہوا ایک خطاب نامحمود ہے جسے اندھی عقیدت کے نتیجے میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر قبول کر لیا گیا ہے۔

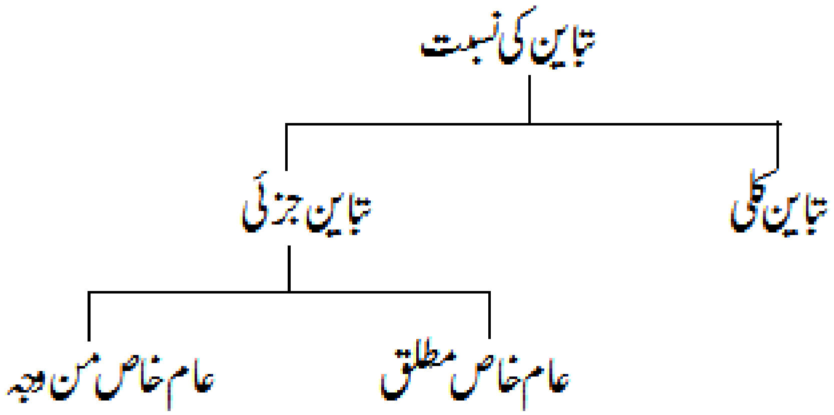
یہ وہ عوامل ہیں جنھیں حضرت سید رکن الدین اصدق کے حوالہ سے ماہنامہ

سیارگان ممبئی بابت جون ۲۰۰۶ء میں بیان کیے گئے ہیں۔ان عوامل پر بحث سے قبل یہ تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ لفظ ''بریلوی'' کا کیا مفہوم ہے اور اہل سنت و جماعت سے اس کا تعلق کس قسم کا ہے۔

لفظ ''بریلوی'' اور اس کا معنی و مفہوم : اس بحث وتمحیص کے دوران جب بھی لفظ ''بریلوی'' کا استعمال ہوگا اس سے صرف وہ معنی مراد لیا جائے گا جو مجاز متعارف کی حیثیت رکھتا ہے اور مجاز متعارف میں اس قدر وسعت کشادگی اور معنویت پائی جاتی ہے کہ معنی حقیقی بھی اس کا ایک فرد نظر آتا ہے۔عرف عام بھی اسی پر دال ہے اور عرف خاص بھی کہ جب بھی لفظ ''بریلوی'' کا اطلاق ہوتا ہے ذہنی طور پر وہی افراد مراد لیے جاتے ہیں جو اہل سنت و جماعت اور سواد اعظم سے تعلق رکھتے ہیں اور ارباب صدق وصفا میں یہ تبادر ذہنی بلا وجہ نہیں، بلکہ کچھ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے......

اولاً – اہل سنت و جماعت اور لفظ ''بریلوی'' کے مابین تساوی کی نسبت پائی جاتی ہے جو طرد وعکس کا متقاضی ہے جس کے نتیجہ میں دو قضیے موجبہ کلیہ متفاہم ہوتے ہیں یعنی ہر سنی بریلوی ہے اور ہر بریلوی سنی ہے۔

ثانیاً– بالفرض اگر نسبت تساوی تسلیم نہیں کی جاتی ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان دونوں میں تباین کی نسبت ہے اور تباین کی نسبت تین صورتوں میں پائی جاتی ہے۔تفہیم کے لیے نقشہ ذیل کا مطالعہ کریں......



تباین کلی –اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہل سنت وجماعت اور بریلوی کے مابین

کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کا مرجع سالبہ کلیہ ہے اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کوئی سنی بریلوی نہیں اور بریلوی سنی نہیں، یہ مفہوم حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔عوام وخواص میں سے کسی کی اصطلاح اس کا متقاضی نہیں تو پھر یہ معنی مراد بھی نہیں لیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ ہمیں نیا فرقہ قرار دے رہے ہیں ان کا مطمح نظر یہی تباین کلی ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا جو مفہوم حقیقت اور اصطلاح کے خلاف ہو اسے بین الاقوامی طور پر کس طرح شہرت مل رہی ہے اور لوگ بریلوی کو جدید فرقہ کیوں سمجھ رہے ہیں؟ جہاں تک اوشا سانیال کی بات ہے یہ ان کا قصور فہم ہے کہ وہ بریلوی کو ایک فرقہ کے روپ میں دیکھ رہی تھیں، فن تحقیق کے اعتبار سے اس موضوع پر پہلے بحث ہونی چاہیے، اس کے بعد کہیں ریسرچ کا نمبر آتا ہے۔اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انفرادی قصور فہم کو ملی اور جماعتی عوامل کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے۔حد تو یہ ہے کہ اکابر علما کے دامن تقدس پر بھی سیاہ دھبے دیکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تباین جزئی - اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت اور بریلوی دونوں کسی نہ کسی مقام پر جمع ہوں گے۔عام خاص مطلق اور عام خاص من وجہ دونوں صورتوں میں تباین جزئی لازم آتا ہے۔عام خاص مطلق کی نسبت کے سبب تین قضیے مرتب ہوں گے......

اول- ہر بریلوی سنی ہے

دوم- بعض سنی بریلوی ہے

سوم- بعض سنی بریلوی نہیں

دیکھئے قضیہ سوم میں سنی ہے مگر بریلوی نہیں، یہی تباین جزئی ہے۔عام خاص من وجہ کی صورت میں چار قضیے نکلتے ہیں...... دو موجبہ، دو سالبہ مگر چاروں قضیے جزئیہ ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی کلیہ نہیں ہو سکتا جن کی تفصیل اس طرح ہے......

اول- بعض بریلوی سنی ہے

دوم- بعض بریلوی سنی نہیں

سوم- بعض سنی بریلوی ہے

چہارم- بعض سنی بریلوی نہیں

ان قضیوں میں سے قضیہ دوم کہ بعض بریلوی سنی نہیں اور قضیہ چہارم یعنی بعض سنی بریلوی نہیں، ان دونوں قضیوں سے تباین جزئی ثابت ہوتی ہے۔ قضیہ دوم کہ بعض بریلوی سنی نہیں، قطعی کذب پر مبنی ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش انسان اس کو ماننے کو تیار نہیں، اب رہی بات قضیہ چہارم کی کہ بعض سنی بریلوی نہیں، یہ قضیہ لائق تسلیم نہیں۔

اولاً- یہ کہ بریلوی کے معنی مجاز متعارف کے خلاف ہے

ثانیاً- تبادر ذہنی اس کا متقاضی نہیں۔

ثالثاً- ہندوستان میں دو ہی مکتبہ فکر ہیں، بریلوی اور دیوبندی

اگر بعض سنی بریلوی نہیں تو پھر کیا............... ہے؟

اگر کوئی اپنے آپکو "بریلوی" نہیں کہتا ہے تو نہ کہے، مگر عوام الناس اور علما کی نظر میں وہ بریلوی ہے اور "بریلوی" رہیگا اور بریلوی ہی سمجھ کر لوگ ان سے رابطہ بنائے ہوئے ہیں۔ نفسیاتی کرب واضطراب اور "پدرم سلطان بود" کے زعم میں لوگ کب تک متصادم رہیں گے۔

اس تفصیلی وضاحت سے ثابت ہو چکا کہ اہل سنت و جماعت اور "بریلوی" کے درمیان نہ تباین کلی ہے اور نہ ہی تباین جزئی ہے۔ ہاں صرف نسبت تساوی ہے جو ان دونوں کے مابین پائی جاتی ہے جس کے نتیجے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ ہر سنی بریلوی ہے اور ہر بریلوی سنی ہے اس اعتبار سے بریلوی کسی نئی پگڈنڈی کا نام نہیں بلکہ جس قدر اہل سنت و جماعت کا پلیٹ فارم وسیع و کشادہ ہے اسی قدر بریلوی کا پلیٹ فارم بھی وسیع اور کشادہ ہے۔ مجھے افسوس ہے ان دانشوران قوم وملت پر جو فکر وفن سے پرے ہٹ کر اور دانشوری کی روایات کو نظر انداز کر کے خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ لفظ "بریلوی" کی موجودہ حیثیت، وسعت، معنویت اور جاذبیت کو تاریخی پس منظر کے دھندلکوں میں روپوش کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیسا فکر وفن ہے؟ یہ منفی روش کی اثر انگیزی ہو سکتی ہے مگر مثبت اور سائنٹفک انداز فکر کا جلوہ رنگیں نہیں۔ شاید ہمارے علما لفظ "بریلوی" کے معاملے میں لفظوں کے فلسفیانہ عوامل اور اس کے معنیاتی نظام کے اخذ وعطا کو فراموش کر رہے ہیں۔ کیا انھیں نہیں معلوم؟

کوئی لفظ تاریخ کے پہلو سے نمودار ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ تعبیری انسلاکات سے جذب وکشش، وسعت ومعنویت اپنے پیکر میں سمولیتا ہے اور پھر نئے معنیاتی نظام کا ایک فرد بن کر قوس وقزح کی رنگینیوں کو جنم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ لفظوں کے تاریخی پس منظر اور اس کی موجودہ معنیات میں آسمان وزمین کا فرق دکھائی پڑتا ہے مثلاً تماشا عربی وزبان ادب کا لفظ ہے جس کا مادہ -م+ش+ ی=مشی ہے۔ اس کا ابتدائی معنی چلنا ہے۔ جب اسی مشی کو باب تفاعل سے لایا گیا تو تماشی ہوا اور کثرت استعمال سے تماشا ہو گیا جس کا معنی باہم چلنا قرار پایا، جو لوگ تعبیری انسلاکات سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں لفظ تماشا صرف چلنے اور باہم چلنے تک ہی محدود نہ رہا۔ آئے دن اس میں نئے معنی کا اضافہ ہوتا رہا، کچھ اضافے فارسی زبان وادب میں ہوئے اور کچھ اردو زبان وادب میں، اب تک لفظ تماشا سے جو معانی مراد لیے گئے ہیں درج ذیل ہیں:

(۱) دوستوں سمیت سیر وتفریح کرنا

(۲) دلفریب نظاروں کو دیکھنا

(۳) حیرت انگیز حالات کا مشاہدہ کرنا

(۴) محبوب کی طرف اشتیاق سے دیکھنا

(۵) پردوں کی اوٹ سے دیکھنا

(۶) رخ یار کے جلووں سے لطف اندوز ہونا

دیکھیے لفظ تماشا کا تاریخی پس منظر کس قدر محدود ہے مگر اس کی موجودہ حیثیت کس قدر وسیع وکشادہ ہے ٹھیک اسی طرح لفظ "بریلوی" کہ اس کا تاریخی پس منظر کچھ بھی رہا ہو، خواہ جماعتی تعصب یا جدید فرقہ ثابت کرنے کا فاسد نظریہ، لیکن اس کے اندر موجودہ استعمال میں جو وسعت، معنویت اور دلپذیری پائی جاتی ہے اسے کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی تاریخی پس منظر کی دھندلکوں میں اسے روپوش کرنا چاہے تو میرے خیال میں اس کی عظمت ووقار کو مجروح کرنا ہوگا اور انصاف ودیانت کا ناحق خون، لفظ "بریلوی" کے ساتھ یہ منفی کردار لائق اعتنا نہیں۔

لفظ ''بریلوی'' کے ساتھ جومنفی رویہ اپنایا جارہا ہے یہ ہماری جماعت کا زبردست المیہ ہے اورفکری دیوالیہ پن کا اعلیٰ نمونہ بھی، کاش ہمارے قلمکاروں نے فکری توازن سے کام لیا ہوتا، تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ لفظ ''بریلوی'' میں معنیاتی نظام کے تحت مجاز متعارف کی صورت میں جس معنی کا اضافہ ہوا اور تبادر ذہنی سے جو معنی ذہن میں آتا ہے شدت کے ساتھ اس معنی میں اس کا استعمال کرنا چاہیے مگر کچھ خانقاہوں اور علمی خاندانوں نے جوش تعصب میں اسے نہیں اپنایا۔ اسی جذبۂ انحراف کے بوتے مخالف کو البریلویہ نامی کتاب لکھنے کا حوصلہ ملا اور بین الاقوامی سطح پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی کیونکہ ایک ادنیٰ سا رساؤ بھی مضبوط دیواروں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے تو پھر یہ جذبۂ انحراف ملی انتشار اور جماعتی تفریق کا باعث کیوں نہیں ہوسکتا۔ خدارا خود کو سنبھالیے اور بریلوی کو بطور علامت استعمال کیجیے تاکہ ملی انتشار نہ ہو سکے اور صلح کلیت سے ہم سب بچ سکیں ورنہ اس کے نتائج بھیانک اور زبردست خطرناک ثابت ہوں گے کیونکہ عالمی تنظیمیں اس کوشش میں جٹی ہوئی ہیں کہ مسلمانوں کے رگ و پے میں فرق باطلہ کے رد کا جو جذبہ ہے اسے ختم کر دیا جائے اور حق و باطل کے مابین جو خط امتیاز ہے اسے ہٹا دیا جائے، اب ذرا ان عوامل و اسباب کی طرف توجہ مبذول کریں جو لفظ ''بریلوی'' کے تعلق سے اٹھائے گئے ہیں اور مضمون کے شروع میں جن کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔

عوامل (۱) ہمارا قصور ...... کوئی حصہ نہیں: اس پیراگراف میں صرف دو باتوں کا ذکر ہے......

(۱) صرف ایک نام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یاد رہا۔

(۲) نئی نسل یہ سمجھ بیٹھی کہ اس زمانہ میں جو کچھ ہے صرف اعلیٰ حضرت کا ہے۔

اس پیراگراف کے تعلق سے میرا کہنا یہ ہے کہ اکابر اہل سنت کی ایک لمبی فہرست ہے جو ماہنامہ کنزالایمان کے سرورق ہر ماہ شائع ہوا کرتی ہے۔ صرف اعلیٰ حضرت کا نام یاد کیوں رہا؟ بہتر یہی تھا کہ یہ مدعا اٹھایا ہی نہیں جاتا، ہر سنی مسلمان کو اس بارے خود فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس میں کس کا کتنا قصور ہے؟ اس سلسلے میں چند باتیں درج ذیل ہیں......

اولاً - امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت مرکزی حیثیت کی حامل ہے اور محیط اپنے مرکز سے دوری اختیار نہیں کر سکتا۔

ثانیاً - امام احمد رضا کی علمی خدمات ہی دبستان کی حیثیت رکھتی ہیں بقیہ اکابر اہل سنت کی علمی خدمات سے انکار نہیں، مگر اسے وہ مقام حاصل نہیں جو محقق بریلوی کی علمی خدمات کو حاصل ہے۔

ثالثاً - دیگر اکابر کی علمی خدمات اشاعت سے محروم رہیں اور اگر اشاعت ہوئی بھی تو اس کی معتد بہ اشاعت نہ ہو سکی۔

رابعاً - ان اکابر کے وارثین اور متعلقین نے خود ان کے علمی خدمات کو اہمیت نہیں دی، ہاں بیعت و ارشاد کو لازوال دولت سمجھ کر اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔

خامساً - یہ ایک فطری اور طبعی لگاؤ ہے، خواہ قرب زمانہ کے سبب ہو یا کسی اور وجہ سے، اسے فکر و شعور کے دائرہ میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔

سادساً - ایسا قطعی نہیں ہے کہ صرف ایک ہی نام یاد رہا اور بقیہ اکابر کو فراموش کر بیٹھے حسب ضرورت ان کی شخصیت اور ان کی تحریر بطور سند پیش کی جاتی رہی ہے اور آج بھی پیش کی جا رہی ہے۔ ہاں موقع و محل کے لحاظ سے ان کا نام لیا جاتا ہے۔

جہاں تک نئی نسل کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ آج جو کچھ بھی ہے امام احمد رضا کا ہے بقیہ لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں، یہ سوچ کسی بھی فرد کی نہیں۔ پتہ نہیں یہ غلط سوچ آپ کے مبارک ذہن میں کہاں سے آ گئی؟ اس پر ایکشن لینے کی ضرورت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ امام احمد رضا کی ذات و شخصیت عشق پاکباز کی علامت بن چکی ہے۔ اس لیے عوام کے ذہن و دماغ میں ان کا نام اور شخصیت بیٹھ گئی ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست

اسے اندھی عقیدت اور کورانہ تقلید سے تعبیر کرنا، منصب علم کا مذاق اڑانا ہے اور اپنی جماعت کے ہزاروں افراد کے علم و یقین کو زک پہنچانا ہے۔ اس طرح دلوں کو توڑنا کوئی اچھی

عادت نہیں۔

عوامل ۲ کے لیے اس مضمون کے پہلے حصہ کا مطالعہ کریں اور عوامل ۳ کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ بالفرض مان لیا جائے کہ "بریلوی" کہنے کی وجہ جماعتی تعصب ہے، تو مخالف یہ بھی کہہ سکتا ہے دیوبندی کہنے کی وجہ بھی جماعتی تعصب ہے اور ان کی طرف سے یہ جوابی حملہ براہ راست اکابر اہل سنت پر ہوگا، دیوبندی تو الگ چیز ہے۔ ہمارے اکابر نے انھیں جماعتی تعصب کی بنیاد پر کافر بھی نہیں کہا بلکہ اس کی وجہ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور یہ اعتراف خود دیوبندیوں کے اکابر نے کیا جو اہل علم سے مخفی نہیں۔ میرے دوست! دانشوری یہ نہیں کہ اپنی باتوں اور تحریروں میں اکابر کی گردنوں کو پھنسا دیں۔ میں سمجھتا ہوں جس سادہ جذبہ کے تحت انھیں دیوبندی کہا گیا بعینہٖ اسی طرح انھوں نے ہمیں بریلوی کہا، یہ ہماری قسمت اور نصیب ہے کہ لفظ بریلوی ہمارے لیے بطور علامت استعمال ہونے لگا اور مخالفین اپنے لیے لفظ دیوبندی کو گالی سمجھنے لگے۔ لہٰذا بریلوی کا پس منظر جماعتی تعصب نہیں بلکہ اس کی حیثیت جواب آں غزل کی ہے، جو بعد میں ایمان والوں کی علامت بن گیا اور اہل سنت و جماعت کا مترادف ہوگیا، جس طرح ہم پہلے اپنے آپ کو سنی حنفی کہتے تھے۔ اب زمانہ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں ایک اور لفظ بریلوی کا بھی اضافہ کریں اور یوں کہیں سنی حنفی بریلوی چونکہ بریلوی سنیت کے ہم معنی ہے، اس لیے بریلوی حنفی بھی کہا جاسکتا ہے۔ ترتیب القاب میں بریلوی کی پیوندکاری بے جوڑ نہیں بلکہ اس سے مزید خوبصورتی پیدا ہوگئی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ حقیقت بیں نگاہ سے اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس دوران تعصب اور عصبیت کو کوسوں دور رکھ چھوڑا جائے۔ اسی پر میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں، شاید اصلاح کی کوئی راہ ہموار ہوسکے۔

کیا اہل سنت و جماعت کو "بریلوی" کہنا نادانی ہے؟:

برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش اور دوسرے ممالک میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو بریلوی کہا جاتا ہے اور لفظ "بریلوی" کے اطلاق سے اہل سنت و جماعت ہی متبادر ہوتا ہے۔ کیا یہ تعبیر اور تبادر ذہنی کسی نادانی اور جہل پر مبنی ہے؟ یا پھر اس کے بھی کچھ اہم وجوہات ہیں۔ ان تمام حقائق و بصائر کو جاننے کے لیے ہمیں تاریخی پس منظر میں جانا ہوگا، اس کا سہارا لیے بغیر کچھ کہنا مشکل

ہے۔ مگر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ لفظ ''بریلوی'' اہل سنت و جماعت کے لیے بطورِ علامت استعمال ہوا ہے اور یہ استعمال کسی ایرے غیرے نے نہیں کیا ہے بلکہ ہماری جماعت کے ان دانشوروں نے اسے علامتی نشان قرار دیا ہے۔ جن کے علم وفن اور شعور و ادراک پر ہماری جماعت ناز کرتی ہے۔ اس عظیم شخصیت نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ بریلوی اہل سنت و جماعت کے مساوی ہے یعنی جو سنی ہے وہ بریلوی ہے اور جو بریلوی ہے وہ سنی ہے۔ جب یہ دونوں لفظ معنیٰ و مصداق میں متساوی ٹھہرے تو پھر لفظ ''بریلوی'' میں جدید کا معنیٰ کہاں سے ٹپک پڑا؟ میں سمجھتا ہوں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کو بریلوی کہنا ٹھوس حقائق پر مبنی ہے جو درج ذیل ہیں......

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جو حالات پیدا ہوئے، جو دشواریاں پیش آئیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ انگریزوں نے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، علماء فضلا قتل کر دیے گئے، تختہ دار پر لٹکا دیے گئے یا پھر جزیرۂ انڈمان بھیج دیے گئے۔ بہادر شاہ ظفر کو ناشتہ میں خودان کے فرزندوں کے سر پیش کیے گئے اور سیکڑوں کی تعداد میں قرآن پاک بھی نذر آتش کر دیے گئے۔ ان مظالم کا صرف یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں کا حوصلہ توڑ دیا جائے۔ ان کی فولادی قوتیں پامال کر دی جائیں کیونکہ علما اور دانشوروں کے نہ رہنے کی وجہ سے ملت کے نوجوان ان سوکھے پتوں کی مانند ہو جاتے ہیں جنھیں ہواؤں کا ادنیٰ سا جھونکا بھی اکھاڑ پھینکتا ہے۔ غدر کے خونی داستانوں نے کچھ اس قسم کے حالات پیدا کیے جو درج ذیل ہیں......

حسرت و یاس، ناامیدی، احساس کمتری، بے ہمتی، بزدلی، بے ثباتی اور مصیبتوں سے باہر نکلنے کی صورت کا نہ ہونا وغیرہ منفی اثرات تھے جو مسلمانوں کی نفسیات پر مسلط تھے، ایسے دشوار ترین حالات میں کون سلامتی سے گذر سکتا ہے؟ سرسید کی تحریک نے انھیں کمزور حالات کا سہارا لیا اور مسلمانوں کو سبز باغ دکھایا، انگریزوں سے لڑ کر تم باعزت زندگی بسر نہیں کر سکتے، ان کے قریب آؤ، ان تمام جھمیلوں سے نجات پا جاؤ گے اور ہوا بھی یہی۔ ہماری دنیا سنور گئی، ظاہری حیات میں چار چاند لگ گئے۔ قومی سطح پر بہت زیادہ ترقی نصیب ہوئی۔ سرسید کی تحریک نے ہماری قوم کو ڈاکٹرس، انجینئرس، وکلا دیے، پروفیسرس اور ماہرین علوم وفنون دیے، کیا اس تحریک نے کوئی وفادارِ مصطفیٰ بھی دیا؟ دینی پیشوا بھی دیا؟ یہ وہ حقیقت ہے جو کبھی فراموش نہیں

کی جاسکتی ہے۔ ذرا سوچیے انگریزوں نے ہماری ملت کے دانشوروں کو تلواروں سے اُچک لیا اور سرسید نے عالم بننے نہ دیا۔ سرسید کی تحریک کے مضر اثرات بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے......

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی پر طائر دیں کر گیا پرواز

یہ صورت حال کیا اس بات کا غماز نہیں؟ کہ ہماری قوم اور ہماری ملت سوکھے پتوں کی مانند بن کر رہ گئی۔ اس کا کوئی قائد نہیں، کوئی رہنما نہیں اور نہ کوئی مسیحا ہے جو اس کے مضمحل قوی میں زندگی کی رمق پیدا کردے۔ دوسری طرف انگریزوں کے کچھ زرخرید غلاموں نے معمولات اہل سنت اور اس کے معتقدات پر پے درپے حملے کیے، یہ کفر ہے، ایسا کرنا شرک ہے اور یہ بھی بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ صرف یہیں تک نہیں بلکہ کچھ اس طرح کی بھی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا، ارے تم کس رسول کی بات کرتے ہو؟ جس کی حیثیت بڑے بھائی کی ہے، انھیں تو پیٹھ پیچھے کی بھی خبر نہیں، وہ کسی چیز کے مالک ومختار نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

ایک مسلمان کے لیے یہ منزل کس قدر کٹھن اور دشوار ہے، اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت اور انمٹ لگاؤ ہوگا، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ اسی دشواری کی عکاسی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں......

> ہندوستان کی مذہبی تاریخ کا یہی وہ خطرناک موڑ ہے جہاں اعلیٰ حضرت ہمیں ایک پرسوز چارہ گر، ایک دردمند مصلح، ایک غمگسار مسیحا، بیباک رہنما اور ایک فرض شناس محافظ دین وملت کے روپ میں نظر آتے ہیں، اہل سنت پر ان کا یہ احسان ہم کبھی نہ بھول سکیں گے کہ انھوں نے قلم کی تلوار اٹھا کر مذہب اہل سنت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش کو ناکام بنا دیا۔ ناموس رسول کے تحفظ کے لیے اعلیٰ حضرت نے جس حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی پوری زندگی داؤ پر لگا دیا یہ انھیں کا حصہ تھا انھوں نے فتنۂ وہابیت والحاد کے سیلاب پر بند نہ باندھا ہوتا تو آج اہل سنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا ہوتا۔

(ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)

مذہبی تاریخ کے اس پس منظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اہل سنت و جماعت کو بکھرنے سے بچالیا اور ملت کے لیے مسیحائی کا کام کیا اور قیادت کے امور بھی انجام دیئے، عشق و وفا، خلوص و پیار اور رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستگی کو مضبوط تر کر کے ملت کے ناتواں اور مضمحل اعضا میں حیات کی روبڑھا دی، حوصلہ عطا کیا، عزم وارادہ کو فولادی قوتوں سے آشنا کیا اور دشمنوں کے روبرو سینہ سپر ہونے کا انداز سکھا دیا......

سن لیں اعداء میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

قیادت کا یہ انداز بھی دیکھیے، ملت کے نوجوانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا ہر وقت چوکنا رہنے کا مشورہ دیا، مخالف قوتوں کی شاطرانہ چال اور انوکھی خدنگ سے آگاہ کیا، اس قسم کی تمام تعلیمات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں، بطور اجمال صرف یہ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں......

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جب اپنی ملت اور سواد اعظم اہل سنت کو بچانے کے لیے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تو پھر ہم اہل سنت و جماعت اگر خود کو بریلوی کہیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اور کون سی قیامت ٹوٹ پڑی۔ اپنے آپ کو ہم ”بریلوی“ کہہ کر امام احمد رضا پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ ان کا ایثار ان کی قربانی اور انداز قیادت اس نسبتی عمل سے بہت زیادہ بلند وبالا ہے کیونکہ کسی ذات یا شہر سے منسوب ہونے کے لیے ادنیٰ ملابست کافی ہے اور یہاں اعلیٰ حضرت کی ذات بابرکت اور شہر بریلی کے ساتھ ملابست کا انتہائی درجہ پایا جاتا ہے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے تمام افراد کو یہی پس منظر سامنے رکھنا چاہیے، خواہ ان افراد کا تعلق کسی

خانقاہ سے ہو یا موروثی دانشگاہوں سے، علمی گھرانے سے ہو، یا عظیم شخصیات سے جب تک ذہنوں میں اس قسم کی مثبت سوچ اور صحیح فکر پیدا نہیں ہوگی۔ وہ حالات کا درست اندازہ نہیں لگا سکتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں اپنے خاندانی زعم اور مشربی تعصب کو چھوڑنا ہوگا۔ ذرا سوچیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے خانقاہوں اور ملت کے ناخداؤں کو اغیار کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے کسی قسم کے بھید بھاؤ سے کام نہیں لیا تو پھر ان کے ساتھ بھید بھاؤ کیوں؟ انھیں خانقاہوں کا سہارا لے کر ہمیں قبر پجوا کہا جاتا ہے۔ اب ان خانقاہوں کے ذمہ داران پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آگے آئیں اور اس الزام کو ختم کریں۔

اہل سنت و جماعت کو ''بریلوی'' کہنا کوئی جرم نہیں، نہ شرعی اعتبار سے اور نہ ہی فکری اعتبار سے کیونکہ اس سے پہلے اہل سنت و جماعت کو حنفی کہا گیا، شافعی، مالکی اور حنبلی بھی کہا گیا۔ اسی طرح ماتریدی اور اشعری بھی کہا گیا۔ جب اہل سنت و جماعت کی نسبت کسی ذات و شخصیت کی طرف کرنا کوئی عیب نہیں تو پھر کسی شہر کی طرف نسبت کرنا کیونکر عیب ہوسکتا ہے۔ حنفی، شافعی کہنے کی بنیاد پر گمراہ فرقوں نے تقلید شخصی کا مسئلہ کھڑا کردیا۔ ہمارے اکابر نے اپنے علم و شعور سے اس کا جواب دیا۔ تقلید شخصی ناجائز نہیں، اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور تقلید شخصی کرتے ہوئے اہل سنت کو حنفی کہنا درست ہے اور جب بریلوی کہنے پر جدید فرقہ ہونے کا مسئلہ کھڑا کیا گیا تو ہمیں اصولی طور پر بحث کرنی چاہیے۔

اصول سے انحراف کیوں؟: جب مخالفین نے اہل سنت و جماعت سے جدا ''بریلوی'' کو جدید فرقہ کے روپ میں پیش کیا تو اصولی طور پر یہ دیکھنا چاہیے کہ لفظ ''بریلوی'' میں جدید فرقہ کا رنگ کہاں سے آگیا؟ اعتقادیات میں ہم ماتریدی یا پھر اشعری ہیں اور عملیات میں زیادہ تر حنفی ہیں تو پھر جدید کا تصور کس زاویۂ فکر سے آیا۔ اس کا مطالبہ دیوبندیوں سے یا پھر وہابیوں سے کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے دیگر الزامات کی طرح یہ بھی ایک الزام ہے جو گمراہ فرقے ہم پر عائد کررہے ہیں ضرورت اس بات کی تھی کہ اس الزام کا ہم جواب دیتے اور اس کے عائد کردہ الزامات کا قلع قمع کرتے، ملت کے نوجوانوں نے ایسا نہ کر کے سرے سے ''بریلوی'' کہنے پر انگشت نمائی کردی۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی مرض کا ازالہ نہ کر

کے ان اعضاء کو ہی معطل کر دیے جہاں مرض کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، کیا یہی دانشوری ہے؟ اسی کا نام جدید ذہنیت ہے خدا ہمیں اس جدید ذہنیت سے محفوظ رکھے۔ رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کو اس دور حاضر کی خصوصیت بتا کر بھی لفظ ''بریلوی'' سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہے کہ جہاں رجال کی شناخت حق کے ذریعہ ہوتی ہے، وہیں حق کی شناخت رجال کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ یہ نظریہ ہر دور میں پسندیدہ رہا ہے۔ دورِ حاضر میں اس نظریہ کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں کہ مسائل اس قدر مختلف فیہ ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی بطور علامت استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ گمراہ فرقے بطور تقیہ بھی مسائل کو اپنا لیتے ہیں، کبھی کھڑے ہو کر سلام پڑھ لیتے ہیں اور کبھی علم غیب کا اقرار بھی کر لیتے، مسئلہ کذب باری تعالیٰ کے تعلق سے ہزاروں بار یہ حضرات توبہ بھی کر لیتے ہیں تو بتایئے ایسی صورت میں مسئلہ کو بطور علامت استعمال کرنے میں ممانعت کہاں رہے گی؟ اسی لیے اعلیٰ حضرت کی ذات یا پھر ان کے مبارک شہر بریلی کی طرف نسبت کر کے لفظ بریلی کو بطور علامت استعمال کر لیا گیا، تا کہ ان حضرات کی تقیہ بازی سے ہم اہل سنت و جماعت کسی دھوکہ میں نہ پڑیں اور غیر سنی کو سنی نہ تصور کر بیٹھیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کو عام کریں، ان کے پیغامات کو دور دور تک پہنچائیں، اس کام کے لیے کوئی بھی زبان اور ادب اپنایا جا سکتا ہے، ان کے پیغامات صرف اعتقادیات یا عملیات یا خانقاہی مراسم اور معمولات تک محدود نہیں۔ معاشرت، سماجیات، معاشیات، جمالیات اور طبیعات میں بھی ان کی خدمات ہیں، انھوں نے نہ صرف خانقاہوں کا تحفظ کیا ہے بلکہ انسان کو انسان برتر اور سماج و معاشرہ کو خوب تر بنانے کی کوشش بھی کی ہے، کچھ تعلیمی نظریات اور فلاحی نکات بھی قوم وملت کو دیے ہیں جنھیں اپنا کر کوئی فرد بھی اپنی زندگی میں حسن و بانکپن لا سکتا ہے۔ ہاں ان کی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ تم ایسے مسلمان بن جاؤ کہ کردار و عمل کے اعتبار سے بھی تم پر کوئی انگشت نمائی نہ کر سکے، یہی ان کا مقصدِ عظیم ہے۔

یہ غیر منصفانہ سلوک آخر کیوں؟ : مدارس اسلامیہ جہاں طلبہ میں دین و مذہب سے رغبت اور دلچسپی پیدا کی جاتی ہے انھیں ایسی صلاحیت اور لیاقت عطا کی جاتی

ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے ایمان و یقین اور عشق ومحبت کا تحفظ کرسکیں اور وقت آنے پر نئے مسائل کی دریافت بھی کرسکیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ انھیں پرواز کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔زبان وادب کی جو بھی تعلیم دی جاتی ہے بڑے ہی محتاط انداز میں دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے استعمال میں کسی بے راہ روی کے شکار نہ ہوں۔مگر اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ مدارس سب بیکار ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھا رہے ہیں۔معاشی اعتبار سے ہم کمزور سہی، مگر کسی بے راہ روی کے شکار نہیں۔اعتدال وتوازن کے ساتھ اپنی زندگی کے کارواں کو آگے بڑھا رہے ہیں۔مدرسہ کا کوئی بھی تعلیم یافتہ طالب علم، مولوی یا عالم رکشہ نہیں چلاتا، مزدوری نہیں کرتا اور بہت سے ایم۔اے۔،بی۔اے۔کر کے رکشہ چلاتے نظر آتے ہیں یہ عنایت ایزدی نہیں تو پھر کیا ہے؟ مدرسہ کے طلبہ کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہیے۔مدارس اسلامیہ کے جن فارغین نے کالجوں کا رخ کیا میں انھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے اچھا کیا اور بہت اچھا کیا، مگر انھیں ہمیشہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ مدارس نے انھیں بال وپر عطا کیے ہیں، لہٰذا اس کا مذاق نہ اڑائیں اور کوئی ایسا تبصرہ ہرگز نہ کریں جس سے طلبہ میں مدرسہ کی زندگی سے بیزاری پیدا ہو۔مدرسہ کے طلبہ کو کالجوں کا رخ کرنے کے لیے خضر راہ کا انتظام کیا گیا، مگر کالج کے طلبہ کے لیے مدرسہ کی راہ بتانے کے لیے کسی خضر راہ کا انتظام کیوں نہیں؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مدرسوں کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ اپنایا گیا اور نہ جماعتی نظریات پر بلا وجہ تنقید کی جائے، اس قسم کے جو افراد خود دانشور قرار دیتے ہیں انھیں یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کابل میں بھی گدھے ہوا کرتے ہیں۔

ترجمہ قرآن کنزالایمان کے شاہکار ہونے پر اعتراض کرنا، لفظ "بریلوی" کے استعمال کو ناکار دینا اور اردو میں اگر قرآن ہوتا تو کنزالایمان ہوتا، کو اندھی عقیدت کا نتیجہ قرار دینا، بلا سوچے سمجھے تنقید کا نتیجہ ہے اور غیر شعوری فکر کی کدوکاوش ہے۔اس سے اجتناب ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس قسم کے جملوں سے دو متضاد نظریے پیدا ہوجائیں اور پھر انتشار کی راہ ہموار ہو جائے۔اس سے ملت کو فائدہ نہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔بریلویت / بریلوی کا موازنہ قادیانی / قادیانیت، وہابی / وہابیت سے نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قادیانی اور وہابی یقیناً جدید فرقے

ہیں مگر ان دونوں فرقوں کا جدید ہونا لفظ قادیانی اور وہابی کے اسم منسوب ہونے سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں فرقوں کے عقائد، افکار اور نظریات اسلام مخالف ہیں۔ قرآن و احادیث اور اسلاف کے زریں اقوال سے ثابت نہیں، مگر بریلوی کوئی فرقہ نہیں، اہل سنت و جماعت کا ایک علامتی نشان ہے جو ہزاروں کی بھیڑ میں اہل سنت و جماعت کو ممتاز کر رہا ہے اور پھر یہ کہ ہمارے عقائد، افکار و نظریات ایسے نہیں ہیں جنھیں اسلام مخالف کہا جائے اور اس بنیاد پر جدید کا لیبل چسپاں کر دیا جائے۔ ہمیں افسوس ہو رہا ہے اپنی جماعت کے ان نوجوان طبقوں پر جو دفاعی صلاحیت کو اپنائے بغیر کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر وقت و حالات کے تیز دھاروں میں خس و خاشاک کی مانند لڑھکتے جا رہے ہیں، انھیں میرا محبت بھرا پیغام ہے خود کو سنبھالیں اور حوصلہ سے کام لیں۔

☆☆☆

باب ششم

جذبہ انحراف

مسلکِ اعلیٰ حضرت سے انحراف، پس منظر اور پیش منظر

''مسلک اعلیٰ حضرت'' نہایت ہی صاف ستھرا راستہ ہے۔ جس پر چل کر انسانوں کا قافلہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے اور دارین کی فلاح و بہبودی بھی پا سکتا ہے کیونکہ دورِ حاضر میں یہی وہ راستہ ہے جو انسانوں کو شیطانی راہوں سے نجات دلاتا ہے اور اہل سنت و جماعت کی حفاظت و صیانت کرتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہزاروں افراد، صراط مستقیم پر چلنے والوں کو گمراہ کرنے اور انھیں ہلاکت و بربادی کی طرف بلانے میں لگے ہوئے ہیں، نت نئے فرقے اہل ایمان اور صاحب عشق و محبت کے قلب و ذہن کو مکدر کرنے میں مصروف عمل ہیں، کوئی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن عصمت پر انگشت نمائی کر رہا ہے اور کوئی اجماعی عقیدوں پر تنقید کر رہا ہے، بدعقیدگی کے اس ماحول میں ''مسلک اہل سنت'' کی حفاظت میں جس ذاتِ گرامی نے دل و جاں سے کوشش کی، وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذاتِ گرامی ہے۔ بالفرض اگر آپ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو سنیوں کا شیرازہ بکھر جاتا اور اجماع امت کے پائیدار ستونوں میں ضعف و

اضمحلال کی صورت پیدا ہو جاتی، امام احمد رضا کی انھیں قربانیوں کے پیش نظر اہل ایمان نے مسلک اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت سے تعبیر کر دیا۔ یہ تعبیر کسی بھی زاویہ فکر سے غلط نہیں، مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اِدھر کچھ سالوں سے ہماری ہی جماعت کے کچھ گنے چنے افراد مسلک اعلیٰ حضرت کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور آئے دن اس کی مخالفت میں مضامین لکھ رہے ہیں اور نہایت ہی شد و مد کے ساتھ اس کے خلاف آواز اُٹھا رہے ہیں۔ کسی نے کہا...... یہ مخالف کا دیا ہوا لقب ہے اور کسی نے اپنے دل کی کدورت اس طرح نکالی کہ...... یہ جماعت کے لئے سم قاتل ہے اور افتراق بین المسلمین کا باعث ہے اور کچھ نے یوں تحریر کیا...... یہ رجال کے ذریعہ حق کی شناخت ہے جو دورِ حاضر کا ایک زبردست المیہ ہے۔ غرضیکہ جتنے منھ اتنی باتیں۔ جذبۂ مخالفت سے سرشار ہو کر ان حضرات نے جس قدر باتیں کیں، اس سے سوائے نقصانات کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ خود جماعت اہل سنت دو خانوں میں بٹ گئی، ایک طرف اکابر علماء کی جماعت ہے اور دوسری طرف ان نوجوانوں کا گروپ ہے جس کی ابھی کوئی حیثیت نہیں، بہر صورت اس سے ہزاروں کے دلوں میں خلجان اور ذہنوں میں کرب و اضطراب نمایاں ہو گئے، انھیں کرب و اضطراب کے ازالہ کے لئے درج ذیل مضامین معرض وجود میں آئے......

(۱) لفظ ''بریلوی'' فکر و تنقید کے تناظر میں قسط اول، دوم۔

(۲) لفظ ''بریلوی'' اصول منطق کے تناظر میں۔

(۳) کیا لفظ ''بریلوی'' کا استعمال غلط ہے؟

(۴) کیا اہل سنت و جماعت کو ''بریلوی'' کہنا نادانی ہے۔

(۵) مسلک اعلیٰ حضرت اور کچھ جدید فکری زاویے،

(۶) مسلک اعلیٰ حضرت پر ایک فکری تحریر

یہ کل ۶ مضامین ہوئے اور ساتواں مضمون ''مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف، پس منظر اور پیش منظر'' ہے۔ یہ مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، مثلاً ماہنامہ اعلیٰ حضرت

بریلی شریف، ماہنامہ سیارگان بمبئی، سالنامہ پیغام رضا بمبئی وغیرہ۔ اہل علم حضرات نے ان مضامین کو پسند کیا۔ ان مضامین میں مسلک اعلیٰ حضرت کے تمام پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اور اصولی انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ مسلک اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت سے تعبیر کرنا ہر اعتبار سے درست ہے اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے مسلک اعلیٰ حضرت سے ہی تعبیر کیا جائے کہ اہل سنت و جماعت کے نظریہ و عمل کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے مگر جذبۂ انحراف سے سرشار یہ افراد جدیدیت اور گمراہ فرقوں کی ریشہ دوانیوں سے نفسیاتی طور پر اس قدر متاثر ہیں کہ انھیں صحیح اور حق بات کڑوی معلوم ہوتی ہے اور اپنے زعم و تعصب کے آگے کسی اہم بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ ابھی کچھ دنوں بمبئی سے مولانا رحمت اللہ صدیقی کا فون آیا۔ انھوں نے بتایا، یہ نام نہاد دانشور مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنے منفی رویوں سے جماعت اہل سنت کو نقصان پہنچانے کی پوری تیاری کر چکے ہیں، اس اڑیل رویہ کے پیش نظر یہ مضمون قلم بند کیا گیا ہے۔ خیال رہے میرا یہ مضمون متانت و سنجیدگی اور حق و انصاف پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو تلخ جذبات سے سرشار ہو، یہ مضمون مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا اپنے آخری پڑاؤ پر اختتام پذیر ہوگا۔

(الف) جذبۂ انحراف کا کوئی جواز نہیں:- یہ مسلمات میں سے ہے، پانی وہیں مرتا ہے جہاں گڈھا ہوتا ہے اور جس مقام پر گڈھا نہیں پانی کے مرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی صورت یہاں بھی ہے **اولاً-** مسلک اعلیٰ حضرت ایک ایسی اصطلاح ہے جو ہر زاویہ سے جائز و درست ہے اس کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں کہیں جھول ہو تو بتائیے اس کے غلط ہونے کا کیا سوال؟ پھر بھی اس کے خلاف قدم اُٹھانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھیرے میں تیر چلائے **ثانیاً-** یہ کہ بریلوی مسلک/مسلک اعلیٰ حضرت، ایک اصطلاح ہے، جس سے پوری ملت اسلامیہ کے جذبات وابستہ ہیں۔ کیا یہ جذبات اجماع ہونے پر دلیل نہیں؟ ہے اور بالکل ہے تو پھر اس سے انحراف کیا معنی رکھتا ہے؟ ذیل میں کچھ اہم باتیں ذکر کی جا رہی ہیں......

(۱) جذبۂ انحراف رکھنے والوں کو خود تسلیم ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت ایک اصطلاح ہے تو انھیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اصطلاح کا تعلق فرد واحد سے نہیں ہوتا بلکہ ایک پوری جماعت اور پوری ملت سے ہوا کرتا ہے، اس جماعت میں اہل علم یعنی علماء، مدرسین، مفکرین، مفتیان عظام اور مقررین بھی شامل ہیں اور عوام الناس بھی، اسی طرح اس اصطلاح کا تعلق کسی ایک علاقہ سے نہیں بلکہ ہر علاقہ کے لوگ اسے بولتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اس آفاقی حیثیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مخالفین سے یہ چند سوالات ہیں۔ بقول آپ کے مسلک اعلیٰ حضرت اگر غلط ہے تو بتایئے یہ کس اعتبار سے غلط ہے؟......

(۱) عملیاتی طور پر۔ (۲) نظریاتی طور پر۔ (۳) لفظیاتی طور پر۔

مسلک اعلیٰ حضرت عملیاتی طور پر غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ تقریباً سو سال سے ہماری جماعت کے علماء وفضلاء اور مفکرین اس لفظ کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ ان تمام حضرات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ سب کے سب خطا کے مرتکب ہوئے، اگر ہاں تو پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے کہ۔ **لا تجتمع امتی علی الضلالہ** کہ میری امت کسی خطا پر جمع نہیں ہوسکتی اور اگر آپ اسے نظریاتی طور پر غلط تصور کرتے ہیں تو بتایا جائے **من کل الوجوہ** غلط ہے یا **من بعض الوجوہ** دونوں صورتوں میں عقیدہ وایمان خطرے کی زد میں آجائیں گے، اس طرح نہ جماعت کا تقدس بچ پائے گا اور نہ ہی جیب وگریباں کا کوئی تار سلامت رہ پائے گا۔ ذرا ہوش وخرد سے کام لیجئے، کہیں آپ حضرات کی نادانی سے امت مسلمہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ اگر ان دونوں صورتوں سے نظر بچاتے ہوئے آپ کہیں مسلک اعلیٰ حضرت نہ عملیاتی طور پر غلط ہے اور نہ ہی نظریاتی طور پر۔ بلکہ اس کا غلط ہونا لفظیاتی طور پر ہے تو عرض ہے مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال آفاقی نوعیت کا حامل ہے اور جس استعمال کو یہ حیثیت حاصل ہوجاتی ہے ماہرین لفظیات اسے غلط قرار نہیں دیتے۔ اُن کا ماننا ہے **غلط العوام فصیح** کہ عوامی سطح پر جو غلطی شائع ہوجاتی ہے حکم فصاحت رکھتی ہے، ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ مسلک اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کہنا کیوں کر غلط

ہوسکتا ہے؟

(۲) مسلک اعلیٰ حضرت جب اصطلاح ہے تو پھر یہاں جھگڑا کس بات کا؟ یہ جس کی اصطلاح ہے وہ جانے اور جس کی یہ اصطلاح نہیں ہے تو اسے اس بات کا اختیار ہے وہ اس اصطلاح کو اپنائے یا ترک کر دے اس پر کوئی جبر و کراہ نہیں کہ اہل علم کا ضابطہ ہے۔ **لا مناقشة فی الاصطلاح** کہ اصطلاح کے بارے میں کوئی تنازع نہیں تو پھر آپ نے خاموش سمندر میں تنقید بے جا کا پتھر مار کر یہ ہنگامہ کیوں برپا کر دیا اور اس عمل نامناسب کی کیا ضرورت و حاجت پیش آئی؟ بزرگوں کے طریقۂ کار سے پرے ہٹ کر حق و صواب کی راہ نصیب نہیں ہوسکتی۔ یہ رویہ دلوں کو توڑتا ہے، جوڑتا نہیں، شورش برپا کرتا ہے۔ چین و سکون نہیں، یہ کیسی دانشوری ہے جو دلوں کا سکون چھین لیتی ہے اور ذہنوں میں اضطراب برپا کر دیتی ہے۔ خدائے پاک ایسی دانشوری سے محفوظ رکھے۔ یہاں بصیرت کی ضرورت تھی، جسے آپ نے کھو دی اور پھر اس پر طرہ یہ کہ ہم دانشور ہیں؟ حیف صد حیف ہے۔

(۳) مخالفین کا قول، مسلک اعلیٰ حضرت غلط ہے۔ از روئے منطق یہ ایک قضیہ ہے جو اتفاق سے حملیہ بھی ہے اور موجبہ بھی اور مسلک اعلیٰ حضرت اس قضیہ کا موضوع ہے مخالفین کی ذمہ داری ہے کہ بتائیں مسلک اعلیٰ حضرت سے وہ کیا مراد لیتے ہیں اور اس معنی مراد میں وہ کون سا جزو داخل/لازم ہے جس کی وجہ سے اسے غلط قرار دیا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں نہ مسلک کا معنی غلط ہے اور نہ ہی لفظ اعلیٰ حضرت کا مفہوم و مصداق ہی قابل اعتراض ہے، یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ایام ماضیہ میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لئے لفظ اعلیٰ حضرت کے استعمال پر دیوبندیوں نے اعتراض کیا تھا تو رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اس اعتراض کا دندان شکن جواب دیا تھا اور مکتبہ دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کو لاجواب کر دیا تھا۔ جب ان دونوں میں سے کوئی قابل اعتراض نہیں تو پھر ان دونوں کے مابین پائی جانے والی نسبت تعبیر بھی صاف ستھری اور بے داغ ہوگی کہ اس کا زیادہ تر انحصار جانبین کے تصور پر ہوا کرتا ہے۔ جانبین ٹھیک تو نسبت بھی ٹھیک، تو پھر وہ کون سا اصل ضابطہ ہے؟ جس کے تحت اسی نسبت

تقییدی کا علم و ادراک غلط ہو جائے۔ لہٰذا اس بات کے اعتراف میں ہمیں کوئی تامل نہیں کہ مخالفین کا قول مسلک اعلیٰ حضرت غلط ہے، نرا کذب و دروغ پر مبنی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی سر پھرا انسان دن کو رات اور رات کو دن کہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست، اگر اسی کا نام دانشوری ہے تو خدا اس ملت اسلامیہ کو اس سے کوسوں دور رکھے۔

یہ چند باتیں تھیں جو گوش گزار کر دی گئیں، کوئی بھی انصاف پسند انسان ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ مخالفین کے پاس مسلک اعلیٰ حضرت سے منحرف ہونے یا اس کی مخالفت میں مضامین تحریر کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ انصاف و دیانت کا تقاضہ ہے یہ مخالفین اپنے نظریہ و عمل پر نظر ثانی کریں اور اپنے موقف سے ہٹ جائیں اور اگر اپنی ضد پر ہی اڑے رہے تو پھر ہمیں مجبور ہو کر یہ کہنا پڑے گا کہ...... بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔

(ب) **انحراف اور اس کا پسِ منظر**: دلائل و براہین کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال صحیح اور درست ہے اس کی مخالفت کرنے یا اس کے خلاف قدم اُٹھانے کا مخالفین کے پاس کوئی عذر معقول نہیں اور نہ ہی انھیں اس مخالفت کا کوئی جواز ہی حاصل ہے۔ مگر نہ معلوم کن جذبات سے متاثر ہو کر یہ جدید یے، سطح آب پر تاج محل تعمیر کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں، یہ حماقت نہیں تو پھر کون سی دانشمندی ہے؟ اب تک جو مضامین ان کی طرف سے شائع ہوئے ہیں، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل باتوں کو انھوں نے پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے؟

(۱) یہ مخالفین کا دیا ہوا لقب ہے؟

(۲) یہ جماعت کے لئے سم قاتل اور افتراق بین المسلمین کا باعث ہے۔

(۳) اس کے سہارے ہمیں جدید فرقہ ثابت کرنے کی کوشش ہے۔

عام طور پر پس منظر کا معنی منظر کے پیچھے لیا جاتا ہے، مگر جب یہی پس منظر اہل علم کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد وہ جذبات ہوا کرتے ہیں جو رفتہ رفتہ مقاصد میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا پھر وہ وجوہات مراد لئے جاتے ہیں جو مقاصد شی سے کسی

حد تک تعلق رکھتے ہیں، خیال رہے وہی جذبات ووجوہات، پس منظر ہو سکتے ہیں جو دائمی طور پر مقاصد بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں، یا ان مقاصد سے کسی نہ کسی حد تک تعلق رکھتے ہوں، میں نے دائمی طور پر اس لئے قید لگائی کہ جن جذبات ووجوہات میں یہ جہت نہیں پائی جاتی ہے اس کی حیثیت پانی کے بلبلے کی حیثیت رکھتی ہے۔**اولاً**–وہ جذبات/وجوہات، پس منظر نہیں ہو سکتے ہیں اور اگر ہوتے بھی ہیں تو اس پسِ منظر کے سبب جو شے تخلیق پاتی ہے پسِ منظر کے ختم ہوتے ہی بے وقعت ہو جاتی ہے، بایں وجہ ایسے پس منظر پر اہل علم کی نظر نہیں اُٹھتی ہے۔اس تمہیدی گفتگو کے بعد آیئے ذرا ان وجوہات پر غائر نظر ڈالتے ہیں جنھیں مخالفین نے پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ثانیاً- مخالفین کا کہنا ہے چونکہ مسلک اعلیٰ حضرت مخالفین کا دیا ہوا لقب ہے اس لئے مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح ترک کر دینا چاہیے۔اس سلسلے میں عرض ہے-فرض کر لیا جائے یہ مخالفین کا دیا ہوا لقب ہے۔یہ لقب آج تو دیا نہیں گیا ہے بلکہ سو سال پہلے دیا گیا ہے، اس وقت ہمارے جو اکابر تھے، کیا انھیں اس بات کا احساس نہیں تھا؟ اگر نہیں تھا تو ان کی دانشوری پر انگلی اٹھتی ہے اور اگر تھا تو انھوں نے اس کی مخالفت کیوں نہیں کی، ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جملہ پس منظر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو پھر آپ نے اسے پسِ منظر کس بنیاد پر تسلیم کر لیا؟ جواب دیجئے - دوسری بات یہ ہے کہ یہ لقب ہے تو بتایئے یہ بر بنائے مدح ہے یا بر بنائے ذم۔اگر بر بنائے مدح ہے تو یہ مخالفت کی بنا نہیں بن سکتا ہے اور اگر بر بنائے ذم ہے تو بتایئے "ذم" کا پہلو مسلک سے نکلتا ہے یا لفظ اعلیٰ حضرت سے یا پھر ان دونوں کی اضافی ترکیب سے، ان میں سے کوئی صورت نظر نہیں آتی، کہ مسلک کا معنی بھی صاف شفاف ہے اور لفظ اعلیٰ حضرت کا مفہوم ومصداق بھی۔جب یہ دونوں لفظ اپنے معنی ومفہوم میں ٹھیک ٹھاک ہیں تو دونوں کی ترکیب سے جو ہیت کذائی وجود میں آئی، اس میں کیا خرابی ہو سکتی ہے؟ ہزاروں ایسے الفاظ ہیں جنھیں مخالفین استعمال کرتے ہیں کیا ان تمام لفظوں کو آپ ترک کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔اگر آپ کے اس مشورہ پر عمل کر لیا جائے تو ذخیرہ الفاظ کا خدا ہی حافظ۔اس طرح سے ہماری کوئی تخلیق وجود میں نہیں آسکتی ہے کیونکہ اس میں ایسے لفظوں کی

کثرت ہوا کرتی ہے جنھیں مخالفین یا تو استعمال کرتے ہیں یا پھر کر چکے ہیں۔ شاید ہمارے ان مفکرین کو نہیں معلوم شریعت کا ضابطہ ہے جب کسی لفظ سے ذم کا پہلو نمایاں ہو تب اس کا استعمال ترک کیا جاتا ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو اس کے ترک کی بات کرنا علمی خیانت اور بددیانتی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، اس کی نظیر میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے، جب صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تو عرض کرتے - **راعنا یا رسول اللہ** اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری رعایت فرمائیں۔ یہود ونصاریٰ اسی لفظ "**راعنا**" کو یا زائد کر کے "**راعینا**" کہا کرتے تھے جس کا معنی ہمارے چرواہے کے آتا ہے۔ چونکہ یہاں التباس کے سبب ذم کا پہلو نمایاں ہوا اس لئے قرآن مقدس کا ارشاد ہوا **یا ایھا الذین آمنو لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا**۔ اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو- **انظرنا** یعنی حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ مسلک اعلیٰ حضرت میں اس قسم کی صورت نہیں۔ اس لئے اس کے ترک استعمال کی وکالت منشاء قرآن مقدس کے خلاف ہے۔

ثالثاً - بعض نے یہ کہا، اس لقب کی آڑ میں ہمیں جدید فرقہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے اس کا استعمال نہ ہونا چاہیے۔ یہ وجہ بھی کچھ زیادہ معتبر نہیں کہ اس کوشش کا تعلق مسلک اعلیٰ حضرت کی ترکیب اضافی سے نہیں بلکہ مخالفین کے ذہنی فتور سے ہے تو پہلے ان کے ذہنی فتور کا علاج کیا جائے، مگر ایسا نہیں کیا گیا، آخر کار ان کے ساتھ یہ رعایت کیوں؟ اور مسلک اعلیٰ حضرت جو اس فتورِ ذہنی سے کوسوں دور ہے۔ اس کے ساتھ اس قسم کی شدت کہ اسے ترک کر دیا جائے کس وجہ سے برتی گئی؟ اس کا جواب دیا جائے اور پھر اس صورت میں ترک استعمال کی بات کرنا جبکہ مسلک اعلیٰ حضرت، مسلک اہل سنت کی شناخت بن چکا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ کوشش صرف چند افراد کی ہے۔ تمام مخالفین کی نہیں۔ الحسنات رامپور کا یہ اقتباس پڑھیے......

یہ خیال درست نہیں کہ احمد رضا خاں نے دین اسلام میں
ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی ہے البتہ یہ درست ہے علماء کی اس

جماعت کو عرف عام میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت کی بنیاد پر بریلوی کیا جاتا ہے (بحوالہ- ماہنامہ حجاز، بابت جولائی ۱۹۸۹ء)

اس اقتباس کا بغور مطالعہ کریں اس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں......

اولاً- بریلوی مسلک کو نئی جماعت کے روپ میں دیکھنے کا خیال غلط ہے۔

ثانیاً- یہ مذکورہ خیال صرف خیال ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ثالثاً- یہ ثابت ہوا کہ بریلوی مسلک کی ترکیب کا مذکور بالا خیال سے کوئی تعلق نہیں

خود حضرت علامہ سید رکن الدین اصدق صاحب کو اس بات کا احساس تھا کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت میں ہم جن وجوہات کو پس منظر کے طور پر استعمال کر رہے ہیں وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں، اسی لئے انھوں نے پہلو بدلتے ہوئے یہ لکھ مارا......

لفظ بریلوی کی آڑ میں دشمن کی طرف سے نیا فرقہ قرار دینے کی کوشش نہ بھی ہوتی تو بھی یہ لفظ جماعت کے لئے سم قاتل ہے۔ یہ لفظ سواد اعظم اہل سنت کی تفریق کا باعث ہے۔

(ماہنامہ جام نور، بابت فروری ۲۰۰۶ء)

حضرات گرامی! آپ مطالعہ کے دوران اس بات کا ضرور احساس کر رہے ہونگے کہ بریلوی مسلک/مسلک اعلیٰ حضرت سے انحراف اختیار کرنے والے پس منظر کو بار بار بدل رہے ہیں۔ اس اعتبار سے پس منظر نے اپنی جہت دوام، دوام کھودی ہے۔ جس کے سبب ان کا خیال، خیال محض بن کر رہ گیا اور جس بنیاد پر مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت کی جارہی ہے، وہ پردہ کی اوٹ سے جھانک رہا ہے......

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

جس طرح حسن وادا پردہ میں نہیں رہ سکتی ہے، ٹھیک اسی طرح نفسیاتی کرب واضطراب

بھی لفظوں کے لباس میں چھپ نہیں سکتا ہے، وہ بھی لفظوں کی اوٹ سے نکل پڑتا ہے اور پھر فنکار کی واقعی حیثیت کو اجاگر کر دیتا ہے یہی کچھ اتفاق یہاں بھی ہوا۔ مولانا سید رکن الدین صاحب لکھنے کو تو لکھ گئے مگر ان کا نفسیاتی کرب واضطراب اجاگر ہو گیا کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت بہت کچھ جذبۂ رقابت پر مبنی ہے، میرے خیال میں خانقاہی نظام کے تمام دلدادگان اسی جذبہ سے سرشار نظر آتے ہیں اور اس بنیاد پر انھوں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے نظریات کی مخالفت کی۔ یہ نفسیاتی کرب واضطراب ان امراض خبیثہ میں سے ہے جس کا کوئی علاج نہیں، نہ بقراط کے پاس ہے اور نہ ہی شیخ رئیس کے پاس ہے مگر میں آنجناب سے پوچھنا چاہتا ہوں یہ جماعت کے لئے سم قاتل کیونکر ہوا؟ کیا مسلک اعلیٰ حضرت میں خانقاہی نظام ومعمولات کی صیانت شامل نہیں۔ کیا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اعراس، چادر و گاگر اور دوسرے خانقاہی مراسم پر خامہ فرسائی نہیں کی؟ کیا بزرگوں کے تقدس کی حفاظت میں ان کے قلم نے تیغ براں کا رول ادا نہیں کیا، کیا اور ضرور کیا، تو بتایئے مسلک اعلیٰ حضرت نے تو کبھی آپ سے الگ ہونے کی بات نہیں کی تو پھر آپ اس مسلک کو جماعت کے لئے سم قاتل کیوں تصور کر رہے ہیں۔ یہ سم قاتل ہے، مگر جماعت کے لئے نہیں، بلکہ ان کے لئے جو جماعت اور سواد اعظم سے خارج ہیں۔ وہابی، دیوبندی، چکڑالوی، نیچری جیسے باطل فرقوں کے لئے سم قاتل ہے۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

جہاں تک اپنوں کی بات ہے، امام احمد رضا نے ان کے ساتھ اخلاق ومروت اور حسنِ سلوک رواداری کا معاملہ کیا ہے۔ مگر جہاں شرعی معاملہ آیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس بارے میں کسی کی رعایت نہیں کی، خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے، میرے خیال میں ایسا کرنا کوئی ظلم وزیادتی نہیں بلکہ عین انصاف ودیانت ہے۔ ہر مومن کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جب آپ کی ذات کسی کے

لئے سم قاتل نہیں تو پھر آپ کے نظریات و تعلیمات اور مسلک و موقف سم قاتل کیونکر ہو سکتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا آپ جیسے دانشور کے منھ سے یہ جملہ کیونکر نکل پڑا؟ کہیں ایسا تو نہیں یہ آپ کا جملہ ہی نہ ہو بلکہ کسی نے از راہ حسد اضافہ کر دیا ہو؟ اگر ایسا ہے تو یہ نہایت ہی تکلیف دہ بات ہے۔ ایسا قطعی نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں تک بقول آپ کے سوادِ اعظم جماعت اہل سنت کے مابین تفریق کا مسئلہ ہے یہ بھی ایک غلط الزام ہے اور پھر اس مسلک کے لئے جو صراط مستقیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ الاماں، الحفیظ۔

یہ تصور آپ نے کیسے کر لیا؟ کیا اس کا کوئی سر اور پاؤں ہے؟ اس طرح غلط بیانی آپ کی زباں سے اچھی نہیں لگتی۔ اس پر غور و فکر کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ثالثاً - یہ دانشور طبقہ بڑا ہی چالاک اور شاطر دکھائی پڑتا ہے۔ قتل بھی کر دیتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہوتی ہے۔ اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ایک فرد نے کچھ اس طرح گل افشانی کی، دور حاضر میں رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کی جا رہی ہے جب کہ حق کے ذریعہ رجال کی شناخت ہوا کرتی ہے، اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے، چونکہ مسلک اعلیٰ حضرت رجال کے ذریعہ حق کی شناخت پر مبنی ہے۔ اس لئے اسے ترک کر دینا چاہیے۔ اگر اس فلسفہ کو تسلیم کر لیا جائے تو مسلکِ اہل سنت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ اس اصطلاح میں اہل سنت رجال ہے، لہٰذا یہ بھی رجال کے ذریعہ حق کی شناخت پر مبنی ہے تو اسے بھی ترک کر دینا چاہیے۔ مسلک امام اعظم / مسلک امام شافعی / مسلک امام مالک / مسلک امام احمد بن حنبل بھی نہیں بولا جانا چاہیے کہ یہ بھی رجال کے ذریعہ حق کی شناخت پر مبنی ہے۔ اسی طرح مسلک صحابہ و تابعین بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے بھی رجال کے ذریعہ حق کی شناخت کی بو آ رہی ہے۔ ذرا دیکھئے تو یہ کیسا فلسفہ ہے کہ اس سے پوری عمارت ایک ایک کر کے زمیں دوز ہو رہی ہے اور آسماں تلے ایک چٹیل میدان دکھائی دے رہا ہے۔ اب ان سے پوچھا جائے، بالآخر کیا بولا جائے، جس سے مسلک اہل سنت کی صیانت بھی ہو جائے اور مسلک امام اعظم و ائمہ ثلٰثہ بھی محفوظ ہو جائیں۔ یہ کیا بتا پائیں گے ان کی پوری کابینہ اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتے۔ تخریبی

کاروائی تو بہت آسان ہے، مگر تعمیری ذہن رکھنا اور اسی انداز میں کاروائی کرنا مشکل ہے، جوان کے بس سے باہر ہے، ہاں صرف مسلک اعلیٰ حضرت ہی ہے جو تمام مسلکوں کی حفاظت کرتا ہے۔ مسلک اہل سنت کی بھی یہ حفاظت کرتا ہے اور مسلک امام اعظم کی بھی اسی طرح اس سے مسلک صحابہ وتابعین بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

رابعاً۔ مندرجہ بالا گفتگو سے ثابت ہوا کہ تمام مسلکوں کے درمیان اگر کوئی تمام مشترک کی حیثیت رکھتا ہے، تو وہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ تمام مشترک کی کیا اہمیت ہوتی ہے، اہل علم سے پوشیدہ نہیں، بایں سبب علم وحکمت کا تقاضا ہے کہ اس تمام مشترک یعنی مسلک اعلیٰ حضرت سے قطعی روگردانی نہ کی جائے ورنہ ہر چہار جانب خطرے ہی خطرے ہیں حتی کہ ایمان وعقیدہ میں تزلزل بھی آسکتا ہے۔ مجھے افسوس ہے یہ لوگ کیسے جدیدیے، جو اپنے آپ کو محفوظ نہیں کرپاتے ہیں، تو ہماری یا مسلک کی یا جماعت کی کیا حفاظت کرپائیں گے۔ ان کے لئے میرا مشورہ ہے اسلاف کے نقوش قدم کی اتباع کریں کہ اسی میں بھلائی ہے۔ جدت طرازی یہ وہ پُرخار وادی ہے جس میں قدم رکھنے سے جیب وگریباں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا اندیشہ قوی ہو جاتا ہے۔

(ج) انحراف اور اس کا پیشِ منظر :- یہ طبقہ جس کی کارستانی اور کرشمہ سازی سے آپ آگاہ ہو رہے ہیں جدیدیت، نئی روشنی اور جدید تہذیب کا دلدادہ دکھائی دے رہا ہے، اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی ماڈرن اسلام کی اشاعت ہو جائے اور لوگ ماڈرن اسلام وتہذیب پر عمل کرتے رہیں۔ ٹی وی پر اسلامی پروگرامس کا جواز، ٹائی کا کھلے عام استعمال کرانا، مجلسوں میں سبحان اللہ، الحمد للہ کے بجائے تالیاں وغیرہ اسی ماڈرن اسلام کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ **تصلب فی الدین** کے بجائے صلح کلیت، یہ بھی ماڈرن تہذیب ہے جس کے لئے یہ حضرات تگ ودو کر رہے ہیں۔ اسی طرح اسلاف کے کارناموں سے انحراف اور ان کی اصطلاحات سے اختلاف رکھنا بھی اسی جدت طرازی کے تاروپود ہیں، جو ملت اور اسلامی تہذیب کو اندر سے کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ان کا دامن

پکڑ کر پوچھا جائے آخر یہ کیا چاہتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ اس سے دشواریاں بڑھ سکتی ہیں، مگر آسانیاں نہیں۔

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت سے منحرف ہونے کا مطلب کیا ہے؟ یہ انھیں بتانا چاہیے، مگر انھوں نے نہیں بتایا، خیر نہ بتائیں۔ مگر میں اس کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ یہ طبقہ خوش رہے یا ناخوش، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ اگر اس انحراف سے یہ طبقہ، انحراف حقیقی مراد لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا، نہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح بدلی جائے اور نہ ہی امام احمد رضا کے نظریہ و مسلک پر چلا جائے اور نہ ہی ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس طرح سے ہمارا عشق وایمان مجروح ہوکر رہ جائے گا اور علم وفن کی وسعت بھی محدود ہوجائیگی اس طرح ہماری تہذیب ہمارا تمدن بھی سمٹ کر رہ جائیگا۔ تو پھر ہم کہاں جائیں؟ اور کس کے دروازہ پر دستک دیں اور کس سے تاریک زندگی میں روشنی کی بھیک مانگیں اور پھر وہ کون ہے جو ہمیں نور وضیا عطا کرے گا؟ اور وہ کون شخص ہوگا جو ہماری وسعت علم میں روشنی و بہار لائے گا۔ کبھی اس پر غور کیا گیا اور اگر اس سے انحراف غیر حقیقی مراد لیا جائے یعنی صرف مسلک اعلیٰ حضرت کا اطلاق نہ کیا جائے، اب رہی ان کی تعلیمات ونظریات کی بات تو اس پر عمل کیا جائے۔ اسی سے استفادہ بھی کیا جائے تو یہ جذبہ وعمل میں زبردست تضاد ہوگا میں اسے عملی منافقت سے تعبیر کرتا ہوں، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے؟ اس طبقہ کی ذمہ داری ہے اسے پوری تفصیل سے بتائیں۔

(۲) یہ طبقہ چاہتا ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے مشمولات سے استفادہ تو کیا جائے مگر اعلیٰ حضرت کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے۔ اس عمل سے پوری جماعت اور پوری ملت بے برکت والی ہوجائے گی کیونکہ تحریر میں جو برکت اور رونق و بہار آتی ہے وہ صرف نسبت سے آتی ہے۔ تحریر کیا ہے؟ یہ تو مختلف قسم کی لکیریں اور خطوط ہیں، اس میں کیا رکھا ہے؟ ہاں اس بات سے کہ یہ فلاں کی تحریر ہے، یہ فلاں کا قول ہے، یہ امام اعظم کا مسلک ہے، انھیں نسبتوں سے کلام میں زور اور تقویت آتی ہے اور پھر انھیں نسبت والے اقوال سے اکتساب کرنے میں برکت کا حصول ہوتا ہے اور عمل کرنے والے بھی اس برکت سے مالا مال ہوجاتے ہیں۔ کیا یہ بے برکت والی

رہنمائی لائق اعتناء ہوسکتی ہے، نہیں اور قطعی نہیں۔ اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ طبقہ ہمارے لئے زندگی کو دشوار بنانا چاہتا ہے تا کہ ہم کسی بھی صورت کسی کے لائق نہ رہیں، ایسی قیادت اور رہنمائی سے خدا محفوظ رکھے۔

(۳) مسلک اعلیٰ حضرت نہیں تو پھر کیا ہوسکتا ہے؟ مسلک اہل سنت، اب سوال پیدا ہوتا ہے کونسا مسلکِ اہل سنت، ماقبل مسلک اعلیٰ حضرت والا یا پھر مابعد مسلک اعلیٰ حضرت والا، ثانی الذکر، مسلک اہل سنت کی تصویر دھندلی ہے کیونکہ اس کا وجود مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا ہے ہی نہیں تو اس کی اتباع کس طرح کی جائیگی اور اول الذکر مسلک اہل سنت کا اگرچہ وجود تھا، مگر فرقۂ باطلہ نے اسے بھی تاریک کردیا ہے، مسلک اعلیٰ حضرت سے اکتساب نور کئے بغیر ہم اس سے واقف ہی نہیں ہوسکتے ہیں، تو پھر اس کی اتباع کس طرح کی جائیگی؟

جذبۂ انحراف کبھی کامیاب نہیں ہوتا: اس بات میں کوئی شک نہیں، کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے زندگی کے ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور تحریر کے ذریعہ ہر زاویۂ فکر کو ثابت کیا، حیات وزیست کا وہ کون سا زاویہ ہے جسے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے فتاویٰ اور تحقیقات وتصنیفات میں اجاگر نہیں کیا ہے۔ مذہب ومعاشرہ، تہذیب وتمدن، عقیدہ وایمان، سیرت وکردار، گفتار ورفتار، اقتصادی نظام، سماجی تقاضوں اور انسانی حیات میں پیش آنے والے تمام نشیب وفراز کی نشاندہی، اعلیٰ حضرت کے کارناموں میں ملتی ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں، جن افراد نے ان تمام پہلوؤں کے خلاف قدم اٹھایا یا پھر انھوں نے منفی جذبات سے کام لیا۔ امام احمد رضا نے انھیں دندان شکن جواب دیا اور اس اچھوتے انداز میں جواب مرحمت فرمایا کہ منفی رویوں کی پیشانیوں پر پسینے نمودار ہوگئے اور ان کی نخوت اور کبر وغرور پانی پانی ہوگئے۔ جن افراد ورجال نے ان رویوں کا اظہار کیا تھا ان کے حالات تو مت پوچھئے، وہ تو ایسے بے سدھ ہوگئے جیسے انھیں کسی زہریلے سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ ان افراد نے کہاں کہاں حملہ نہ کیا، عقیدۂ ایمان، عشق ووفا اور رشد وہدایت کے مضبوط قلعوں کو مسمار کرنے کی زبردست کوششیں کیں، بزرگان دین کے مقدس اعراس، تبرکات شریفہ اور معمولات اہل سنت وجماعت پر چن چن کر حملہ

کیا اور اپنی شعلہ بار آنکھوں سے ان پر گولے داغے، اس وقت کوئی بھی سامنے نہ آیا، کسی نے باطل قوتوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ جتائی اور نہ ہی آنکھیں چار کرنے کی جرأت کی۔ ذرا سوچئے اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات نہ ہوتی اور وہ تجدیدی کارناموں کو انجام نہ دیتے تو اس ملت بیضا کا کیا حال ہوتا اور کس خستہ حالت میں اس کی زندگی بسر ہوتی۔ شاید آج کے مفکرین کو اس کا ذرا سا بھی احساس نہیں۔ اگر وہ اس ابتر اور خستہ حالات کا اندازہ کر لیں تو میں سمجھتا ہوں امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے تجدیدی کارناموں کے تئیں جذبۂ انحراف پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ دورِ حاضر کے نوجوان قلمکاروں نے امام احمد رضا کے خلاف جس جذبۂ انحراف کا اظہار کیا ہے اور جو منفی رویہ اپنایا ہے کیا وہ اس جذبہ کے اختیار کرنے میں حق بجانب ہیں اور موجودہ دور کے حالات انھیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں، اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اس جذبہ انحراف کے پس منظر کیا اسباب ووجوہات ہو سکتے ہیں؟

جذبۂ انحراف کیا ھے؟ - یہ سوال کہ جذبۂ انحراف کیا ہے؟ کوئی زیادہ مشکل نہیں اس کا جواب تو نہایت ہی آسان اور سہل ہے کہ کسی جماعت اور گروپ سے جدا ہونے کو انحراف کہا جاتا ہے، یا کسی مروجہ نظریات سے روگردانی کو انحراف کہا جاتا ہے اور جب یہ انحراف قلبی کیفیت اور اندرونی واردات میں شامل ہو جاتا ہے، تو اسے جذبۂ انحراف سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اور جب کسی جذبہ کے پیچھے، رقت قلب، سوز وگداز اور سوزش دل ہوا کرتی ہے، تو وہ جذبہ تعمیری، مثبت اور حیات آفریں ہوا کرتا ہے کہ اسی جذبہ کے سبب قبولیت، حلاوت، طراوت، تر وتازگی، سبزو شادابی، رونق وبہار، عجز وانکساری، اخلاق وادب جیسے قابل ستائش اعمال وکردار نشو ونما پاتے ہیں۔ شومیٔ قسمت سے اگر کسی جذبہ میں بغض وحسد، کدورت وعداوت، کبر وغرور جیسے مذموم محرکات شامل ہو جاتے ہیں تو وہ جذبۂ انحراف کی شکل میں نظر آتا ہے اور پھر جذبہ انحراف سے سرشار انسانی قلب ودماغ سے لائق نفریں امور صادر ہونے لگتے ہیں اور ان کے قلم سے ایسی تحریریں، صفحۂ قرطاس پر ثبت ہو جاتی ہیں، جن میں غیظ وغضب کی تیوری ہوتی ہے اور چشم شعلہ بار کے شرارے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جذبۂ انحراف کا یہی فلسفہ ہے اور یہی اس کا تاریخی پس منظر

ہے۔تاریخ میں جذبۂ انحراف کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی، جس کے پس منظر تعمیری پہلو ہو۔اگر کہیں ایسا پہلو ہے تو اسے پیش کیا جائے۔یہ صورت حال اس جذبۂ انحراف کی ہے جو لابشرط شے کے مرتبہ میں پایا جاتا ہے اور جب یہی جذبۂ انحراف بشرط لاشی کے مرتبہ میں آجاتا ہے یعنی جب اسے کسی خاص شخص معین کے تعلق سے اپنایا جاتا ہے تو منحرف ہونے والے افراد و رجال پر بہت سی نئی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں کہ انھیں یہ بتانا پڑتا ہے کہ اس شخص معین میں ایسی کون سی خامی ہے جس کے چلتے یہ جذبۂ انحراف اختیار کیا گیا اور جب اس جذبۂ انحراف کا تعلق ایسے شخص معین سے ہوجاتا ہے جو عظیم فرد اور بطل جلیل ہوتا ہے اور جن کے خدمات وکارنامے، اصول ونظریات چمکتے سورج کی مانند ہوا کرتے ہیں تو ان کے تئیں جذبۂ انحراف کا اختیار کرنا میں سمجھتا ہوں، بغض وحسد، کبر ونخوت اور عداوت وکدورت کے سوا نہیں ہوسکتا۔میں دیکھ رہا ہوں جو نوجوان طبقہ ابھی ابھی چار دنوں سے میدان میں آئے ہیں ان کے منھ سے چھٹی کے دودھ کی بدبو بھی نہیں گئی ہے وہ بھی جذبۂ انحراف اختیار کیے ہوئے ہیں اور وہ بھی کس سے؟ اس عظیم شخصیت سے جن کے علمی کارناموں کو چاند ستارے سلام کرتے ہیں اور زمانہ کی رفتار بھی ادب بجالاتی ہے۔باد صبا کو دیکھئے تو ان کے پیغام محبت کو دور دور تک پہنچا رہی ہے۔اس عظیم شخصیت سے میری مراد امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ہے۔ان کی تعلیمات، اصول ونظریات سے پورا ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیا اور دوسرے براعظموں کے لوگ بھی متاثر ہیں۔انھوں نے وہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور عشق وایمان، خلوص ومحبت کی ایسی خوشگوار ہوا چلائی کہ سارا زمانہ ان کا گرویدہ والہ وشیفتہ ہوگیا۔حق وانصاف، دین ومسلک کی شناخت اور معیار ان کی ذات بن کر ابھری۔اہل سنت وجماعت کی پہچان امام احمد رضا کی شخصیت بن گئی۔ارباب فکر ونظر نے یہاں تک فرمایا......امام احمد رضا کے تذکرہ سے اگر کسی فرد انسان کے چہرہ پر خوشگوار اثرات نمایاں ہوتے ہیں تو وہ سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے اور جس کے چہرہ بشرہ پر یہ کیفیت دیکھنے کو نہیں ملتی، وہ بدمذہب اور بدعقیدہ تصور کیا جاتا ہے۔ایسا تصور کرنے والا کوئی ایک فرد نہیں، پوری جماعت اور پورا گروہ ہے۔اس گروہ میں جو لوگ شامل ہیں وہ صرف عام مسلمان نہیں، بلکہ اس میں ایسے ایسے افراد بھی شامل ہیں جن کی علمیت، فنی بصیرت اور

دانشوری، اعتماد و یقین کی حیثیت رکھتی ہے، ان کی سوچ اور فکر و دانش کبھی غلط نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس کی شفافیت پر آج تک گرد و غبار کی تہہ جمی ہی نہیں، ان سے صرف افراد ہی متعلق ہیں بلکہ پورا ادارہ، انجمن اور ہزاروں بزمیں جلا پاتی ہیں۔ جہاں جماعتی وسعت کا یہ عالم ہو ان سے انحراف اختیار کرنا اور منفی رویوں سے کام لینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو حق و صداقت اور واقعیت کے معیار پر پوری اتر چکی ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی جذبۂ انحراف سے کام لیتا ہے تو میں سمجھتا ہوں وہ فکر و دانش سے کام نہیں لے رہا ہے بلکہ چڑھتے سورج سے بغاوت کر کے وہ اپنی شخصیت کو عظیم بنانے کی کوشش کر رہا ہے؟ اس طرح اگر شخصیتیں عظیم ہوا کرتیں تو کوئی بھی عظیم منصب سے کم پر راضی نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں کون عظیم بننا نہیں چاہتا اور کس کے دل میں عظیم بننے کی خواہش نہیں؟ انسان تو انسان، سمندر کی تہہ میں رینگنے والا کیڑہ بھی اس دوڑ میں پوری تندہی سے جٹا ہوا ہے، وہ بھی چاہتا ہے ہم عظیم سے عظیم تر بن جائیں اور بلند ترین آسمان اور چاند ستاروں کی گردنوں میں باہیں ڈال کر، اپنی آنکھیں چار کریں۔ بتایئے اس طرح کوئی بھی کامیاب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، کہ عزت و وقار اور سربلندی تو اس کے دست قدرت میں ہے جس نے اپنی رحمت سے ہمیں وجود کا لباس عطا کیا اور بے پناہ نعمتوں سے نوازا، اس کی عطا کی ہوئی نعمت پر ہم انسانوں کو راضی ہونا چاہیے اور اس کے فیصلہ کو بسر و چشم قبول کر لینا چاہیے کہ اس عظیم ذات اقدس نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اہل سنت کی پہچان بنا دیا اور اس پہچان کے زیر لوا رہنے والوں میں ہمیں شامل کیا۔ اگر یہ فیصلہ تسلیم کے لائق نہیں تو پھر اس سے کون لڑائی مول لے اور لڑائی مول لینے کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس پر بھی سنجیدگی سے آج تک غور کیا گیا، نہیں۔ تو پھر آج ہی غور کر لیں کہ ابھی وقت ہے اس سنہرے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیں ورنہ ہاتھ سے طوطا اڑ جائے گا تو پھر آپ کیا کریں گے؟ جو لوگ آج مسلک اعلیٰ حضرت سے بغاوت پر اتر آئے ہیں وہ مسلک اہل سنت و جماعت سے بھی بغاوت پر آمادہ ہیں کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور مساوی ہونا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دونوں اصطلاحوں کو مانا جائے، مسلک اہل سنت کو بھی اور مسلک اعلیٰ حضرت کو بھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کو نہ ماننا، اصول

مساوات کے سراسر خلاف ہے اور یہی جذبۂ انحراف کی ایک شکل ہے، جو اپنایا جا رہا ہے۔ کیا انھیں نہیں معلوم کہ جذبۂ انحراف کبھی کامیاب نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں، ہاں نقصان تو ہو سکتا ہے۔ جو لوگ یہ جذبہ اپنا کر اپنے گھروں میں گھی کا چراغ جلا رہے ہیں اور خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں انھیں تو اپنی عقل وخرد پر ماتم کرنا چاہیے اور آٹھ آٹھ آنسو رونا چاہیے کہ اسی جذبۂ انحراف نے فکر ونظر میں انتشار پیدا کر دیا اور اہل سنت کو دو خانوں میں بانٹ کر رکھ دیا ہے۔ کیا یہ جماعتی نقصان نہیں، تو پھر اسے کیا کہا جائے، جن افراد کے دلوں میں جذبۂ انحراف پایا جاتا ہے وہ بے راہ روی کے شکار ہو چکے ہیں، اسلاف کی ذات پر تنقید کر رہے ہیں، ان کے نظریوں سے متصادم ہو رہے ہیں۔ ماضی سے رشتہ توڑ کر حال کی بھول بھلیوں میں گم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مغربیت کا رنگ چڑھ رہا ہے، یوروپی تہذیب کے دلدادہ ہوتے چلے جا رہے ہیں اور آئے دن فکری ارتداد میں پھنستے جا رہے ہیں۔ خدا خیر کرے، اس قوم کا جن کے افراد میں ایسے لوگ پنپ رہے ہوں، کیا ایسے لوگوں سے قوم وملت کا بھلا ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر قیادت کی باگ ڈور ایسوں کے ہاتھوں میں دے دی جائے تو پھر یہ افراد جوش وجذبہ میں کیا کر بیٹھیں، اس کی کیا گارنٹی۔ ایسا کرنا یقینی طور پر بندر کے ہاتھ میں استرہ دینا ہوگا۔ یہ خود بھی زخم خوردہ ہوں گے اور اوروں کو بھی لہولہان کر دیں گے، ایسا دور نہ آئے، اس لیے ہمارے اکابر علماء کو اس بات پر غور کرنا چاہیے اور ان کے منھ میں لگام ڈال دینا چاہیے کہ شتر بے مہار کی طرح انھیں چھوڑ دینا، کوئی دانشمندی نہیں۔ جذبۂ انحراف کس قدر خطرناک جذبہ ہے اس کا تو آپ کو احساس ہو ہی گیا ہوگا۔

(۱) اسلاف بیزاری کے جذبہ کا فروغ وارتقا، (۲) اکابر کے نظریات پر تنقید کرنا، (۳) اعلیٰ حضرت کے موقف سے اختلاف کرنا، (۴) ٹیلی ویژن، ریڈیو کی خبروں کو معتبر ماننا، (۵) موبائل وغیرہ کی اطلاعات کو خبر مستفیض کا درجہ دینا، (۶) ٹی وی پر اسلامی پروگرام کو مستحسن بتانا، (۷) تصویر دیکھنے کی حرمت کا قائل نہ ہونا، (۸) سبحان اللہ، ماشاء اللہ کے بجائے تالی بجوانا، (۹) تصویر کشی کی روایات کو سراہنا وغیرہ۔ اسی جذبۂ انحراف کے بال وپر ہیں، اس کے خطرناک جراثیم مدرسوں میں پھیل رہے ہیں اور خانقاہوں میں بھی، بہت سے خانقاہی افراد بھی اس جرثومہ کے

شکار ہو چکے ہیں کہ ان کے دلوں میں بھی جذبۂ انحراف سرایت کر چکا ہے اور کبھی کبھی وہ دبے لفظوں میں اس کا اظہار بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کائی زدہ مقامات پر کس کس کے پاؤں میں لغزش پیدا ہوگی ابھی سے اس کا اندازہ ہو رہا ہے۔ اس مقام پر مجھے کسی معتبر شخصیت کا وہ مقولہ یاد آ رہا ہے کہ انھوں نے اس وقت فرمایا تھا جب ان کے چہرہ مہرہ پر غیض وغضب کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی شعلہ بار آنکھوں سے اب شرارے نکلنے والے ہیں اور وہ کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکنے والے ہیں حالانکہ اس مقولہ کا کوئی محل نہیں تھا اور نہ ہی حالات ایسے بنے تھے کہ اس کا استعمال کیا جائے ہاں اتنی بات ضرور تھی، آنجناب انتہائی درجہ تک جوش وجذبہ اور جنونی کیفیت سے دوچار تھے، اس پر جوش اور جنونی کیفیت میں کون کیا بک جائے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ایسی جنونی کیفیت والے مقولہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اسے نظر انداز کر دینا ہی مناسب تھا، مگر یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جذبۂ انحراف کے پس منظر جو کیفیت ہوئی ہے اسے ہم جوش وجذبہ، غصہ وجنون، بغض وعناد اور کدورت سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ خیر جانے دیجیے، اب وہ مقولہ کیا تھا اسے دیکھیے اور جذبۂ انحراف کی قیامت خیزیوں کا اندازہ لگایئے۔ آنجناب کا ارشاد گرامی تھا...... ''ہم اہل سنت وجماعت سے ہیں، آج کل کے چودہ صدی کے مولویوں سے اس کی سند لینے کی ضرورت نہیں''۔

یہ وہ مقولہ ہے جو ہزاروں کے مجمع میں کہا گیا۔ اس مقولہ کا تجزیاتی مطالعہ کریں تو اس میں بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں اور ایسے بہت سے پہلو نکلتے ہیں جو نہایت ہی کمزور ناتواں دکھائی پڑتے ہیں جن کی بنیاد پر اس مقولہ کی صداقت وواقعیت مشکوک نظر آتی ہے، جذباتی انداز میں کوئی بھی اس مقولہ کو سراہا جا سکتا ہے، مگر فکر ونظر کے زاویہ میں یہ مقولہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کو ثابت کرنے کے لیے ذیل میں اس کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مقولۂ مذکورہ کا تجزیاتی مطالعہ – مذکورہ مقولہ دو حصوں پر مشتمل ہے اول حصہ یعنی ہم اہل سنت وجماعت ہیں، صرف دعویٰ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی اور نہ ہی اس کی کوئی سند پیش کی گئی اگر یہاں سند پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی تو دعویٰ کرنے کی ضرورت

بھی نہ تھی، اس طرح یہ دعویٰ بے ضرورت ہو گیا اور جو چیز بے ضرورت وجود میں آجاتی ہے اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ دانشوروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں، مقولہ کا دوسرا حصہ "آج کل کے چودہ صدی کے مولویوں سے اس کی سند لینے کی ضرورت نہیں ہے" اس دوسرے حصہ کی مختلف حیثیتیں ہیں......

اولاً - ہم اہل سنت و جماعت ہیں، اسے سند کی ضرورت ہی نہیں، یہ بات تسلیم کے لائق نہیں، کہ ہر دعویٰ کو سند کی ضرورت اور دلیل کی حاجت ہوتی ہے اور جس دعویٰ کو دلیل و سند کی ضرورت نہیں وہ دعویٰ ہی نہیں بلکہ جنون و بکواس ہے۔ اس لیے اُسے سند کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی کا مبارک قول ہے...... "ہر چہ گفتی دلیلش بیار" تم جو کچھ بھی کہو، اس کی دلیل بھی دو، سند بھی لاؤ اور جس بات کی سند نہ دی جائے وہ بات سننے کے لائق نہیں اور جو بات سنی نہ جائے اور نہ ہی اس کی طرف التفات و توجہ کی جائے تو پھر ایسی بات کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے تو شخصیت کی اعتباریت پر بھی ضرب آتی ہے۔ یہ کیسا دعویٰ ہوا کہ خود شخصیت اور آنجناب کی علمی بصیرت بھی گہن آلود ہو گئی، اگر اسے سند و شناخت کی ضرورت نہ تھی تو کبھی اس کی پہچان...... **ما انا عليه و اصحابي** اور کبھی حب **ختنين** کیوں بتائی گئی اور کبھی یہ کہا گیا کہ فرقۂ ناجیہ وہ ہے جو **مسح علي الخف** کے جواز کا قائل ہے یا یہ کہا گیا جو حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نظریات پر عمل پیرا ہے اور کبھی اس کی یہ پہچان ہو گئی کہ جو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہے، وہ فرقۂ ناجیہ ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوا کہ اہل سنت و جماعت ہونے کے لیے بھی سند و دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور میں تو اس کی اشد ضرورت ہے کہ گذشتہ ادوار میں باطل فرقوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ موجودہ دور میں تو اس کی کثرت بھی ہے اور بہتات بھی، اسی لیے اس دور میں اس کے لیے مزید سند و دلیل کی ضرورت ہے مگر نہ معلوم کس زعم میں آنجناب نے اپنے نظریہ اور جذبۂ انحراف کا اظہار کر کے اہل زمانہ کے حالات و کوائف سے ناواقفی کا اعلان کر دیا یہ اعلان کسی طرح سے بھی درست نہیں۔

ثانیاً - دعویٰ ہم اہل سنت و جماعت ہیں، کو سند و دلیل کی ضرورت ہے اور یقیناً ہے مگر

یہ سند کہاں سے؟ اور کس سے حاصل کی جائے، آنجناب نے خود ارشاد فرمایا کہ آج کل چودہ صدی کے مولویوں سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔ اگر مولویوں سے سند لینے کی ضرورت نہیں؟ تو کیا جاہلوں سے سند لینے کی ضرورت ہے، تو پھر بتایا جائے مدرسوں، اداروں سے جو سند لی جاتی ہے کیا یہ سند نہیں کہ ان اسناد پر مولویوں کے ہی دستخط ہوا کرتے ہیں، کوئی جاہل اس پر دستخط نہیں کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس جملہ سے تمام مولویوں کی توہین کی گئی ہے اور انھیں حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس قسم کے جملوں سے یقیناً اسلاف بیزاری کی بو آتی ہے اور جذبۂ انحراف کو فروغ ملتا ہے۔ صبح قیامت تک یہ جذبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے، مولویوں سے بیر رکھ کر کوئی بھی کامیاب نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ خانقاہوں میں براجمان سجادہ نشینوں کو بھی مولویوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے بغیر یہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے کہ مولویوں کی ذات و شخصیت سے انھیں جلا ملتی ہے اور قوم وملت کے دلوں میں ان کی عزت اور وقار پیدا ہوتا ہے۔ اگر مولوی حضرات ان کے سروں سے اپنے مقدس سایوں کو سمیٹ لیں، وہ ایک فالج زدہ انسان کی طرح بے سدھ ہو کر بیٹھ جائیں گے، نہ ان کے جسم میں کوئی حرکت ہوگی اور نہ ہی ان کے پاؤں میں چلنے کی سکت باقی رہے گی۔ انھیں مولویوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ کھوٹے سکوں کو بازار میں چلنے کے لائق بنا دیا، مگر افسوس ہے، شکر و امتنان کا اظہار کرنے کے بجائے مولویوں کو بے اعتنائی کا راستہ دکھایا جا رہا ہے اور قوم وملت کے دلوں میں ان سے بیزار رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور جذبۂ انحراف کو اپنے دامن سے ہوا دی جا رہی ہے۔ جو افراد ایسا کر رہے ہیں انھیں خوب سوچ لینا چاہیے کہ اگر مولویوں کا وقار داؤں پر لگ گیا، تو یہ چمن سونا رہ جائے گا اور یہاں صرف اور صرف الوؤں کی آوازیں سنائی دیں گی۔ خدارا ایسا ہرگز نہ کریں، جس کے نتیجے میں یہ ہولناک سانحہ پیش آئے۔ ہمیں یقین ہے میرے ان احساسات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا اور کوئی نہ کوئی مثبت کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔

ثالثاً - اگر فرض کر لیا جائے کہ مقولہ مذکورہ میں تمام مولویوں سے بیزاری کی تلقین نہیں کی گئی ہے، بلکہ کوئی خاص 'مولوی' ہے جس سے بیزار رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، وہ خاص مولوی

کون ہے؟ اس کی وضاحت نہ کر کے اس خاص اور معتبر شخصیت نے زبردست غلطی کی کہ خطا ایک نے کی تھی، سزا سب کو کیوں دی جا رہی ہے؟ مجرم پر ہاتھ نہ رکھنا اور پاک طینت افراد پر ہاتھ صاف کرنا، کوئی دانشمندی نہیں، یہ دھوکہ اور فریب ہے بلکہ یوں کہا جائے خفیہ انداز میں مجرم سے ہاتھ ملانے کے مترادف ہے اور قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے جیسا ہے۔ یہ سیاسی چالبازی نہیں تو پھر اسے کیا کہا جائے۔ حضور والا خود اس کو واضح فرما دیں اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس خاص مولوی نے آخر ایسی کون سی خطا کی ہے کہ اس کی سزا سب کو دی جا رہی ہے؟

رابعاً – اگر اس خاص مولوی کی خطا چودہ صدی کے تمام مولویوں کو اپنے دائرہ میں لے لیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی اچھائی، بھلائی اور نیک نامی بھی تمام مولویوں تک پہنچ سکتی ہے۔ خطا سب کو پہنچے اور اچھائی نہ پہنچے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس مقولہ سے تو اس خاص مولوی کی عظمت، اہمیت، افادیت اور جامعیت مترشح ہوتی ہے کہ وہ صرف تنہا مولوی ہے مگر ان کی ذات میں ایسی جامعیت مضمر ہے کہ اس کے خوبصورت دائرہ سے کوئی بھی مولوی باہر نہیں، نہ چودہ صدی کا کوئی مولوی باہر ہے اور نہ ہی آج کل کے دور کا کوئی مولوی باہر ہے۔ جب کوئی مولوی ان کی جامعیت کے دائرہ سے باہر نہیں تو عام مسلمان کیونکر باہر ہو سکتے ہیں۔ اسی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے وہ خاص مولوی کوئی عام مولویوں کی طرح نہیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔ ان میں کوئی خاص خوبی اور کمال و ہنر ضرور ہے جس کی جامعیت مخالفین کی زبانوں سے بھی غیر شعوری طور پر نکل ہی جاتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے **الحق یعلو ولا یعلیٰ** کہ حق بات بلند ہو جاتی ہے بلند کی نہیں جاتی۔

خامساً – یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ خاص مولوی کون ہو سکتا ہے؟ قارئین اپنی فہم و فراست اور خداداد ذہانت و فطانت سے سمجھ ہی گئے ہوں گے، ہاں یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس پاکباز شخصیت کو دنیا سلام کرتی ہے اور جن کے علوم و فنون، تحقیقات و تخلیقات اور عظیم کارناموں کو اپنے اور بیگانے دونوں سراہتے ہیں۔ آج انھیں صرف مولوی کہا گیا، آخر انھوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ کسی کی جائداد پر قبضہ نہیں کیا، کسی کے باپ کو مارا نہیں، کسی کا کچھ چھینا نہیں، کسی کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھا تک نہیں، پھر بھی انھیں اس طرح سے کیوں پیش کیا جا رہا ہے، ان کی قد

اور شخصیت کو چھوٹے کینوس میں کر کے کیوں پیش کیا جا رہا ہے؟ اس کے اسباب وعلل کیا ہو سکتے ہیں؟ ہر دانشور انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے۔ بغض وحسد، کبر ونخوت اور دلوں کی کدورت ہی وسیع تر زاویوں میں تبدیل کر سکتی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور جذبہ ایسا نہیں ہے جو کسی بھی انسان کو اس حرکت نازیبا پر مجبور کرے۔ یہ وہ صاف شفاف آئینہ ہے جسے میں نے سامنے رکھ دیا ہے، کوئی بھی انسان اس میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور اپنے چہرے کے خد وخال کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ساتھ یہ حادثہ کوئی نیا نہیں ہے، یہ تو پیش آتا ہی رہا ہے کبھی کسی روپ میں اور کبھی کسی دوسرے روپ میں، حتی کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی جب اس حیات ظاہری میں جلوہ فگن تھے اس وقت بھی اسی قسم کا سانحہ پیش آیا تھا۔ غیروں نے جو مصیبتیں کھڑی کی تھی وہ الگ تھیں مگر اپنوں نے بھی کچھ کم قیامت خیزیاں پیدا نہ کی تھیں، اس کے باوجود امام احمد رضا فاضل بریلوی نے صبر وقناعت کا مظاہرہ کیا مگر اپنوں کے چہروں پر شکن بھی نہ آنے دی، غیروں کو تو للکار دیا اور اپنی شمشیر برہنہ سے ان کی گردنیں ناپ دیں کہ

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

لیکن جب اپنوں نے مخالفت کی اور بغض وحسد کا مظاہرہ کیا تو انھیں زبان وقلم سے اُف بھی نہ کہا اور صبر واستقامت سے کام لیا۔ ہاں صرف بارگاہ رسالت مآب میں اپنی یہ التجا پیش کر دی کہ......

ایک طرف ہے اعداء دیں ایک طرف ہے حاسدیں
بندہ تنہا ہے شہا تم پہ کروروں درود

اسی بارگاہ عظیم کا اکرام وانعام ہوا کہ امام احمد رضا نے جو سکہ ڈھالا وہ ہر بازار میں کھنکتا رہا اور چلتا رہا، آج بھی چل رہا ہے اور صبح قیامت تک چلتا رہے گا، جلنے والے جلتے رہیں گے مگر اس کا کوئی بال بیکا نہ ہوگا، اسی سکہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے، اسی سکہ نے خانقاہوں کی زینت بڑھائی اور سجادہ نشینوں کو اوج ثریا کا مقام عطا کیا۔ اگر اعراس نہ ہوتے، نیاز وفاتحہ کا دور نہ چلتا، چادر وگاگر کی باتیں نہ ہوتیں، بزرگوں کے خطبے نہ پڑھے جاتے اور بیعت وارشاد کی بزم میں نہ سجتیں تو بتایئے پیروں

کوطراوت اور حلاوت کہاں سے میسر ہوتیں؟ ذرا ان افراد کی طرف دھیان دیجیے جنھوں نے بزرگان دین سے روگردانی کی تو ان کی خانقاہیں سونی ہوگئیں اور وہاں الّو بسنے لگے۔ غیروں کو ہماری خانقاہوں کی یہ چاندنی پسند نہ آئی اور انھوں نے پینترہ بدل کر ہماری جماعت کے کچھ نوجوانوں پر ڈورے ڈالنے لگے، انھوں نے کچھ ایسے خوبصورت انداز میں ڈورے ڈالے کہ براہ راست خانقاہوں پر حملہ نہ کیا بلکہ ان کے دلوں میں امام احمد رضا اور ان کی تعلیمات کے تئیں جذبۂ انحراف کا بیج بو دیا۔ یہ کچے دھاگے یہ سمجھنے لگے کہ بس اس میدان میں صرف ہمیں کھلاڑی ہیں، ہم ہی شہ سوار ہیں، ہم جیسا کوئی نہیں اور اسلاف کو ہدف تنقید بناتے رہے۔ تنقید اچھی چیز ہے اس سے انکار نہیں، مگر تنقید وہ ہونی چاہیے جو مثبت ہو اور جس میں تعمیر کا جذبہ مضمر ہو۔ جس تنقید میں یہ باتیں نہیں سرے سے میں اسے تنقید ہی نہیں مانتا بلکہ وہ تخریب کاری ہے اور فکری دہشت گردی ہے کہ اس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں مگر جو تنقید کر رہے ہیں انھیں تنقید کرنے سے پہلے خود اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ وہ تنقید کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں، انھیں اس بات کو بھی پرکھنا ہوگا کہ تنقیدی اصول ونظریات پر وہ عمل پیرا ہو سکتا ہے یا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تنقیدی صداقت و واقعیت، نفسانیت کی راہ پر چل دیئے اور اس کی تمام تر رعنائیاں بادِ سموم کی نذر ہو جائیں۔ اس موقعہ پر ہمیں حضرت مسعود ملت کا درج ذیل مشورہ یاد آرہا ہے آپ فرماتے ہیں......

> "بعض علمائے اہل سنت اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ امام احمد رضا کے افکار وخیالات کو ہدف تنقید بنانے میں کوئی حرج نہیں، فقیر سے ایک عالم نے فرمایا کہ امام احمد رضا کے فکر وخیال حرف آخر سمجھنا تشویشناک ہے، ایک طبقہ اس خیال کو عام کر رہا ہے یہ انتشار کی ایک نئی تدبیر ہے غالباً اس کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری ہیں۔ علم وفضل میں جو امام احمد رضا سے بڑا یا کم از کم برابر ہو، یہ حق اس کو پہنچتا ہے کہ وہ کوئی اختلاف کرے اللہ تعالیٰ ہمیں انتشار فکر ونظر سے بچائے، آمین"۔ (پیغام رضا، ممبئی جلد ا، شمارہ ۲)

مسعود ملت کی اس تحریر کا مطالعہ کیجیے اور جذبۂ انحراف رکھنے والے افراد ورجال کی تگ ودو اور ان کی تحریروں کا گہرائی سے جائزہ لیجیے اور بتائیے کیا انھیں مسلک اعلیٰ حضرت اور امام احمد رضا

کے خلاف موقف اختیار کرنے کا کوئی جواز حاصل ہے؟ اور کیا انھیں اس بات کا حق پہنچتا ہے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دور میں جن افراد نے ان کے خلاف موقف اختیار کیا، آج خود ان کا موقف متزلزل نظر آ رہا ہے کیونکہ اس موقف میں کوئی سچائی نہیں تھی، صرف ضد اور انانیت تھی۔ اس بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہوئی ہے اس میں پائیداری نہیں آئی، وہ تو کھائی ہوئی کھیتی کی مانند ایک طرف پڑی ہوئی ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس پر کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں ملتا۔ رامپور اور فرنگی محل کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اختلاف رائے انسان کا بنیادی حق ہے یہ اسے ملنا چاہیے اور اس معاملہ میں ہر انسان آزاد ہے کہ اپنی رائے کا اظہار کرے، مگر کسی کی رائے سے اختلاف وہ کرے جو اس کے علم وفضل، ہنر وکمال میں برابر اور ان کی رائے بھی اسی حیثیت کی ہو جس حیثیت کی رائے اُن کی ہے۔ علم وفضل میں کمی اور رائے کی حیثیت کا ''نا'' کے برابر ہونا، اختلاف رائے کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے۔ کچھ لوگ بناوٹی ایڑیوں پر کھڑے ہو کر مساوی ہونے کی کوششوں میں کیوں لگے ہیں، اس سے اپنا ہی نقصان ہوگا اور چمکتے دمکتے چہروں پر شکن تک نمودار نہ ہوگی اور ہر کوئی دیکھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کے پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھیے

امام احمد رضا کی ذات وشخصیت، اصول ونظریات، افکار وخیالات، اہل سنت وجماعت کی سند ودلیل ہے معیار اور شناخت ہے۔ یہ صرف میرا عندیہ نہیں، پورا زمانہ اس کو تسلیم کرتا ہے، اہل علم، صاحب بصیرت افراد اس پر اتفاق کرتے ہیں۔ کل بھی اس پر اتفاق تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ خانقاہیں بھی اس سے اتفاق کرتی ہیں اور مدارس ومکاتب بھی، گویا پورا سواد اعظم اسی پر اتفاق کرتا ہے، اب اگر کوئی سر پھرا اس پر اتفاق نہ کرے تو اس کی حیثیت ہی کیا؟ اسے تو خود ڈوب مرنا چاہیے کہ سواد اعظم سے اتفاق نہ کرکے، انھیں کیا ملے گا؟ ہاں ذلت ورسوائی، حسرت ویاس، ناامیدی اس کی نصیب بن جائے گی اور یہی اب تک ہوا بھی ہے۔ بریلی شریف کی مرکزیت کسی ادارہ یا انجمن کی بنیاد پر نہیں اور نہ ہی وہاں کی علمی خدمات کی بنیاد پر ہے بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات وشخصیت، ان کی عبقریت اور جامعیت کی وجہ قائم ہے۔

ایسی عبقری شخصیت نہ چودھویں صدی میں کوئی اور نظر آتی ہے اور نہ ہی پندرھویں صدی کی ربع اول میں، حتی کہ گذشتہ ادوار میں بھی ایسی عبقری شخصیت نظر نہیں آتی۔ مولانا غلام مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں......

"نویں صدی کے مجدد جلالۃ الملۃ والدین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے بعد سے اب تک اتنی کثیر تصانیف امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سوا کسی کی نہیں ملتی" (پیغام رضا، ممبئی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء)

اس عبارت مذکورہ سے امام احمد رضا کی انفرادیت اور امتیازی شان وشوکت نظر آتی ہے، جب اتنی تصانیف کسی اور مصنف کی نہیں ملتی ہیں تو پھر کوئی امام احمد رضا کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تک جس عبقری شخصیت کی تصانیف نظر آتی ہیں وہ صرف ۳۲ ر علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔ دورِ حاضر کے عظیم محقق مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ تحریر کرتے ہیں......

وقد كتب في نيف و خمسين فناً وقال بعض الخبراء لم يكتب احد ممن سبقه الا في خمسة و ثلاثين فنا، حدوث الفتن. ص:١٦٩

یعنی امام احمد رضا نے پچاس اور کچھ زائد فنون میں کتابیں تصنیف کیں بعض محققین نے فرمایا امام احمد رضا سے پہلے ۳۲ ر علوم سے زائد پر کسی نے کتاب نہیں لکھی۔

۵۵ ر علوم وفنون میں امام احمد رضا کی تصانیف پائی جاتی ہیں اس پر تمام اہل تحقیق کا اتفاق ہے اور بعض محققین نے اس کی تعداد ۷۰ ر بتائی ہے نیز بعض نے ۱۰۵ ر بتائی ہے۔ اس قدر کثیر علوم وفنون پر کتابوں کا مشتمل ہونا اور گذشتہ زمانوں میں ۳۲ ر سے زائد علوم وفنون پر کسی کی تصنیفات کا نہ پایا جانا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت اور منفرد شان وشوکت رکھنے والی ذات ماضی کے ادوار میں بھی نہیں پائی جاتی تھی تو پھر چودھویں یا پندرھویں صدی میں ان کی نظیر کیونکر مل سکتی ہے کہ یہ ادوار تو قحط الرجال اور زوال پذیر علوم وفنون سے موسوم ہیں، جو لوگ اس قحط الرجال ادوار میں امام احمد رضا جیسی شخصیت کو تلاش کر رہے ہیں یا

ان کی تصنیفات جیسی کتابیں تحریر کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں، میرے خیال میں وہ ریت کے تودوں میں ہیرے جواہرات کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یہ کوشش ناکام ہو جائے گی اور متلاشیوں کے بازو شل ہو جائیں گے مگر امام احمد رضا کی نظیر اور مثال نہیں مل سکتی ہے۔ جب ان کی شخصیت اس قدر عظیم و منفرد ہے تو ان کی وجہ سے قائم بریلی کی مرکزیت بھی عظیم و منفرد ہوگی، نہ ان کی شخصیت کی کوئی مثال، تو بریلی کی مرکزیت بھی لاجواب اور اہل سنت وجماعت کے لیے ان کی شخصیت کا معیار و شناخت اور سند و دلیل بن جانا بھی انوکھا اور نادر و نایاب ہے، جو افراد اس سند و دلیل کے منکر ہیں، انھیں چاہیے کوئی دوسرا امام احمد رضا تلاش کر لے اور بریلی جیسی مرکزیت بھی ڈھونڈ نکالے۔ اس کے بعد شناخت میں تبدیلی کر لے۔ یہ تبدیلی ہم بصد شوق قبول کر لیں گے اور اس میں ذرا بھی پس و پیش سے کام نہ لیں گے۔ صرف اور صرف امام احمد رضا کو یہ فخر و ناز ہے کہ ان کے پیرزادگان بھی انھیں اپنی سند تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ خانوادہ برکاتیت کے ایک گل سرسبد یعنی علامہ حسنین میاں نظمی مارہروی اپنے شعر میں فرماتے ہیں......

جب بھی کوئی پوچھتا ہے اہل سنت کی سند
پیش کر دیتے ہیں ہم تو اعلیٰ حضرت کی سند

جب خانوادہ برکاتیت امام احمد رضا سے اہل سنت کی سند لیتے ہیں تو پھر ہمہ شما، زید و بکر کی کیا حیثیت؟ انھیں امام احمد رضا سے اہل سنت کی سند لینے میں عار کیوں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام احمد رضا کی ذات و شخصیت پر اعتماد و یقین رکھنا، وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ان کے اصول و نظریات، افکار و خیالات کو تسلیم کیجیے، خوش ہو کر تسلیم کیجیے یا پھر مجبور ہو کر دونوں صورتوں میں تسلیم کرنا پڑے گا ان سے انحراف اختیار کر کے، اندھیروں، ظلمتوں میں زندگی بسر کرنے کے مترادف ہوگا، مگر اس کے لیے جو زندگی بسر کرنے کے صحیح اور حقیقی مفہوم سے واقف ہو، جس کا شعور اس معاملہ میں حد اعتدال سے بھی گرا ہوا ہو، وہ جیسے چاہے زندگی بسر کرے ان کے نزدیک تو اس کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے تو پھر انھیں پند و نصیحت کرنے سے بھی کیا فائدہ؟

آج جو افراد یوروپی تہذیب اور اس کی بڑھتی ہوئی قبولیت سے حد درجہ متاثر ہیں وہ کیا نہ

کریں ان کے بارے میں کیا سوچا جائے، حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی بھی زندگی کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں بلکہ وہ تو جدید تہذیب پر آمنا صدقنا کہہ چکے ہیں، اسی پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہنے والوں نے کیا خوب کہا ہے کہ......

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

فی نفسہٖ شخصیت کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک کہ اس سے علمی خدمات، اخلاق و عادات اور کمالات کا ظہور نہ ہو کہ یہی تمام چیزیں شخصیت کو معتبر بناتی ہیں۔ علوم و فنون کی کثرت، معلومات کی وسعت اور موضوعات کی بہتات سے جو شخصیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں ان میں انفرادیت کی جو شان پیدا ہوتی ہے وہ کسی مفروضہ اصول کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول ہندسہ کی ٹھوس حقیقت پر پیدا ہوتی ہے، اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے کہ وہ دو اور دو چار کی مانند ہوتی ہے تو پھر اسے کون جھٹلائے گا؟ امام احمد رضا کی شان انفرادیت بھی ۵۵/۷۰/۱۰۵ ر علوم و فنون، موضوعات پر مبنی ہے تو پھر ان کی شان انفرادیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے۔ یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے اور نفس الامری حیثیت ہے۔ میرے خیال میں اسے جھٹلانا، چڑھتے سورج، دمکتے ستاروں کو منھ چڑھانا ہوگا، اس سے تو اپنا ہی نقصان ہوگا۔ کاش دورِ حاضر کے مفکرین اس بات کو سمجھ لیں تو بہتر ہے اور پھر جذبۂ انحراف سے توبہ کر لیں کہ یہی دورِ حاضر کا تقاضہ ہے۔

☆☆☆

باب ہفتم

ایک خوبصورت فریب

توسیع کے نام پر زبردست دھوکہ

اس دور میں اگر کوئی مسلک کا سوداگر ہے تو وہ جامِ نور کی تحریک اور اس کے ذمہ داران ہیں۔ انھیں اس بات پر زبردست خلش ہے کہ مسلک اہل سنت کی علامت وامتیازی نشان اعلیٰ حضرت کی ذات وشخصیت کیوں بن گئی؟ ان کے علاوہ کوئی ایرے غیرے کی ذات علامت ہو جاتی، شناخت بن جاتی، اعلیٰ حضرت کی ذات کیوں کر بن گئی۔ یہ نظریہ بغض وحسد، جذبہ رقابت اور تنگ نظری پر مبنی ہے اور قدرت سے جنگ لینے کے مترادف ہے۔ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، بندہ کو اس پر کیا اختیار، دلوں میں غل رکھنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ یہ سب لایعنی باتیں ہیں جو ذہن میں رچ بس گئی ہیں، اپنے ذہن کو اس سے پاک کرنا ہوگا اور دلوں سے بھی کدورتوں کو نکال باہر کرنا ہوگا ورنہ ایک دن وہ آئے گا کہ آپ خود اپنی سلگائی ہوئی آگ میں جھلس کر رہ جائیں گے اور زخموں پر کوئی مرہم رکھنے والا بھی نہ ہوگا۔ وہ دن دور نہیں بہت زیادہ قریب ہے۔ ابھی بھی وقت ہے ہوش میں آ جائیں، سمجھنے کی کوشش کریں جسے آپ توسیع کا نام دے رہے ہیں، درحقیقت یہ توسیع نہیں قوم وملت کے ساتھ دھوکہ ہے اور خود لفظ توسیع کو فریب

میں رکھنا..... لفظ توسیع ''وسعت'' سے مشتق ہے اور وسعت کا مطلب پھیلاؤ، کشادگی ہے۔ ظاہر ہے وسعت ایک امر انتزاعی ہے جو سمجھ میں تو آسکتی ہے، مگر خارج میں اسے دیکھا نہیں جا سکتا ہے، ہاں وہ اپنے محل یعنی نظریہ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے، جہاں نظریہ جاتا ہے، وسعت بھی اس کے ساتھ جاتی ہے اور جہاں نظریہ منجمد ہو جاتا ہے۔ وسعت بھی اپنے بازوؤں کو سمیٹ لیتی ہے۔

نظریہ اور اس کی تشکیل - نظریہ پانی کے بلبلوں کی مانند نہیں ہوتا ہے کہ اچانک پانی کی سطح پر بلند ہو جائے اور پھر چند ثانیے کے بعد ختم ہو جائے۔ نظریہ کی تشکیل تو تدریجاً ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔ اس کے لیے نظریہ کو وجود بخشنے والا کوئی ہو یا پھر فرسودہ نظریات میں کوئی انجلائی کیفیت لانے والا ہو۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نظریہ کے موجد تو نہیں ہیں بلکہ اہل سنت و جماعت کے جن نظریات کو فرقۂ باطلہ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے باطل نظریات کے سبب فرسودہ کر دیا تھا یا پھر انھیں گم کر دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انھیں نظریات میں انجلائی کیفیت پیدا کی اور اپنی علمی تحقیق و تلاش سے ان میں نئی جان ڈال دی اور زندگی کی رمق پیدا کر دی، یہی نظریات تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے انجلائی کیفیت پا کر مسلک اعلیٰ حضرت کے روپ میں نظر آرہے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے دوسرے اکابر نے بھی اس سلسلہ میں زبردست کوششیں کیں۔ اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، مگر ان کی کوششیں اس معیار کی نہ تھیں کہ نظریہ کی تشکیل تک پہنچ جائیں۔ یہ مرتبہ صرف اور صرف اعلیٰ حضرت کی کوششوں کو نصیب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کوششیں نظریہ کے مرتبہ تک پہنچ گئیں اور کسی بھی نظریہ میں تاب و توانائی، انجلائی کیفیات تو شخصیت سے ہی آتی ہے، اگر شخصیت سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا جائے تو نظریہ بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طرح گلاب کی ہریالی تر و تازگی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ پودوں سے جڑا رہتا ہے اور پودوں سے الگ ہوتے ہی اس کی تمام تر رعنائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ کھلتا ہوا گلاب سوکھی ہوئی پتیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچیے اور غور کیجیے ..... جو افراد مسلک /نظریہ کا رشتہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے منقطع کر دینا چاہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

مسلک کو بے جان کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ کسی اپنے کی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ غیروں کی ہو سکتی ہے یا پھر ان کی ہو سکتی ہے جو اپنوں میں رہ کر غیروں کی نمائندگی کرتے ہیں اور انھیں اغیار کے خشک دریاؤں کو جاری کرنا چاہتے ہیں ۔اس سماج میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ ایک تلاش کیجیے تو سیکڑوں میں ملتے ہیں۔ کبھی سفید پوشوں میں، تو کبھی سیاہ لباسوں میں، ان پڑھ اور جاہلوں میں بھی ملتے ہیں، پڑھے لکھے لوگوں میں بھی، ایسوں کی شناخت بہت مشکل سے ہوتی ہے، کیونکہ یہ لوگ موقعہ ملتے ہی ہمارے رنگوں میں رنگ جاتے ہیں اور پھر ہمارے سماج میں بدعقیدگی، سوء ادبی اور گستاخی کے جراثیم دھیرے دھیرے چھوڑتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اگر کسی کی ذات و شخصیت آڑے آتی ہے، تو وہ ذات صرف اہل سنت و جماعت کے امام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات ہے، جبھی تو یہ افراد ان کے پیچھے پڑ گئے کہ راستے سے وہ ہٹیں اور ان کا راستہ صاف ہو اور فسق و فجور، ضلالت و گمراہی کی اشاعت کا کام آسان ہو۔ ارباب فکر بتائیں؟ یہ مسلک کی توسیع ہے یا پھر توسیع کے نام پر زبردست دھوکہ اور خوبصورت فریب ہے۔ قارئین اس بات کا خود ہی فیصلہ کریں، تو بہتر ہوگا اور پھر اس ذات سے بغاوت...... جو نظریہ و مسلک کے لیے علامت و تشخص کا درجہ رکھتی ہو۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی دانشور اب تک نہیں گزرا ہے اور نہ ہی دورِ حاضر میں موجود ہے، جو کسی شے کو اس کی علامتوں سے جدا کر دے، اس طرح کی کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں ور خود کوشش کرنے والوں کی شخصیتیں مجروح ہو جاتی ہیں، تو پھر یہ کیسے دانشور ہیں جو شے کو علامتوں سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایسی چیستاں ہے جو نہ سمجھی جا سکتی ہے اور نہ ہی سمجھائی جا سکتی ہے۔ ہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کوششوں سے نظریوں کو مردہ قرار دینا ہے اور نظریوں کی تشکیل کرنے والوں کو نذر نسیاں کر دینا ہے، خدا خیر کرے، ایسے لوگ ہی صحیح معنوں میں مسلک کے سوداگر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات و شخصیت سے مسلک کی نسبت کو خوشتر نورانی نے نقطۂ انجماد سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ وہ خود تحریر کرتے ہیں......

یہاں تک کہ آج ہمارا مسلکی وجود سمٹ کر ایک نقطہ پر منجمد ہوتا جا رہا ہے

مسلک کی توسیع اور اس کی ارتقا کے لیے اس روش پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے۔(جام نور ماہ اکتوبر ۲۰۰۹ء کا سرِ ورق)

خوشتر نورانی کی پیش کردہ عبارت کو پڑھئے اور تھوڑی دقتِ نظر سے کام لیجیے اور اس عبارت پر غور کیجیے کہ ایک نقطے پر منجمد ہوتا جارہا ہے۔آخر خوشتر نے نقطۂ انجماد سے کیا مراد لیا ہے؟ ظاہر ہے اس سے ان کی مراد اعلیٰ حضرت کی ذات وشخصیت ہی ہے۔کیا اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں انجمادی کیفیت پائی جاتی ہے؟ سوچئے یہ کتنا بڑا بول ہے؟ اور جوش جنوں میں کیا بک رہا ہے، چلئے یہ تو امام احمد رضا کی شخصیت کی بات ہے۔ماہرین نفسیات کہتے ہیں...... شخصیت کسی کی بھی ہو، منجمد نہیں ہوتی، فعال اور متحرک ہوتی ہے اور برابر ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔وہ ایک پرشور سمندر ہے، بحر زخار ہے، اس کی تلاطم خیز موجوں اور اس میں اٹھنے والی لہروں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔اس کے اسرار ورموز کو سمجھنا ایک مشکل کام ہے۔ذرا سوچئے، جب کسی کی شخصیت منجمد نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں سیال کی کیفیت پائی جاتی ہے تو پھر اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو منجمد اور نقطۂ انجماد سے تعبیر کرنا، ان کی بے حرمتی اور بارگاہ رضا میں سوء ادبی نہیں تو پھر کیا ہے؟ خوشتر صاحب! آپ فکر ودانش سے کام نہیں لیتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت رئیس القلم کا فیضان منجمد ہو چکا ہے اور آپ تک نہیں پہنچ رہا ہے۔جب اعلیٰ حضرت کی شخصیت منجمد ہوسکتی ہے تو علامہ رئیس القلم کی شخصیت اور فیضان کے منجمد ہونے میں کیا دیر لگ سکتی ہے۔

امام احمد رضا کی ذات سے مسلک/نظریہ کی نسبت کو نقطۂ انجماد سے تعبیر کرنا، حقیقت حال کی غلط تعبیر اور نامعقول تشریح ہے۔یہ نسبت نقطۂ انجماد نہیں بلکہ منبع سیال اور فروغ وارتقاء کا خزانہ ہوتی ہے اور وسعت ونمو کا سرچشمہ۔دنیا میں کوئی ایسا نظریہ نہیں جو کسی کی ذات وشخصیت کی طرف منسوب نہ ہو...... کیا وہ نظریہ بھی کوئی نظریہ ہے جس کی تشکیل کا کوئی اتہ پتہ نہ ہو، جب ایسے انسان کی سماج ومعاشرہ میں کوئی وقعت نہیں، کوئی وقار وعزت نہیں تو پھر نظریہ کی کیا اہمیت ہوگی اور اس کی افادیت کا کون اعتراف کرے گا؟ اے خوشتر! آپ نے تو مسلک/نظریہ کو بھی مجروح کردیا۔جب مسلک ہی آوارگی قلم سے نہ بچا، تو پھر اکابر کی شخصیتیں کس طرح محفوظ رہ

سکتی ہیں؟ کیا اسی کا نام توسیع مسلک ہے؟ کیا کسی نظریہ کے ارتقا اور فروغ کے طریقے ایسے ہی ہوتے ہیں؟

توسیع مسلک کا راز - کسی بھی مسلک کی توسیع کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مسلک کا وجود متعین اور متشخص ہو، مسلک کا تشخص صرف اور صرف علامتوں سے ہوتا ہے۔ یہ بات قریب قریب سب کو معلوم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا...... میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا؟ اس فرمان کے بعد اس فرقۂ ناجیہ کے دین و مذہب متشخص نہیں ہوئے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہوگا؟ حکم ہوا، **ما انا علیہ و صحابی** وہ جنتی فرقہ اسی دین کا پیروکار ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ بعد میں اس فرقہ کی علامت حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوالمنصور کی ذات قرار دی گئی، موزوں پر مسح اور حضرت ابو حنیفہ کی محبت بھی اس کی علامت قرار دی گئی۔ پھر بعد میں اس کی علامت تقلید ائمہ ہوئی اور دور حاضر میں اس کی دو علامتیں ہیں۔ صوفی اور مسلک اعلیٰ حضرت۔ اگر مذکورہ علامتیں نہ ہوتیں تو مسلک مستحکم نہ ہوتا۔ تو پھر توسیع کس کی ہوئی؟ ایک طرف آپ مسلک کی توسیع کی بات کر رہے ہیں، دوسری طرف آپ اس کی علامتوں سے انحراف اختیار کر رہے ہیں۔ میرے دوست یہ توسیع نہیں، مسلک کو دفن کرنا ہے اور اسے روئے زمین سے مٹا دینا ہے۔ ہم اہل سنت نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ جام نور بھی مسلک اہل سنت کو مٹانے کی بات کرے گا؟ علامتوں کو مٹانا کسی بھی صورت میں مسلک کی توسیع نہیں۔ اس سے ایسی تباہی پھیل جائے گی کہ غیر فرقہ کے لوگ اس میں داخل ہو جائیں گے یا پھر ادھر کے افراد کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں نقصان مسلک کا ہوگا۔ آپ للّٰہ نہیں جو اس نقصان کا شعور نہیں رکھتے، رکھتے ہیں اور یقیناً رکھتے ہیں، نہ معلوم آپ کے دل میں کون سا جذبہ ہے جس کی وجہ سے مسلک کے آپ درپے آزار ہیں۔ علم سے اگر ذرا سا بھی آپ کو شد بد ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسلک کی توسیع اور اس کا ارتقاء اس بات پر موقوف ہے کہ......

اولاً - مسلک حقیقت واقعیت، صداقت، راست بازی کا ترجمان ہو، زندگی سماج و معاشرہ کا احاطہ کرتا ہو، اس میں نمو پذیری اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات سے نباہ کرنے کی صلاحیت ہو اور اس میں ایسی استعداد و لیاقت ہو کہ پیش آنے والے حادثات اور تغیرات کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے۔ جس مسلک میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں اسے توسیع اور فروغ و ارتقا سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔ اس کی پُر ضیاء کرنیں ہند و پاک یا صرف ایشیائی ملکوں تک ہی محدود نہیں رہ سکتی ہیں بلکہ وہاں تک پہنچ سکتی ہیں جہاں انسان کی فکر و نظر کی رسائی بھی نہ ہو۔ ہندوستان میں بہت سے مسالک ہیں، دیوبندی، وہابی، نیچری، چکڑالوی اور قادیانی، مگر ان مسالک کو توسیع نصیب نہیں ہوئی۔ قادیانیت سمٹ چکی ہے، چکڑالویت کا بھی اتہ پتہ نہیں اور نیچریت تو سر سید کے ساتھ دفن ہو چکی ہے۔ وہابیت کا دائرہ بھی بہت تنگ ہے، البتہ دیوبندیت ۲۰ یا ۳۰ فیصد سے زیادہ نہ بڑھی اور یہ بڑھوتری بھی تقیہ بازی پر مبنی ہے۔ کاش یہ حضرات اپنے خیالات باطلہ اور افکار فاسدہ کو طشت از بام کر دیں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ انھیں کے لوگ قصر دیوبندیت کو مسمار کر دیں گے مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک/نظریہ ایسا مسلک ہے جو ایک طرف صحابہ و تابعین، ائمہ کرام اور بزرگان دین کے عقائد و خیالات کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسری طرف جواز کی حد تک زمانہ کی روش کا ساتھ دیتا ہے اور بدلتے ہوئے مزاج و سرشت پر کہیں قدغن لگاتا ہے، تو کہیں اس سے نباہ کی کوشش کرتا ہے، اپنوں کو مسلک کے دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتا اور غیروں کو اپنے دائرہ میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتا، سچی اور دلوں کو لگتی ہوئی بات کرتا ہے، اسی لیے اس مسلک کی توسیع ہو رہی ہے اور اسے فروغ و ارتقا حاصل ہو رہے ہیں۔ خود دہلی کی سرزمین کو لیجیے جہاں سنیت نا کے برابر تھی مگر اب دہلی میں سنیوں کا بول بالا ہے۔ ہر طرف اسی کے چرچے ہیں۔ یہ مسلک کی توسیع نہیں، تو کیا اس کو نقطۂ انجماد سے تعبیر کیا جائے گا۔ ہندوستان کا آخر وہ کون سا خطہ ہے جہاں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مسلک و نظریہ کی اجلی کرنیں نہ پڑی ہوں اور قوم و ملت کے افراد ان کی تعلیمات و ارشادات سے اکتساب نور و ضیا نہ کر رہے ہوں، اگر آنجناب کی نظر میں ایسا کوئی خطہ، علاقہ ہے تو نشاندہی کی

جائے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے توسیع مسلک نہ کہا جائے گا تو پھر کیا کہا جائے گا؟ توسیع کا یہی تو مطلب ہے کہ کسی بھی نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے لوگ اس سے جڑ جائیں اور اتفاق کیے بغیر افراد کا کسی نظریہ سے رشتہ قائم کرنا، توسیع نہیں، نفاق و کدورت ہے اور اس نظریہ کی بیخ کنی ہے۔اس پر غور کیجیے اور صحیح صورت حال تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

ثانیاً۔ کسی حد تک مسلک کی توسیع اس کے حاملین، معاونین اور کارندوں کی کوششوں پر منحصر کرتی ہے۔یہی افراد تو توسیع و ارتقا کے ہاتھ پاؤں میں اس اعتبار سے دیکھتے تو مسلک اعلیٰ حضرت کے حاملین ایشیا یورپ، برطانیہ لندن اور امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کے تقاضوں، ضرورتوں کے تحت نظریہ و مسلک کی اشاعت کر رہے ہیں اور پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد جن افراد نے اس مسلک کو توسیع دی وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

〈گروپ الف〉۔ (۱) حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ

(۲) مفتی عالم حضرت علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ

(۳) ملک العلماء حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ

(۴) صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا محمد نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ

(۵) صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمہ

(۶) برہان ملت حضرت علامہ مولانا محمد برہان الحق صاحب علیہ الرحمہ، وغیرہ

〈گروپ ب〉۔ اس گروپ میں وہ علماء شمار کیے جاتے ہیں جو گروپ الف میں مذکور علمائے کرام کے براہِ راست شاگردوں میں شامل ہیں، خاص طور سے حضرت صدر الشریعہ کے شاگردوں کے نام سرِ فہرست ہیں۔

(۱) مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ

(۲) رئیس اڑیسہ مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ

(۳) صدر العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ
(۴) حافظ ملت محدث مرادآبادی حضرت علامہ شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ
(۵) غزالی دوراں حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد صاحب علیہ الرحمہ
(۶) رازی زماں حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری وغیرہ

﴿گروپ ج﴾- میں وہ علمائے کرام شامل کیے جاسکتے ہیں جو گروپ (ب) کے شاگرد ہیں خاص طور پر حضور حافظ ملت کے تلامذہ کرام مثلاً......

(۱) حضور ریحان امت حضرت علامہ مولانا محمد ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ
(۲) شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ
(۳) عتیق العلماء علامہ مفتی محمد تحسین رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ
(۴) بحر العلوم مفتی محمد عبد المنان صاحب قبلہ
(۵) تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری
(۶) محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ
(۷) رئیس القلم حضرت علامہ مولانا محمد ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ
(۸) پاسبان ملت حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ
(۹) سند المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد خادم رسول صاحب علیہ الرحمہ

گروپ ج میں چند علمائے کرام کے اسماء ذکر دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام ہیں جو اس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مختلف ملکوں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کو وسعت دینے اور اس کے فروغ وارتقا میں شب وروز ایک کیے ہوئے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے حاملین کا ایک سرسری اور مختصر جائزہ پیش کردیا گیا۔ اس جائزہ سے یہ اندازہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ دوسرے فرقے کے مسالک میں سے کوئی بھی مسلک اس قدر وسعت نہیں رکھتا، جس قدر کہ مسلک اعلیٰ حضرت/مسلک اہل سنت کو وسعت حاصل ہے۔ کوئی بھی مسلک اس کی برابری نہیں کرسکتا، خواہ وہ دیوبندیوں کا

مسلک ہو یا وہابیوں کا، قادیانیوں کا مسلک ہو یا ندویوں کا، نیچریوں کا مسلک ہو یا چکڑالویوں کا، یہ حقائق اس لیے پیش کر دیے گئے ہیں تا کہ آپ کو مسلک کی وسعت کا اندازہ ہو جائے اور پھر کسی ایک ذات پر نقطۂ انجماد تک سمٹ جانے کا گمان بھی نہ رہے۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ - مسلک اعلیٰ حضرت کے تمام حاملین جو اس دور میں موجود ہیں انھیں اپنی جبلت اور منصب و مرتبہ کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے منصب کے دائرہ سے پاؤں باہر نکالنا نہ صرف خطرناک ہے بلکہ تکبر و غرور، نخوت اور انانیت ہے۔ یہ حاملین مسلک اعلیٰ حضرت کے سپاہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، سپاہی تھے اور سپاہی ہی رہیں گے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ نے زیادہ کوششیں کیں اور کچھ نے کم مگر ہیں وہ سپاہی۔ انھیں مرکزی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔ کیا سپاہیوں کی قربانیاں کم ہیں؟ کیا ان کی وفاداریوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر کیا ضرورت پیش آئی کہ انھیں مرکزی حیثیت دی جا رہی ہے اور بریلی کی مرکزیت سلب کرنے کی یہ سرشت و عادت نہ کل لائق حسین تھی اور نہ آج ہے؟ بلکہ جس فرد عظیم کے لیے اس قسم کی باتیں کی جا رہی ہیں ان کی روح بھی ان کوششوں سے خوش نہیں ہوگی اور وہ بھی اپنی قبر میں انھیں کوس رہے ہوں گے۔ لہٰذا ایسی خطا ہرگز نہ کی جائے جس سے بزرگوں کو اذیت پہنچے اور انھیں تکلیف ہو۔ یہ تلخ باتیں ضرور ہیں مگر حقائق پر مبنی ہیں اس لیے میں نے نہایت ہی فراخدلی سے آپ کے روبرو پیش کر دیں۔

بری سوچ کا برا نتیجہ - بزرگوں کا مقولہ ہے ”بری سوچ کا نتیجہ بھی برا اور خطرناک ہوتا ہے“۔ مسلک اہل سنت کے لیے بھی کچھ لوگ بری سوچ رکھتے ہیں اور اسی پر ہندوستان کے تمام افراد کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ یہ کہیں گے کہ بری سوچ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں میرا کہنا یہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کو ختم کرنا ہی بری سوچ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت ہی جو غیروں کو اہل سنت کے دائرہ میں داخل نہیں ہونے دیتا ہے اور اپنوں کو اس کے دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتا ہے۔ اگر راستہ سے اسے ہٹا دیا جائے تو صلح کلیت پھیل جائے گی اور ایک قسم کی انارکی کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ اب آپ خود ہی سوچیں، یہ مسلک

اہل سنت کی توسیع ہے یا کچھ اور ہے۔ اس اعتبار سے تحریک جام نور اور تحریک ندویت میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے کہ صلح کلیت کا فروغ اس کا بھی مقصد تھا اور تحریک جام نور کا بھی یہی مقصد ہے۔ بس فرق طریقہ فروغ وارتقاء میں ہے، اس نے تعلیم وتربیت کو طریقہ فروغ کی صورت مین اپنایا اور جام نور نے صحافت، تحریر، انشاء پردازی کو اس کے لیے استعمال کیا۔ اس کا مرکز لکھنو کی سرزمین تھا اور اس کا مرکز ہندوستان کی راجدھانی دلی ہے۔ تحریک ندویت کی مخالفت جہاں حضور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کی، وہیں تاج الفحول حضرت علامہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے بھی مخالفت فرمائی۔ اس دور میں جو لوگ تحریک جام نور کی مخالفت کر رہے ہیں وہ انھیں دونوں بزرگوں کے طریقہ پر چل رہے ہیں۔ اس مضمون کو پڑھ کر کوئی بھی دانشور فیصلہ کرسکتا ہے کہ آپ کی روش مسلک کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور حاملین مسلک کے لیے بھی۔ قوم وملت کو بھی اس کا نقصان ہوگا اور علمائے کرام کو بھی۔ اس طرح تو آپ اپنے ہی اکابر کے درپئے آزار ہورہے ہیں اور ان کے کارناموں کو مٹارہے ہیں۔

☆☆☆

باب ہشتم

بدلی کا چاند
یعنی
مسلک اعلیٰ حضرت کا نکھار

سبز انقلاب ...... اسباب وعوامل

فکر ونظر کو بروئے کار لاتے ہوئے غور کریں تو انقلاب دو طرح کا ہوا کرتا ہے، ایک کو سبز انقلاب کہا جاتا ہے اور دوسرے کو سرخ انقلاب۔ انقلاب کی یہ دونوں صفتیں اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ یہاں بطور استعارہ استعمال میں لائی گئی ہیں۔ سبز انقلاب مفید کارآمد اور مثبت ہوا کرتا ہے اس میں کسی کی حق تلفی نہیں کی جاتی ہے اور نہ ہی کسی کے جذبات مجروح کیے جاتے ہیں بلکہ مستحقین کو اس کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ انقلاب ہر شعبہ زندگی پر محیط ہوا کرتا ہے، سماج ومعاشرہ، اقتصادی حالات، ذاتی اور بین الاقوامی حالات بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور سرخ انقلاب بالکل اس کے برعکس ہوا کرتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے جرائم پائے جاتے ہیں۔ گناہوں کا ایک بازار گرم ہوتا ہے اور اس انقلاب کے سبب فضاؤں میں تعفن پیدا ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی گھٹن محسوس کرنے لگتی ہے اور اسے چین امن وسکوں میسر نہیں ہوتا۔ اسی کو آپ دوسرے لفظوں میں حق وباطل کی معرکہ آرائی بھی کہہ سکتے ہیں۔

بات اگر چہ مشاہدۂ حق کی ہو یا پھر واقعی جذبات کی تصویر کشی کرنی ہو، اسے لفظوں کا روپ دینے کے لیے کبھی تشبیہ سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی استعارہ سے، کہیں مجاز و کنایہ کا سہارا لیا جاتا ہے اور کہیں مختلف صنعتوں کا، بات خواہ نثر میں کہی جائے یا نظم میں صنعتوں کے استعمال سے انداز بیاں میں حسن و بانکپن آہی جاتے ہیں اور پھر تحریریں اس قدر موثر ہوتی ہیں جو دلوں میں اتر کر فکر و استدلال کو اپیل کرتی ہیں اور قاری اندرونی طور پر کیف و نشاط محسوس کرنے لگتا ہے، اسی تناظر میں سبز انقلاب کو دیکھیے اور اس کے خوشگوار اثرات کا مشاہدہ کرنے کے لیے موسم ربیع فصل بہاراں کا مطالعہ کیجیے کیسا خوشگوار ماحول ہوتا ہے، ہر طرف سبز و شادابی پھیلی ہوتی ہے اسے کون فراموش کرسکتا ہے؟ کھیت کھلیان بھی تبسم ریز ہوتے ہیں اور بادِ نسیم کی آغوش میں مچل سے جاتے ہیں، ایسے پر کیف ماحول میں جس طرف بھی نگاہ اٹھایئے نظروں میں خوشی کا سا سماں پیدا ہو جاتا ہے، قلب کو بھی بھلا محسوس ہوتا ہے، جگر میں تازگی آتی ہے اور روح میں بالیدگی اور لطافت کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا موسم ہر ایک انساں کے دلوں میں اتر جاتا ہے سرمستی و سرخوشی نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگتی ہیں۔ آہ کیسا رشک ارم ماحول ہے کیسی جنت بدوش ہوائیں ہیں جو بھینی بھینی خوشبوؤں کو بکھیر رہی ہیں، یہ وہ سبز انقلاب ہے جو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے مگر کبھی سبز انقلاب اس طرح کا بھی ہوتا ہے جسے ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہیں صرف قلب و نظر اور روح سے اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، شعور و ادراک سے اس کا نظارہ کر سکتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ انقلاب کس طرح وجود میں آتا ہے؟

سبز انقلاب کس طرح وجود میں آتا ہے؟ یہ سوال بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اس کا جواب جاننے کے لیے ذرا گہرائی میں اترنا پڑے گا کیونکہ انقلاب کے اسباب و دواعی مختلف انداز کے ہوا کرتے ہیں...... ظلم و ستم، مال و زر، صنعت و حرفت بھی انقلاب لاتے ہیں مگر یہ انقلاب دیرپا نہیں ہوتے۔ اسے پائیداری حاصل نہیں، علم و ہنر، شعور و ادراک کے ذریعہ جو انقلاب وجود میں آتا ہے اس میں پائیداری ضرور ہوتی ہے۔ واقعی یہ انقلاب، انقلاب ہوتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں انقلاب کے اسی سبب سے بحث کی جائے گی۔ علم کافی اہمیت رکھتا ہے اس کی

افادیت تسلیم شدہ ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی دانشور انسان نہیں کر سکتا ہے۔ اس انسان کی بات ہی مت کیجئے جو جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جہل و نادانی جن کا نصیب بن چکا ہے کہ وہ تو اپنے مزاج کے مطابق علم کی افادیت کا انکار کر رہا ہے لیکن اس کا انکار کوئی ایسا انکار نہیں جس پر کان دھرا جائے اور اس طرف توجہ مبذول کی جائے، ہاں اسے سنئے ”جو یہ سننے کے لائق ہے، علم ہے تو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہے، زمام سلطنت ہے، صبر و قناعت، ہمت و جرأت ہے، شجاعت و بہادری ہے، ولولہ وامنگ اور جذبۂ و جوش ہے، کیف ونشاط اور سرمستی و سرخوشی ہے۔

علم ہے تو زندگی ہے، زندہ دلی اور فراغ قلبی ہے، پُرسکوں ماحول اور خوش گوار فضا ہے، عزت و وقار، شہرت دوام ہے، علم والوں کے چرچے ہر ایک کی زبانوں پر ہوا کرتے ہیں، گوشہ گمنامی میں بھی وہ ہزاروں کی بھیڑ جمع کر لیتے ہیں اور قلوب و اذہان پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ علم ہی انقلاب لاتا ہے برہم زلفوں کو سنوارتا ہے، نشیب و فراز میں ہمواری کی کیفیت نمودار کرتا ہے، ٹیڑھے میڑھے راستوں میں سدھار لاتا ہے اور ہر بگڑی کو بناتا ہے، تاریک راہوں کو روشن و تابناک کرتا ہے، افسانوں کو حقیقت کا روپ دیتا ہے، اس علم کے ذریعہ خاموش سمندر میں جو لہریں اٹھتی ہیں، موجیں سر اٹھاتی ہیں اس کے اثرات ہر طرف پھیل جاتے ہیں، ہر سمت پر ان کی توجہ ہوتی ہے کہ یہ انقلاب کوئی عام انقلاب نہیں، عام انقلاب تو مانند حباب ہوتا ہے بلکہ یہ علمی انقلاب ہے جو رفتہ رفتہ پھیلتا ہے اور پھر ہر طرف پھیل جاتا ہے زندگی کا کوئی گوشہ اس سے بچ نہیں سکتا بلکہ اس کی آہٹ ہر جگہ سے محسوس ہوتی ہے اور بہت دور سے سنائی دیتی ہے۔ زندگی، خاندان، افراد، نسل انسانی، سماج، معاشرہ، اقتصادیات، سیاسیات وغیرہ بھی علم کے انقلاب سے متاثر ہوتے ہیں۔ صرف یہ انقلاب یہیں تک محدود نہیں بلکہ اس کا سفر مسلسل جاری رہتا ہے اور یہ مسلسل چلتا ہی رہتا ہے کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، یہی سبب ہے کہ ماہرین علوم وفنون نے اسے ورثہ میں شامل کیا ہے اور فرمایا کہ یہ علمی انقلاب بھی بچوں کو ورثہ میں ملا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم کے ذریعہ انقلاب ضرور آتا ہے مگر یہ انقلاب سب کے لیے مفید ہوا یا نہیں

ہوتا۔ آج کا دور سائنس کا دور ہے، سائنسی ایجادات وانکشافات نے انسانوں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اس وقت زندگی کا کوئی حصہ/ شعبہ اس انقلاب سے خالی نہیں، حتیٰ کہ روزمرہ کے حالات پر بھی اس کو دسترس حاصل ہے، سائنس کا ہی نتیجہ ہے کہ ہر انسان مہنگائی اور سماج کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں سے پریشان ہے۔ زندگی میں اس قدر لوازمات کی بہتات ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی جائز کمائی سے ان ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتا ہے۔ اس لیے وہ ضرورتوں کے ہاتھوں مجبور ہوکر ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرتا ہے، رشوت سے اپنا کام نکالتا ہے، اسی سائنس نے ہر انسان کو مطلبی بنا رکھا ہے اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں کسی حد تک بھی جاسکتا ہے۔ بات یہیں تک محدود نہیں، سائنسی ترقی، جاہ وجلال نے ایٹم بم اور دوسرے جدید آلات حرب بنانے پر مجبور کر دیا، یہ جدید ہتھیار کس قدر خطرناک ہے، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان ہتھیاروں سے کتنے بے گناہ مرتے ہیں عراق وامریکہ اور افغانستان کی معرکہ آرائیاں اس پر شاہد عدل ہیں۔ مجرم کو منصف اور منصف کو مجرم بنا دینا سائنس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، یہ کوئی نظریاتی باتیں نہیں جن پر غور کیا جائے بلکہ روزمرہ کے مشاہدہ میں آچکی ہیں۔ سائنس کے مضر اثرات کہاں تک گنائے جائیں؟ کوئی ایک نقصان ہو تو بتایا جائے اس کے مضر اثرات تو ہماری رگوں میں خون بن کر گردش کر رہے ہیں۔ کہاں تک ان سے بچا جائے، اسی تناظر میں درج ذیل شعر پڑھا جائے کہ......

وہ اندھیرے ہی بھلے تھے کہ قدم راہ پر تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

لہٰذا علم سائنس کے انقلاب کو سبز انقلاب نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اس سے فائدے تو ہوتے ہیں مگر نقصانات بھی کچھ کم نہیں، سب سے زیادہ نقصان سائنس نے مذہب کو پہنچایا۔ تہذیب و تمدن کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا، دیانت، شرافت، نجابت کی بساطیں پلٹ دیں۔ اس دور میں جب کوئی مذہبی قانون کی بات کرتا ہے اور اسلامی ماحول کی خوشگواری کا تذکرہ کرتا ہے تو سائنس کے پجاری اسے دہشت گرد قرار دیتے ہیں اور پھر اس کے خلاف پالیسیاں وضع کر دی جاتی ہیں۔ سائنس نے آج تک دہشت گردی کے مفہوم ومصداق کا تعین نہ کیا، ویٹو پاور کا فلسفہ آج تک سمجھ

میں نہ آسکا۔ سائنس کی بدولت جو ژولیدہ اور پر پیچ حالات پیدا ہوئے کیا اسی کا نام سبز انقلاب ہے؟ نہیں۔ ہاں وہ علم جو شریعت کے زیر اثر پرورش پاتا ہے اور روحانیت کے سہارے قدم جماتا ہے اس سے جو انقلاب وجود میں آتا ہے اس کو سبز انقلاب کہا جاتا ہے اور اسی سبز انقلاب کی بدولت زندگی بر دوش ثریا نظر آتی ہے اور اس کا ہر ایک شعبہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، یہی زندگی تو رشک جناں معلوم ہوتی ہے اور چمن کی تمام بہاریں اس پر نثار ہو جاتی ہیں۔ اس کی سادگی بھی پرکاری نظر آتی ہے اور کھنڈرات بھی باغ ارم دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی زندگی پر کون ہے جو قربان نہیں ہوتا؟ اور اپنے آپ کو نثار نہیں کر دیتا۔ انسان کو چاہیے وہ علم سیکھے مگر اپنے علم وفن، فکر وشعور اور ادراک ونظر کو عشق ومحبت کا غلام بنا دے، خلوص وپیار کا اسیر کر دے۔ وہ علم بھی کس کام کا جسے پاکیزہ عشق کی ہوا تک نہ لگی ہو۔

سبز انقلاب کا داعی کون؟ - ارباب فکر ودانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سبز انقلاب کا داعی کون؟ اب تک جس قدر تحریریں اوپر لکھی گئیں وہ خود اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ سبز انقلاب کا داعی کون ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیسا مقدس پاکباز انسان ہوگا جن کی نگاہوں نے سبز انقلاب برپا کر دیا ہو اور جس کی تحریک سے ہزاروں افراد کے دلوں میں عشق ووفا کی خوشبوئیں بکھیر گئیں ہوں اور ذہن وفکر میں تہ بہ تہ لطافتیں نزاکتیں بچھ گئیں ہوں، یہ ہماری جماعت کے علمائے کرام، مشائخ عظام ہیں جنھوں نے اپنی کوششوں سے ان کرشموں کو انجام دیا، انھیں کی محنتوں کو ثمرہ ہے کہ آج دین حق ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ہم اسلام وسنیت سے آشنا ہیں اور دلوں میں محبت رسول کے کیف وسرور، فرحت ونشاط محسوس کر رہے ہیں اور سوز وگداز کی لذتوں سے خود کو آشنا پا رہے ہیں۔ اسی سبز انقلاب کے برپا کرنے والوں میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی ذات وشخصیت بھی ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی مذہب وملت، عشق ووفا اور ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے وقف کر دی تھی اور اپنی تحریروں سے عقیدہ وایمان میں نئی آب وتاب پیدا کر دی۔ انھوں نے قوم وملت کی بھلائی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ بریلی کی سرزمین پر بیٹھ کر پورے ہندوستان میں ایک جوت جگا دی اور حق وصداقت کی آواز دور دور تک پہنچا دی۔

ہندوستان کا کوئی بھی علاقہ ان کے سبز انقلاب سے نا آشنا نہ رہا۔ ہر ایک انسان کی زبان پر صرف امام احمد رضا کا نام ہے۔ ان کے انھیں کارناموں کے سبب بریلی پورے ہندوستان میں مرکز کی حیثیت سے ابھری اور ہر طرف اسی سرزمین بریلی سے روشنیاں پھیلیں تو پھیلتی چلی گئیں اور پھر ارباب فکر و دانش کو یہ کہنا پڑا......

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو سبز انقلاب کا داعی کہنے سے آپ چونکیں نہیں بلکہ امعانِ نظر سے ہندوستان کے حالات کا مطالعہ کریں، مذہبیات کا جائزہ سماجیات اور اقتصادیات کو گہری نظر سے دیکھیں یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی، یہ کوئی چیستاں نہیں جو نا قابل فہم ہو بلکہ ذہن و فکر میں اتر جانے والی بات ہے اور دلوں کو بھا جانے والی داستان ہے یہ داستاں بھی ایسی ہے جس میں ان گنت جزئیات و کردار ہیں جو زیر لب خندہ زن ہیں۔ مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ دورِ حاضر کے مفکرین اس بات کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں کیونکہ ان کا مزاج نہ تو معتدل مزاجوں میں آتا ہے اور نہ ہی غیر معتدل مزاجوں میں۔ دراصل خود ان کا مزاج معمہ بنا ہوا ہے، امام احمد رضا کی داستاں تعلیم وارشاد قطعی معمہ نہیں، صرف یہ سمجھ کا پھیر ہے اور بس۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں باد سموم کے جھونکے

ہندوستان میں عجیب و غریب حالات پیدا ہو گئے۔ حسرت و یاس، ناکامی اور نا امیدی نے اپنا بسیرا جما لیا۔ کوئی بھی ہندوستانی اس دلدل سے نہ بچ سکا کیونکہ انگریزوں نے ظلم و ستم اس قدر ڈھائے تھے کہ اس کا تصور ہی روح فرسا ہے۔ گویا وہ باد سموم کے ایسے جھونکے ثابت ہوئے کہ انسانیت جھلس کر رہ گئی۔ ولولہ و امنگ اور جوش و جذبہ گویا خاکستر ہو چکے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ جب کسی کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے تو زمانہ کی ہر گردش اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، پھر وہ آہیں بھرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ مسلمان ان حالات سے بری طرح متاثر ہو چکے تھے، ان کی قربانیاں رنگ لانے سے قبل ہی دم توڑ چکی تھیں۔ ان کی آنکھوں تلے اندھیرے اور

تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں اور وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ اب ان کے لیے نہ ساون ہرے اور نہ ہی بھادوں سوکھے۔

دوسری طرف انسانیت کے دشمن گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے۔انھوں نے اپنا نیا چولا بدلا اور پھر مختلف انداز میں مسلمانوں کے روبرو آن کھڑے ہوئے

اولاً - اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو وابستگی، کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔عقیدہ ایماں میں جو پختگی اور تصلب ہونا چاہیے تھا اسے ضعف واضمحلال سے دو چار کر دیا گیا، کبھی ترقی کے نام پر اور کبھی نئی روشنیوں کا حوالہ دے کر مذہب بیزاری کا یہ ماحول ہندوستان کی سرزمیں میں کس طرح پیدا ہوا اور اس کے لیے کس قسم کے نت نئے طریقے اپنائے گئے۔اسے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے وہ تہذیب وتمدن، رسم ورواج جو مذہب بیزاری پر مبنی تھے مسلمانوں کے دامن میں ڈال دیے گئے،فروغ وارتقا کا ایسا سبز باغ دکھایا کہ مسلمان مایوسیوں کے دلدل سے باہر آنے کی حرص وآز میں انگریزوں کی آغوش میں بیٹھ گئے اور وہ بھی ایسے شاطر دماغ نکلے کہ لوریاں دے دے کر مسلمانوں کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی پوری جماعت انھیں کے لباس وضع قطع میں دکھائی دینے لگی۔ کاش اگر منظم طریقہ سے یہ کوشش نہ کی جاتی تو مسلمانوں میں ابھی وہی تصلب فی الدین پایا جاتا جو مسلمانوں کا شعار تھا مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یہ صورت حال برقرار نہ رہی اور ایک ایسا کوہِ آتش فشاں تیار کیا جس میں اندر ہی اندر لاوا پکنے لگا اور آنے والے دنوں میں قیامت خیزیوں کے لیے پر تولنے لگا۔

ثانیاً - بات یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ شاطر دماغوں میں فتنہ وفساد کے جو کیڑے رینگ رہے تھے وہ باہر نکلنے کو تیار کھڑے تھے اور سوچ رہے تھے باہر کس طرح آئے، اتفاق سے یہ راستہ بھی صاف نظر آنے لگا پھر تو وہ مختلف لباسوں میں باہر نکل پڑے جو بادسموم کے خوفناک جھونکوں کی صورت میں تھے عقیدۂ توحید کے خلاف آواز اٹھی اور یہ کہا جانے لگا اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، وہ جسم واعضاء زمانہ اور زمانیات سے پاک نہیں اور جب عقل وشعور کے بدخواہوں

نے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رخ کیا تو ان کی تیوری چڑھ گئی، ادب واحترام کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور چیرہ دستیوں کے سارے حدوں کو پار کر گئے اور وہ سب کچھ کہہ گئے جیسے کوئی جنوں و مالیخولیا والا بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ رسول کریم کا علم چوپایوں کی مانند ہے، آپ بڑے بھائی کی طرح ہیں، مر کر مٹی میں مل گئے، وہ کسی چیز کے مالک ومختار نہیں، انھیں اردو زبان دیوبند سے آئی، ان کی حیثیت تو خدا کی بارگاہ میں چمار سے بھی کم ہے، نماز میں ان کی یاد آنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے یہ تمام چیزیں کیا تھیں؟ انھیں اژدہے نما انسانوں کے منھ سے نکلی ہوئی آوازیں تھیں، یہ آوازیں جس کو چھولیں اسے بھی زہر آلود کر دیں اور موت کی آغوش میں سلا دیں۔ بتایئے یہ آوازیں کس قدر خطرناک تھیں۔ کیا ان کی حیثیت باد سموم اور صر صر دشت کی ہواؤں سے کم ہیں؟ جب فکر و بصیرت کے اندھوں نے خداوند قدوس اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑا تو ہمارے مشائخ، بزرگان دین اور معمولات اہل سنت کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ سب کس کے اشاروں پر ہوا؟ فکری صلاحیت رکھنے والے افراد سے پوشیدہ نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں تمام غیر واقعی آوازوں نے زندگیوں کو پژمردہ اور فضاؤں میں ناخوشگواری کے حالات پیدا کر دیئے چونکہ حکومت ان کے ساتھ تھی، دولت وثروت میں یہ کسی سے کم نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریک منظم طور سے پورے ہندوستان میں پھیل گئی، تمام باطل فرقوں کی انھیں حالات میں دیکھنے کی جسارت کر رہا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انھیں فاسد خیالات کے بدولت خزاں کا دور آیا، ہرے پتے جھڑنے لگے، بہاریں تو ان سے شرما رہی تھیں لیکن عوام کے دلوں میں علماء ومشائخ کی جو قدریں تھیں انھیں بھی کمزور کر دیں اور ان افراد نے اپنے پاؤں جما لیے، پھر زبردست انداز میں علمائے اہل سنت کا استحصال شروع کر دیا۔ امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت فنی لیاقت اور عشق پاکباز کی بدولت سرزمین ہند میں سبز انقلاب برپا کر دیا اور خدا اور سول کے سہارے میدان میں آن کھڑے ہوئے۔ امام احمد رضا کی شجاعت وبہادری اور جرأت وبیباکی کو خوب داد دیجیے کہ انھوں نے صرف اپنے بوتے پر قابل ستائش کارنامے انجام دیئے اور کسی کا انتظار بھی نہ کیا۔ اس سبز انقلاب سے عشق ووفا کی کھیتیاں لہلہا

انھیں اور کیوں نہ ہو کہ امام احمد رضا نے بڑے ہی انوکھے انداز میں خوبصورت فضا کی تشکیل فرمائی۔ آپ فکر و تخیل سے محسوس کریں گے تو بھینی بھینی خوشبو بھی آپ کا استقبال کریگی۔ تو پھر بتایئے ایسی دلکش فضا میں سانس لینے والا بھی محروم رہ سکتا ہے؟ نہیں خود امام احمد رضا اس فضا کے بارے میں فرماتے ہیں......

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یہ تحریریں اور درج بالا شعر ثابت کر رہا ہے کہ انیسویں صدی/چودھویں صدی میں سبز انقلاب لانے والا کون ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ فکر و شعور کی کس اونچائی پر گامزن ہے؟ دنیا نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا اور معتمد ترین افراد کی زبانی سنا بھی۔ امام احمد رضا زندہ باد، دائمی سبز انقلاب پائندہ باد، امام احمد رضا نے کسی سے کچھ تو لیا نہیں بلکہ سب کو دیا اور اتنا دیا کہ لینے والے کی جھولی بھر گئی اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ رہی، خدا ایسے سبز انقلاب کو سلامت رکھے اور صبح قیامت تک خوب پھلے پھولے کہ اس کے فروغ و ارتقا میں انسانیت کی بھلائی مضمر ہے، خیر سگالی، خوشگوار حالات اسی کے سبب کروٹیں بدلتے ہیں ورنہ اہل ہوا و ہوس نے اسے برباد کرنے میں چھوڑا ہی کیا تھا، شہد دکھا کر زہر پلا دینا تو ان کی عادت قدیم تھی، اس راز کو کسی نے نہ سمجھا اور نہ اس بارے میں کوشش کی، قربان جایئے امام احمد رضا کی ذات و شخصیت اور خداداد علمی ذہانت و استعداد پر کہ انھوں نے ان سیاہ دل سفید پوشوں کی آہٹوں کو محسوس کیا اور ان کے بدلتے پینتروں پر کڑی نظر رکھی، ارے بھئی نثار جایئے حضرت محدث بریلوی کی انداز قیادت پر اور ان کی خوبصورت رہنمائی پر کہ بھی انھوں نے ان سے لڑائی مول لی، انھیں دندان شکن جواب دیا ان کے فاسد نظریات پر خنجر خونخوار، برق بار سے برس پڑے، جس مورچہ سے انھوں نے حملہ کیا اسی پر امام احمد رضا نے بھی کرارا جواب دیا اور انھیں شکست فاش سے دوچار کر دیا اور جب انھوں نے عوام اہل سنت کی طرف رخ کیا تو انھیں روحانیت کی لوریاں سنائیں، عشق و وفا کے نغمے سنائے اور سیرت باصفا کی تابانیوں سے دلوں کے صحن اور من کی انگنائی

میں اجالے ہی اجالے بھر دیئے اور کچھ اس انداز سے نغمہ سرائی فرمائی کہ فرحت وانبساط، کیف و سرور اور سوز و گداز ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ امام احمد رضا کی قیادت و رہنمائی کا یہی انداز نادر و نایاب تھا اور کرشمہ ساز بھی، جو ذہنوں میں اتر گیا اور دلوں کو بھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی بین الاقوامی شخصیات میں سب پر فائق و غالب نظر آنے لگے۔ آپ روحانیت کے پیشوا، امام عشق و محبت تھے اور مقاماتِ سلوک تو ایک ہی نظر میں طے کر چکے تھے۔ خلافت سے بھی نوازے گئے اور مرشد برحق کے لیے باعث فخر و ناز بھی بن گئے، اللہ اکبر وہ ساعت کس قدر فیروز بختی لیے ہوگی اور کیسی سنہری گھڑیوں میں بسی ہوگی جب پالکی سے اتر کر امام احمد رضا مخاطب ہوئے ہوں گے اور نہایت ہی ادب و احترام، عجز و انکساری کے جذبوں سے سرشار ہو کر فرما رہے ہوں گے......

خدا کے واسطے بتایئے آپ لوگوں میں آلِ رسول کون ہے؟

مزدوروں میں سے کسی نے جواب دیا

حضور والا — مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات و برادری یا نسب نہیں پوچھا جاتا ہے۔

اس جواب پر امام احمد رضا نے عرض کیا......

مجھے آپ میں سے کسی سے سید ہونے کی بو محسوس ہو رہی ہے، اگر کل بروز حشر میرے آقا و مولیٰ دریافت فرمالیں، اے احمد رضا کیا میرے شہزادوں کا نازک کندھا اسی لیے تھا کہ تم اس پر سوار ہو، ذرا سوچئے اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟ لہٰذا اپنا نام بتایئے تاکہ میں اپنے اس کوتاہی عمل کا تدارک کرسکوں؟

بالآخر مجبور ہو کر کسی مزدور نے کہا بس میں ہی سید اور نسل پاک حضور سے تعلق رکھتا ہوں غربت و افلاس کے مارے آپ کے شہر میں آگیا ہوں، زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم نہیں لے سکتا کہ ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔

اتنا سننے کے بعد امام احمد رضا نے اپنا علمی وقار، فنی شان و شوکت اور دستار علم ان کے قدموں میں ڈال دی، یہ واقعہ صحیح اور درست ہے۔

ذرا سوچئے اور غور کیجیے یہ ساعت کس قدر حسین و خوبصورت ہوگی جب علم و فن، فکر و شعور کا سارا طمطراق ایک شہزادہ رسول کے قدموں میں جھکا ہوگا؟ اور ملتجی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہوگا؟ ایسی ساعتوں میں رحمتوں کی بارش ہو تو کیا بات ہے؟ خیر و فلاح کی گنگا بہے تو اس میں حیرت کی جا کیا ہے؟ امام احمد رضا کے دائرۂ سبز انقلاب میں وارفتگیٔ عشق سوز و گداز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ امام احمد رضا کے دور میں بھی علماء و مشائخ اور فضلائے زمانہ پائے جاتے تھے خانقاہیں اور مدارس بھی تھے مگر بلند قد و قامت صرف آپ کو حاصل تھی۔ اسے عطیہ ربانی کہیے یا پھر اکتسابی عمل کا نتیجہ؟ اس کا فیصلہ قارئین کے فکر و نظر پر چھوڑتا ہوں، وہ خود فیصلہ کرلیں اور اپنے قلب و نظر کو بتائیں اور سمجھائیں۔

سبز انقلاب کا دائرہ - جس سبز انقلاب کی بات چل رہی ہے اگر اس کی تفہیم ہندوستان کے حالات اور چودھویں صدی ہجری کے تناظر میں کی جاتی ہے تو اس میں ایسے رموز و انکشافات پائے جاتے ہیں جو عمومیت اور آفاقیت کو لیے ہوئے ہیں اسے کسی خطہ یا علاقہ سے آپ محدود نہیں کرسکتے ہیں اس کی جڑیں تو ماضی میں پیوست ہوچکی ہیں اور شاخیں ہیں جو آئے دن بڑھتی چلی جارہی ہیں۔ ان کی چھاؤں میں زندگی بسر کرنا نہ صرف نیک شگون ثابت ہو رہا ہے بلکہ فلاح و بہبودی کا ضامن بھی ہے اور آخرت کی مشکل ترین گھڑی میں بھی اسی کی پذیرائی ہوگی کیونکہ اس سبز انقلاب کا سارا دارومدار صرف اور صرف محبت رسول اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے۔ جب اُن کی رسائی ہے تو پھر ان کی بھی رسائی ہوگی، امام احمد رضا نے خود ہی ارشاد فرمایا......

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
مطلع میں یہ شک کیا تھا واللہ رضا واللہ
صرف ان کی رسائی ہے صرف ان کی رسائی ہے

یہ سبز انقلاب تمام شعبہ ہائے زندگی پر پھیلا ہوا ہے کوئی بھی شعبہ حیات اس کے دائرہ

سے باہر نہیں، انفرادی، اجتماعی حالات، سماجیات، معاشیات، اقتصادیات، عمرانیات بھی اس سے متاثر نظر آتے ہیں، علوم وفنون میں بھی اس کی رنگارنگی ہے، افکار وخیالات میں بھی اس کی خوشبوئیں اور نکہتیں پائی جاتی ہیں۔ آج زندگی میں جہاں بھی تبسم ریزیاں ہیں اسی کی بدولت ہیں، لبوں پر مسکراہٹیں بھی اسی انقلاب کی دین ہیں، اس کے کرشمے کہاں کہاں نہیں ہیں، خانقاہوں میں جایئے یا مدارس میں، دانشکدوں کا رخ کیجیے یا مکاتب کا، اسی کی تاثیری کیفیت ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ وہ افراد انساں کس قدر کوتاہ نظر ہیں جو ان اجالوں کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں اور ترقیاتی امور میں پوشیدہ اسرار ورموز کی تہہ تک رسائی حاصل نہیں کر پا رہے ہیں۔ کاش اگر وہ اس راز کو پا لیتے تو اس سبز انقلاب کو جسے دورِ حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلویت سے تعبیر کیا جا رہا ہے، محدود اور علاقائی تصور کر کے نظر انداز نہ کرتے، کیونکہ کسی شے کے محدود یا غیر محدود ہونے کا کوئی تعلق اس کے لفظیات سے نہیں بلکہ اس کے معیاتی نظام سے ہوتا ہے اور اس میں پائی جانے والی آفاقی روح سے ہوا کرتا ہے بلکہ یوں سمجھ لیجیے جس نظامِ حیات میں روحانی ارتقا پایا جاتا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی وسعتیں تو دنیا ومافیہا سے بھی بڑھ کر ہے، دورِ حاضر کے مفکروں، دانشوروں میں اس قدر وسعت ذہن وفکر کہاں جو اس راز کو سمجھ پائیں۔ انھیں تو بس بچوں کے گھروندے ہی یاد آتے ہیں اور پھر ان کے ذہن وفکر کی پرواز بھی اسی میں گھر کر رہ گئی ہے لیکن افسوس تو اس بات پر ہے کہ اگر نہیں سمجھ پا رہے ہیں تو ان سے پوچھیں جو اس راز سے واقف ہیں، عدم علم کو عدم شے تصور کر لینا کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیسی دیانت ہے؟ یہ لوگ کیسے سمجھیں گے؟ دیدۂ بینا ہو تو سمجھیں۔ اس کا تو ان کے یہاں فقدان ہے۔ اس موقع کی مناسبت سے یہ شعر عرض ہے جس سے ان کے ناقص فہم وشعور کی سچی تصویر کشی ہو رہی ہے

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

مادیت ہی سب کچھ نہیں کہ اسے ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا جائے، روحانیت اور معنویت بھی

کچھ ہے اسے نظر انداز کیوں کیا جا رہا ہے۔ میں مانتا ہوں اس دنیا میں رہ کر مادیت سے بیر نہیں رکھا جا سکتا ہے ہاں اسے استعمال میں لایئے مگر اسی حد تک جس حد تک اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ کبھی کبھی مادیت سے اوپر اُٹھ کر بھی سوچنا پڑے گا جبھی تو انگارے، گلاب اور طوفانی لہریں ساحل کا روپ دھار لیتی ہیں۔ کیا یہ بھی مادیت سے سمجھا جا سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔

کہاں کھولے ہیں گیسو .... ؟ : یہ تو آپ کے ذہن میں آہی گیا ہوگا کہ مسلک اعلیٰ حضرت/بریلویت اور سبز انقلاب میں زبردست عمومیت، وسعت پائی جاتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اگرچہ بریلی کی سرزمین پر بیٹھ کر اپنی خداداد علمی فکری اور تحقیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ اور فکر وشعور کی زلفوں کو لہرایا مگر بادصبا، اس کی نکہتوں کو ہندوستان کی سرحدوں سے ماورا لے گئی اور وہاں تک پہنچا دی جہاں تک خداوند قدوس نے پہنچانا چاہا۔ صرف ایشیائی ممالک میں ہی اس کی نکہتیں محدود نہ رہیں حدود عرب میں بھی اس کی خوشبوئیں محسوس کی جا رہی ہیں یہ اور بات ہے کہ نجدی حکومت کے کارندے اس کا اظہار نہ کریں، اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب جامع ازہر مصر کے ایک فاضل نے یہ کہا وہاں کے اساتذہ اعلیٰ حضرت سے واقف نہیں اور نہ ہی ان کے علمی کارناموں کو جانتے ہیں۔ میں نے پوچھا آخر ایسا کیوں؟ کبھی اس پر آپ نے غور کیا؟ اور اس میں قصور کس کا ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا...... نہیں۔ میں نے عرض کیا تو پھر مجھ سے پوچھئے...... میں نے جواب میں کہا۔ اس کی صرف دو صورتیں ہیں......

اولاً – جامعہ ازہر مصر کے اساتذہ سائنٹفک انداز فکر نہیں رکھتے، اسی لیے انھوں نے امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور یہ غیر ممکن ہے کہ ان کے کان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نام سے آشنا نہ ہوں کہ امام احمد رضا کی تحقیقات علمیہ اور تدقیقات فکریہ خود ان کے دور میں ہی مصر کی حدوں میں پہنچ چکی تھیں اور جامعہ ازہر کے در و دیوار بھی ان سے واقف ہو چکے تھے۔ اسے بھی جانے دیجئے جس وقت پاکستانی علما جامعہ ازہر میں زیر تعلیم تھے۔

خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے ایک عظیم فرد حضرت ازہری میاں خود وہاں کے طالب علم رہ چکے ہیں تو کیا اساتذہ اعلیٰ حضرت کے علمی کارناموں سے واقف نہ ہوئے ہوں گے، ہوئے اور یقیناً ہوئے مگر انھیں سائنٹفک انداز فکر نہ تھا اس لیے ان میں تلاش وجستجو کی صلاحیت واستعداد بیدار نہ ہو سکے۔ اب بتایئے اس میں کس کا قصور تھا۔ اعلیٰ حضرت کا یا پھر جامعہ ازہر کے اساتذہ کا، غور وفکر سے کام لیجیے اور انصاف سے بتایئے۔

ثانیاً - انھیں جانکاری تو تھی مگر فرقہائے باطلہ کچھ غلط انداز سے انھیں مس گائڈ کر رہے تھے۔ اس کے باوجود خود ان کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ امام احمد رضا کے تعلق سے صحیح صورت حال تلاش کرتے، ایسا انھوں نے نہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ انھوں نے امام احمد رضا کے تعلق سے متعصبانہ رویہ اپنایا اور غلط روی سے کام لیا۔ یہ فکری کوتاہی عمل کی نشاندہی کرتا ہے جو کسی بھی حال میں مناسب نہ تھا۔

میرا اپنا خیال ہے کہ کون کہتا ہے کہ مصری اساتذہ کو اعلیٰ حضرت کے بارے میں کسی قسم کی جانکاری نہ تھی، ہاں انھیں جانکاری تھی مگر ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور جب یہ پردہ چاک ہوا تو انھیں صحیح صورت حال کی جانکاری ملی، اسی بنیاد پر جامعہ ازہر مصر کے اساتذہ اور انتظامیہ کمیٹی نے حضرت ازہری میاں صاحب قبلہ کو فخر ازہر کے ایوارڈ سے نوازا اور وہ امام احمد رضا کے صوفیانہ نظریات سے اس قدر خوش ہوئے، حضرت علامہ موصوف کو اپنے یہاں بطور مہمان بلایا۔ یہ سب امام احمد رضا کے کمال علم وہنر اور جمالیاتی اقدار حیات کا کرشمہ تھا جو منصۂ شہود پر نمودار ہوا۔ کیا اب بھی یہ کہا جائے گا کہ مسلک اعلیٰ حضرت صرف ہندوستان تک محدود ہے؟ اگر ہاں تو بس میں صرف یہ کہہ کر گزر جانا چاہتا ہوں......

بریں عقل ودانش بباید گریست

رضویات کا تاریخی ارتقا - بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ ہماری جماعت کے چند نوجوانوں کو مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح پسند نہ آئی اور اس کے خلاف اناپ

شناپ کی باتیں کرنے لگے، کاش ان کی باتوں میں دم ہوتا تو ضرور ان پر غور کیا جاتا۔ ابھی تو اصطلاح کے مسئلہ پر بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ارباب فکر و دانش نے ایک اور نئی اصطلاح کو زیور وجود سے آراستہ کیا اور اس کا نام رضویات رکھا ممکن ہے کہ نوجوان اس پر بھی ناک بھوں چڑھائیں، تیوری دکھائیں اور اناپ شناپ تحریریں بھی لکھیں مگر میں حفظ ماتقدم کے طور پر چند باتیں اس مقام پر عرض کر رہا ہوں تا کہ ان کے دماغ میں زخم خوردہ کیڑے کلبلانے سے قبل ہی دم توڑ دیں......

(۱) رضویات نئی اصطلاح ضرور ہے مگر ایسا نہیں کہ یہ بالکل نئی اور جدید روپ ہے تاریخ ادب میں اسی سے ملتی جلتی اصطلاحیں اقبالیات، غالبیات بھی ہیں اور تاریخی ادب میں اس قسم کی اصطلاح کا پایا جانا رضویات کی ایجاد پر سند جواز فراہم کر رہا ہے۔

(۲) رضویات اک بحر ذخار اور ناپیدا کنار سمندر ہے جس کی گہرائی اور پنہائیوں کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ رضویات کی پاتال تک ہمارے اکابر کو رسائی حاصل نہیں تو پھر ہم جیسے کم علموں کو پاتال کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۳) رضویات کا تحقیقی تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے یہ متون و شروح دونوں پر مستعمل ہے۔ متون کے زمرہ میں اعلیٰ حضرت کی تمام تمام تر کتابیں اور تصنیفات آتی ہیں خواہ فتاویٰ رضویہ کی ۱۳ رجلدیں ہوں یا پھر دوسرے رسائل وجرائد، امام احمد رضا کی شخصیت علمی وفنی خدمات کے تعلق سے اب تک جو مقالے، مضامین، کتابیں اور تفصیلی مطالعات کیے گئے ہیں یہ سب کے سب رضویات کے شروح میں آتے ہیں۔

(۴) رضویات پر آپ غور کریں تو دیگر علوم وفنون کی طرح رضویات کی بھی ایک تاریخ ہے اور اس کا یہ تاریخی سفر مسلسل جاری ہے اور رفتہ رفتہ ارتقا کی منزلوں سے گزر رہا ہے۔ اس میں صرف دو کتابوں کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے......

(الف) حیات اعلیٰ حضرت ...... از مولانا ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری

(ب) سوانح اعلیٰ حضرت ...... حضرت مولانا بدر الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ

اب رہی بات پروفیسر مسعود احمد کی تو ان کے بارے میں مت پوچھئے کہ انھوں نے کیا کیا کیا۔ میں کہتا ہوں یہ پوچھئے کہ انھوں نے کیا نہیں کیا بلکہ انھوں نے وہ سب کچھ کیا جس کی زمانہ کو ضرورت تھی پروفیسر صاحب نے امام احمد رضا کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر بحث کی، ان کے علمی فنی کارناموں کو اجاگر کیا، جدید انداز میں امام احمد رضا کو بین الاقوامی برادری کے روبرو پیش کیا ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی پر صرف ہوا اور ان کا قلم ایسا رواں ہوا کہ چلتا ہی رہا، رکنے کا نام تک نہ لیا۔ اس طرح پروفیسر مسعود نے رضویات کو وسعت دی، کشادگی عطا کی اور اس میں مختلف رنگوں سے دلکشی وجاذبیت پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ رضویات میں انھیں رتبۂ علیا حاصل ہوا اور بلند مرتبہ تک رسائی حاصل کی۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو پروفیسر مسعود کا بھی اچھا خاصا تعارف ہوگیا اور وہ بھی جانے پہچانے لوگوں میں شامل ہوگئے۔ رضویات کے باب میں سیکڑوں مضامین اور کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور ارباب ذوق وشوق کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ مختلف رسالوں نے امام احمد رضا نمبر سے زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ کیا۔ ماہنامہ المیزان، قاری اور پیغام رضا سے بھی تحقیقی مقالوں کے مجموعے شائع ہوچکے ہیں اور اب تک شائع ہو رہے ہیں دورِ حاضر تک کسی بھی شخصیت پر اس طرح جامع انداز میں کام نہیں ہوا جس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر ہوا اور ہو رہا ہے۔ یہ سعادت بھی خدائے برتر وبالا کی عطا کی ہوئی ہے۔ ہند وپاک میں بھی رضویات پر کام ہو رہا ہے ارباب دانش اور صاحب قلم اپنی اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں، پاکستان میں ادارہ معارف رضا نے بہت کام کیا اس کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تحقیقات جدید سائنس کے تناظر میں پیش کر رہا ہے اور بڑے ہی مربوط نظام کے طور پر اپنی پیش رفت کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ ہر سال اپنا سالنامہ شائع کرتا ہے اور بارگاہ رضا میں اپنا خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ اس موقع پر بڑی ناانصافی ہوگی اگر رضا اکیڈمی کی خدمات کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

رضا اکیڈمی کی خدمات - رضا اکیڈمی عروس ہند سرزمین ممبئی میں قائم ہے اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس اکیڈمی کا اشاعتی مقصد کیا ہے اور وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔

جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے رضا اکیڈمی کا نام سنتا آیا ہوں۔ اس ادارہ سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں مکمل فتاویٰ رضویہ، اس کے اردو ترجمے، کنزالایمان، **جد الممتار**، حدائق بخشش اور چھوٹے چھوٹے بہت سے رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ ایک مضبوط ادارہ ہے اس کا اشاعتی پروگرام بہت ہی خوبصورتی سے چل رہا ہے اس کی مختلف شاخیں بھی قائم ہیں۔ اس کی ایک شاخ ناگپور میں بھی قائم ہے جہاں سے ہر سال یادگار رضا شائع ہوتا ہے اس میں نہایت دقیع اور قابل قدر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس سال یادگار رضا میں کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کے تعلق سے مضامین شائع ہوئے ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں ہر سال یہ اکیڈمی عرس رضوی کے موقع پر نصف قیمت پر کتابیں عوام اہل سنت تک پہنچا رہی ہے اس کا یہی کارنامہ بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ اس ادارہ کے ناظم جناب سعید احمد نوری صاحب ہیں جو فی نفسہ نیک طینت، نیک سیرت اور شیریں گفتار ہیں، علما نواز اور اہل علم کے قدرداں ہیں، یہی وجہ ہے ان کی شخصیت علماء اہل سنت میں لائق قدر ہے خدا کرے ان کا حوصلہ بلند رہے اور وہ اسی طرح علمی دینی، مذہبی خدمات انجام دیتے رہیں۔

ادارہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت - یہ ادارہ بھی مضبوط ہے جو برسہا برس سے ماہنامہ اعلیٰ حضرت پیش کر رہا ہے اور شائقین علم و ادب کی خدمت میں بھیج رہا ہے۔ اس سے ادارہ کو کیا فائدہ ہوتا ہے یہ بتانا بہت زیادہ مشکل ہے، میں سمجھتا ہوں اس میں خسارہ ہی رہتا ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دور علمی انحطاط کا دور ہے اور فنی، ادبی زوال پذیر کا دور ہے۔ ایسے دور میں کوئی رسالہ خریدے اور پڑھے بہت زیادہ دشوار ہے اس کے باوجود رسالہ اعلیٰ حضرت شائع ہوتا ہے اور عوام اہل سنت کو بھیجا جاتا ہے ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے مدیر اعلیٰ حضرت صاحب سجادہ مولانا سبحان رضا خاں صاحب ہیں جو اپنے بزرگوں کی وراثت کی بحسن و خوبی حفاظت و صیانت فرما رہے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ عرس رضویہ کے موقع پر کچھ ایسے بھی کارنامے انجام دے رہے ہیں جن سے امید کی جا رہی ہے اب برف رفتہ رفتہ پگھل رہی ہے اور جماعتی تعطل ختم ہو رہا ہے ان کے کچھ اہم کارنامے اس طرح ہیں......

(۱) مسلسل چار رسالوں تک منظر اسلام بریلی شریف نمبروں کا شائع کرنا

(۲) ۱۱-۱۱ ہزار روپے کا انعام عطا کرنا۔

(۳) نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ عرس رضوی کا انعقاد

(۴) انعامی تحریری اور تقریری مقابلوں کا اہتمام کرنا

(۵) پاس ہونے والے طلبہ کو انعام اور تحفہ وتحائف سے نوازنا

یہ تمام انفرادی خصوصیات اپنی جگہ ہیں اور لائق ستائش ہیں مگر میں اس قدر بطور مشورہ ضرور کہوں گا کہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت سے مسلک اعلیٰ حضرت نمبر نکالا جائے اور مسلک کے تعلق سے مضامین تمام مقتدر علماء ومشائخ کو لکھنے کی دعوت دی جائے۔ میں سمجھتا ہوں یہ نمبر بھی دوسرے تمام نمبروں میں اہم ہوگا، اس میں دورِ حاضر کے بدلتے ہوئے اقدار حیات کی جھلک پیش کی جائے اور مقالہ نگاروں کو اس بات پر خاص توجہ دینے پر زور دیا جائے۔ سائنس کے اس دور میں جب میڈیا اور الیکٹرانک ذرائع ابلاغ وترسیل کو خاص اہمیت دی جارہی ہے۔ ہر ایک فرد کا ذہن ومزاج الگ ہے، فکری روش پر کوئی پابندی نہیں، اصولوں سے انحراف عام ہو چکا ہے، جسے دیکھئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہا ہے۔ اکابر اور مشائخ کی طرف شعوری اور غیر شعوری دونوں حالتوں میں نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے کیونکہ بڑوں کی بارگاہ میں باریابی کے لیے جس ادب واحترام کی ضرورت تھی، قریب قریب وہ ختم ہو چکی ہے۔ ہاں اس کی جگہ بے جا جسارت نے لے لی، خواہ یہ زبان کی جسارت ہو یا قلم کی؟ میں نے ان باتوں کا تذکرہ اس لیے کر دیا تاکہ ارباب فکر ان تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر مقالہ تحریر کریں کہ کسی بھی مقالہ یا تحریر میں روح عصر کا پایا جانا ضروری ہے اور اس کا پاس ولحاظ جو مقالہ نگار روح عصر کا خیال نہیں کرتا تو بھی اس کے مضامین وقیع ہوتے ہیں لیکن ان میں حالات حاضرہ کی جھلک نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قدر و قیمت میں زبردست گراوٹ آجاتی ہے۔ اس لیے میری منفرد رائے ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے تئیں کچھ ایسے مقالے مضامین ضرور قلم بند کیے جائیں، جن میں روح عصر کی تابناکیوں کو پیش کرنا ضرور سمجھا جائے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دور میں روح عصر کیا ہے؟ یہ کوئی

مشکل مسئلہ نہیں، یہ سائنس ٹیکنالوجی کا دور ہے، منٹوں میں رائے کا بدل جانا اس دور کی اہم خصوصیت ہے، اشہب فکر کو آزاد چھوڑ دینا، خواہ وہ کہیں جائے اس پر کوئی پابندی نہیں، یہ بھی اس دور کی اہم خصوصیات میں سے ہے، اسی طرح زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت خود کو بدل دینا بھی اس دور میں پایا جاتا ہے، کیا ان حالات کے بدلتے مزاجوں کی مانند اسلام کو بھی بدل دیا جائے، اخلاقی فلاحی قوانین بھی بدل دیے جائیں، جمالیاتی اقدار حیات میں بھی ردوبدل کر دیا جائے، اگر آپ کی ضد اس کے بدل دینے میں ہی ہے تو شوق سے اپنا شوق پورا کیجیے، میں تو صرف یہ التجا کرتا ہوں ہمارے نوجوان مفکرین ذرا ہوش میں آئیں اور اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جام نور دھلی پر ایک نظر ماہنامہ جام نور دہلی ایک مشہور و معروف ماہنامہ ہے جو پابندی کے ساتھ دہلی سے شائع ہو رہا ہے۔ رضویات کے باب میں اس رسالہ کی شمولیت سے آپ حضرات کو حیرت ضرور ہوگی مگر آپ حیرت زدہ نہ ہوں کہ اس کے بھی وجوہات ہیں......

(الف) چمن کی دلکشی و دلفریبی اگر چہ پھولوں کے بانکپن، حسن و رعنائی پر منحصر ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ چمن میں جہاں لالہ و گل ہوا کرتے ہیں وہیں خار بھی ہوتے ہیں بس رضویات کے لیے اسے خار ہی تصور کریں اور رضویات میں اس کی شمولیت کو قبول کریں۔

(ب) رضویات میں جام نور دہلی نے ایک نئی تنقید کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ تنقید برائے تعمیر نہیں، بلکہ تخریب کاری کے جذبہ سے سرشار ہو کر کی جا رہی ہے، خیر تنقید نگاروں کا مقصد کچھ بھی ہو، مگر اس بات سے انکار نہیں کہ اس تنقید کے بعد رضویات کا حسن و بانکپن اور بھی نکھر رہا ہے اور اس کے اجالوں میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ اسی لیے اسے رضویات میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(ج) جام نور سے جو تنقیدیں متفاہم ہو رہی ہیں ان میں اگر چہ جذبۂ انحراف اور باغیانہ ذہنیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اس کے باوجود میں نے اسے رضویات کے لیے مثبت ہی قرار دیا ہے کہ ان کی تنقیدی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے سے رضویات میں کچھ نئی کونپلوں کی نمود ہو

رہی ہے۔ یہ نئی کونپلیں کیا جلوہ بکھیریں گی، آنے والا زمانہ اس کا تعین کرے گا۔

مجھے یقین ہے کہ میری درج بالا تحریروں سے آپ کی حیرت کا ازالہ ہو گیا ہوگا، روز روشن کی طرح یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ جام نور کا تعلق رضویات سے کس قسم کا ہے؟ اور اس کی نوعیت کیا ہے؟ خود کاروان جام نور کو سر بگریباں ہو کر سوچنا چاہیے کہ آخر کار جام نور ہی موضوع بحث کیوں ہے؟ رسالے، ماہنامے تو اور بھی ہیں ماہنامہ اعلیٰ حضرت، سنی دنیا، کنز الایمان، سیار گان، جامعہ وغیرہ ماہنامے ہیں ان میں سے کوئی بھی زیر بحث نہیں۔ جام نور دہلی میں آخر کیا بات ہے کہ اس کی جانب زیادہ تر نگاہیں تردد آمیز ہو کر اٹھتی ہیں ممکن ہے کچھ افراد کے بیمار ذہنوں میں یہ بات آئے۔ جام نور کی کچھ اہم انفرادی خصوصیات اور امتیازی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے وہ توجہ کا مرکز بن رہا ہے اور اس کی زبردست انداز میں پذیرائی ہو رہی ہے۔ میں کہوں گا اس خام خیالی میں نہ رہیں خصوصیات و کمالات باعث توجہ ہوتی ہیں مگر اس قسم کی توجہ تاثراتی ہوا کرتی ہے یعنی قاری خود ان خصوصیات سے محظوظ ہوتا ہے اور اندرونی طور پر کیف و سرور پاتا ہے۔ بحث کی میز پر کسی رسالہ کو لانے کی اس میں کشش نہیں ہوتی اور نہ ہی آج تک کوئی رسالہ یا کتاب اپنی خوبیوں کی بنیاد پر بحث و تنقید کے گرم بازاری میں کوئی رول ادا کر پاتی ہے تو پھر جام نور دہلی ایسا کیوں کر سکتا ہے کہ یہ خلاف عادت و فطرت ہے، ہاں جب کسی رسالہ/کتاب میں غیر واقعی صورت حال کی تصویر کشی جاتی ہے اور وہ سماج و معاشرہ یا پھر دینی مذہبی امور کے خلاف قدم اٹھاتی ہے تو اس پر بحث و تحقیق کا دور شروع ہو جاتا ہے اور تردد کی نگاہیں اس کی جانب اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کا حادثہ جام نور دہلی کے ساتھ ہوا، یہی سبب ہے کہ جام نور دہلی بحث کا موضوع بن گیا۔ ماضی میں بھی جام نور کلکتہ کی سرزمین سے نکلتا تھا حضرت رئیس القلم اس کے مدیر اعلیٰ تھے۔ اس وقت یہ حالات کیوں پیدا نہ ہوئے، جو آج ہو رہے ہیں۔ آخر دونوں میں اس قدر فرق و امتیاز کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے، جام نور جو کلکتہ کی سرزمیں سے نکلتا تھا، وہ شیرازی بندی کر رہا تھا۔ علمائے اہل سنت کا قدرداں تھا، معمولات اہل سنت اور اکابر کی نظریات کی وہ تائید کرتا تھا، اس لیے جام نور کی تعریف کی جاتی تھی اور لوگ اس کے اس خوبصورت رویہ کو سلام کرتے تھے۔

اب وہی جام نور جو سرزمین دہلی سے نکل رہا ہے اس کے انداز بیاں میں ایسے تیکھے اور زہر میں بجھے ہوئے عناصر راہ پا گئے ہیں جو دامن ادب کو تار تار کر رہے ہیں اور اکابر کی علمی فنی نظریات کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ جام نور اہل سنت و جماعت میں اختلاف و انتشار کا باعث بن چکا ہے اور زیادہ تر لوگ اس کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں عرس رضوی کے موقع پر اس کے بائیکاٹ کے اعلان کو سرد خانے میں نہیں رکھا جا سکتا ہے بلکہ عوام اہل سنت اور ہمارے علما کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور پھر کوئی نہ کوئی فیصلہ لینا چاہیے اگر اس کی بے راہ روی اور آوارگیِ فکر پر روک نہ لگائی گئی تو ملت کا کتنا بڑا نقصان ہوگا شاید اس کا ابھی اندازہ نہیں، پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اس کے ذریعہ انحراف کی جو روایت پروان چڑھ رہی ہے اس کے بارے میں سوچنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

یہ ملت کا ترجمان کیسے؟- اسی جام نے جب رئیس القلم نمبر نکالا تھا تو میں نے علامہ ارشد القادری کے تعلق سے مضمون ترجمان اہل سنت لکھا تھا اور دلائل و براہین سے اسے روز روشن کی طرح واضح کر دیا تھا لیکن زمانہ نے ایسی کروٹ لی کہ جام نور کو ملت کا ترجمان ہونے پر ہمیں کلام ہے، اعتراض ہے اور میرا ماننا ہے کہ اسے ملت کا ترجمان کہتے ہوئے شرم آتی ہے- کیونکہ ملت کے لیے اتحاد و اتفاق اور فکری ہم آہنگی کا ہونا ضروری ہے اور پھر اتحاد کے لیے کوئی نہ کوئی نقطۂ اتحاد بھی ہوگا، جب یہ دونوں سلامت رہیں گے تو ملت کا وجود سلامت رہے گا اور اس کا قدِ زیبا دلکش و جاذب نظر آئیگا۔ جب یہ دونوں سلامت نہ رہیں گے تو ملت کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ جام نور دہلی نے ان دونوں کی سلامتی کو تار تار کر دیا اور اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں کہ اس کی وجہ سے نہ ہم آہنگی برقرار رہی اور نہ ہی نقطۂ اتحاد۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہوں گا کہ جام نور نے اہل سنت و جماعت کو دو خانوں میں بانٹ دیا ہے اور نقطۂ اتحاد یعنی امام احمد رضا کی شخصیت اور علمی نظریات سے انحراف کی روایت کو زندہ کر رہا ہے اور جام نور کے اوراق اس کی پرورش کر رہے ہیں تو پھر اسے ملت کا ترجمان کیوں کہا جائے؟ دراصل حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بغض و عناد رکھنے کے سبب کچھ خانقاہوں کے چراغ بجھ گئے، ان

کی عزت اور وقار داؤں پر لگ گئے اور پھر اندر ہی اندر لاوا پکنے لگا، کہا جاتا ہے جب دلوں میں اضطراب کی کیفیت نمودار ہوتی ہے تو وہ باہر نکلنے کو بے قرار رہتی ہے اور جب اسے باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے تو وہ کیا کچھ نہیں کرتی، خیر اب تو ایسے بغض وعناد رکھنے والوں کو ایک صاف ستھرا پلیٹ فارم دستیاب ہو گیا اور وہ پلیٹ فارم کیا ہے؟ جام نور ہے۔ اس میں غیظ وغضب میں جلے بھنے جو مقالے شائع ہو رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، میں پھر اپیل کرتا ہوں کاروانِ جام نور ذرا ہوش میں آئیں، حقیقت بین نگاہوں سے اپنے کارناموں کا جائزہ لیں کہ وہ کس منصب پر فائز ہیں اور کیا کارنامے انجام دے رہے ہیں اور اکابر علمائے اہل سنت کا کیا موقف ہے، اسی پر قائم رہنے کی کوشش کریں اکابر کے نقوش قدم سے انحراف اختیار کرنا سوائے تباہ و بربادی کے اور کچھ نہیں۔ کاش یہ بات ان کے دلوں میں گھر کر جائے۔

پیغام رضا ممبئی - عروس البلاد سرزمین ممبئی سے یہ رسالہ پہلے سالنامہ کی صورت میں نکل رہا تھا، بعد میں سہ ماہی کر دیا گیا۔ اس کے مدیر مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ہیں جو نیک مخلص اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے سچی عقیدت رکھنے والے ہیں اور برسہا برس سے رضویات کے فروغ وارتقا میں لگے ہوئے ہیں نہایت ہی جد وجہد سے اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہیں ان کی تحریروں میں متانت، سنجیدگی، شائستگی، اور خلوص وپیار پایا جاتا ہے جو بھی بات کرتے ہیں ادب واحترام کے سانچے میں ڈھل کر کرتے ہیں۔ اکابر کی خدمت میں سراپا ادب بن جاتے ہیں، ان کی یہی ادا قابل تعریف اور لائق تحسین ہے، مگر اس وقت ان کا تیور دیکھنے کو ملا جب جام نور دہلی میں مسلسل مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف تحریریں شائع ہوئیں اور اس اصطلاح کو رد کرنے کی کوشش کی گئی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ علامہ ارشد القادری جس اصطلاح یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے بانی ومبانی تھے انھیں کے نبیرہ ذو وقار اس اصطلاح کی بیخ کنی میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں اور رحمت اللہ صدیقی صاحب ہیں جو اس کی حفاظت وصیانت میں پوری کوشش کر رہے ہیں صرف کوشش ہی نہیں بلکہ اس کے تحفظ میں اپنے جسم کا ایک ایک قطرہ خون نچوڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، میں ان کے حوصلے کو سلام کرتا

ہوں اوراس ولولہ ورشک پر انھیں داد دیتا ہوں کاش مستقبل میں یہی جذبات رہے تو رضویات پر تنقید کرنے والوں کا حوصلہ پست ہو جائے گا اوران کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ پیغام رضا ممبئی کا ایک ایک مضمون معلوماتی، پرمغز اورنہایت ہی دقیع ہوا کرتا ہے، بس ان کی یہی خوبیاں ہیں جو دلوں کو بھا جاتی ہیں اور ذہنوں میں اتر کر کیف وسرور کا سبب بنتی ہیں جوافراد ادبی ذوق وشوق رکھتے ہیں وہ اس بات سے ضرور واقف ہیں کہ ادب کی دنیا میں معرکے ہوتے رہے ہیں جو ادبی معرکے سے موسوم ہیں، انیس و دبیر کے معرکے بہت ہی زیادہ مشہور ہیں اوراس حد تک شہرت رکھتے ہیں کہ مراثی کا مطالعہ کرنے والے جب تک ان معرکوں کا ذکر نہیں کرتے اس وقت تک ان کا مطالعہ مکمل نہیں ہوتا کیونکہ یہ معرکے تعمیری واقع ہوئے ہیں، اسی سے فنکاروں کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اوران کے فنوں میں نکھار آتا ہے، ذوق وشوق کی تمازت اوراس کی ڈگریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے ارباب فکرو دانش ان معرکوں کونظر انداز نہ کرسکے۔ اس طرح آنے والے دنوں میں جب بھی رضویات پر کام ہوگا، ارباب ذوق اس کا تفصیلی مطالعہ کریں گے تو وہ جام نور اور پیغام رضا کے معرکوں کا ضرور ذکر کریں گے، کیونکہ اس معرکہ میں خالص علمی، فنی نکات پائے جاتے ہیں مثلاً مسلک اعلیٰ حضرت کا موجد کون؟ اس کی حیثیت شناخت کی ہے یا نہیں، پس منظر، مسلک کی وضاحت، اعلیٰ حضرت کی تشریح، دونوں میں نسبت کی نوعیت، ترکیب اضافی کی ادبی، علمی حیثیت، اصطلاح کی قوت واستعداد اس اصطلاح کے انکار کی حیثیت، انکار کرنے والوں کی علمی لیاقت، انکار کے اسباب وجوہ، انکار پر عوام اہل سنت کا ردعمل وغیرہ، یہ وہ سرگرم بحثیں ہیں جو پیغام رضا کے صفحات میں مل سکتی ہیں، میں سمجھتا ہوں اگر انھیں نکات پر سیر حاصل بحث کی جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو جائیگی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ پیغام رضا کو ہم کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتے ہیں تو پھر وہ افراد جو رضویات میں دلچسپی لیتے ہیں اوراس کے حسن وبانکپن کے نکھارنے، اجلا کرنے میں تگ ودو کرتے رہے ہیں وہ انھیں کیونکر فراموش کرسکتے ہیں...... یہ معرکہ اور تمام معرکوں سے الگ ہے۔ میں اسے مذہبی صحافتی معرکہ قرار دیتا ہوں جب تک یہ معرکے یاد رہیں گے، مذکورہ دونوں ماہناموں کی علمی و

ادبی حیثیت بھی تابندہ رہے گی۔اس معرکہ کے نتیجہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے تمام پہلوؤں پر بحث ہوچکی اوراس کی تمام حیثیات اس طرح واضح ہوچکی ہیں کہ اب اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اس کے باوجود اگر کوئی انکار کرتا ہے یا پھر اسے تنقید کا نشانہ بناتا ہے میرے خیال میں یہ انکار سورج کی تابندگی کا انکار ہوگا۔دن کے اجالوں اورشب دیجور کی تاریکیوں کا انکار ہوگا۔اصحاب فکر سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے انکار سے خود انکار کرنے والوں کی شخصیت مجروح ہوئی ہے اوراس کے ذوق وشوق پر زبردست آنچ آتی ہے اس سے زیادہ گفتگو اس مقام پر مناسب نہیں۔عقلمندوں کے لیے اسی قدر اشارہ کافی ہے اور جو خود اپنی عقل وخرد فکر ودانش کا دشمن ہو، اسے لاکھ سمجھایئے، وہ سمجھنے والے نہیں۔مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے اس کے تمام پہلوؤں پر علمی، فنی، منطق، صرفی، نحوی انداز میں گفتگو کردی گئی اور یہ بتادیا کہ یہ بالکل ایسا صاف شستہ راستہ ہے جس پر دانا وبینا کیا اندھے بھی بغیر کسی سہارا کے چل سکتے ہیں، مگر ہمارے نوجوان مفکروں، دانشوروں کی سمجھ میں یہ اصطلاح نہ آئی اور نہ ہی وہ سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔یہ جہل مرکب رکھنے والوں کا شیوہ ہے، عقل مندوں کا نہیں، اس سے زیادہ اب کہنے کی ضرورت نہیں، ہاں ان کے لیے دعائے خیر اوراجلی سوچ سمجھ کی تلقین ہی کی جاسکتی ہے۔سبز انقلاب زندہ باد، پائندہ باد، امام احمد رضا زندہ باد، پائندہ باد۔

☆☆☆

ایک اجلی سی حیات جو سب کو درخشاں کر گئی

جب ہم سائنٹفک انداز فکر سے لفظ و معنی کے اٹوٹ رشتوں اور اس کے مختلف زاویوں پر غور کرتے ہیں تو یہ بات بہت زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کہ لفظ کیا ہے؟ اور معنی کا اس سے کیا رشتہ ہے؟ اور اس کا بھی شعور ہو جاتا ہے کہ یہ رشتہ کیسا ہے؟ اور اس کی کیا اہمیت و افادیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ فی نفسہٖ کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ کسی افادیت کے حامل ہیں؟ کیونکہ وہ سیاہ فام پیکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی خوبی اور کمال و ہنر نہیں ہوتے، جمود و تعطل کے وہ شکار نظر آتے ہیں، ہاں جب ان لفظوں سے معانی و مفاہیم اور مضامین کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، تو پھر الفاظ میں افادیت بھی آجاتی ہے اور عظمت و اہمیت بھی دکھائی پڑتی ہیں کیونکہ معانی و مفاہیم کی حرارت و تمازت جب لفظوں کے پیکر میں سرایت کر جاتی ہے تو ان کا وجود چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور ان کے انگ انگ میں نور و ضیا بھر جایا کرتے ہیں اور پھر ان کے لبادوں سے تابانیاں اور شعاعیں پھوٹتی ہوئی دکھائی پڑتی ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے کوئی بھی دانشور یا مفکر جھٹلا نہیں سکتا اور نہ ہی فراموش کر سکتا ہے۔ لفظ اعلیٰ حضرت کو ہی دیکھئے وہ بھی عام لفظوں کی طرح ایک لفظ ہے اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو دوسرے قسم کے لفظوں کی ہوا کرتی ہے۔ اس میں کوئی تابانی نہیں، کوئی خوبصورتی حسن و جمال نہیں وہ تو سادہ لفظ ہے اس کا پیکر بھی سیاہ ہے، وہ ذات و شخصیت کو جلا دے سکتا ہے۔ جب کہ خود ہی اس کا چہرہ اجلا اور حیات افروز

نہیں اگر الفاظ والقاب کو ہی شخصی توانائی کا سبب تسلیم کرلیا جائے تو میرے خیال میں اس دور میں جس طرح القاب وآداب لکھنے کی ہوڑ جوڑ چل رہی ہے کوئی بھی شخص رازی وغزالی اور ابو حنیفہ سے کم نہیں ہوسکتا۔ لکھنے والے تو لکھتے ہی رہتے ہیں اور آئندہ بھی لکھتے رہیں گے مگر وہ ذات گرامی جن کے لیے القاب لکھے گئے وہ اپنی جگہ منجمد اور ساکت وصامت ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں اور نہ ہی انقلابی آثار پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا...... القاب وآداب اور استعمال کیے ہوئے لفظوں سے شخصیت میں توانائی نہیں آتی ہے، تو پھر لفظ اعلیٰ حضرت کسی کو توانائی عطا کرے ایسا کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہر ایرے غیرے، زید وعمر کو اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت لکھنے اور خوب لکھنے، اس سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی لفظ اعلیٰ حضرت نوابوں، شاہوں کے لیے استعمال ہوا، کیا اس سے ان کی شخصیت میں اضافہ ہوا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اس دور میں لوگ اس لفظ کو اپنانے کی کوشش کرتے اور شب وروز اسی تگ ودو میں لگے رہتے۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اُس دور میں بھی کسی نے اس لفظ کو اپنانے کی کوشش کی ہو۔

ہاں جب یہی لفظ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لیے استعمال ہوا، تو برفیلی چٹانوں میں بھی حرارت پیدا ہوگئی اور شل بازوں میں بھی حیات کی رَو دوڑ گئی، آخر ایسا کیوں؟ بات صرف یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ بہت سے لوگ اس لفظ کو خود اپنے لیے اور اپنے بڑوں کے لیے استعمال کرنے لگے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس لفظ اعلیٰ حضرت میں کچھ تو ہے؟ خوبی وکمال، حسن وجمال رونق وبہار، دلکشی وجاذبیت اور درخشانی ضرور پائی جاتی ہے؟

جس کی وجہ سے افراد انسان کی دزدیدہ نگاہیں اٹھ رہی ہیں اور اسے استعمال کرکے اپنی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے میں جٹے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر ذرا ٹھہر کر سوچئے اور غور کیجیے کہ یہیں سے تاریخی روایت ایک اہم موڑ لیتی ہے اور خوشگوار کروٹ لے کر اپنی ارتقاء میں اضافہ کرتی ہے کہ امام احمد رضا کی ذات وشخصیت سے پہلے اس لفظ کی مقبولیت اتنی نہیں تھی، جو اس دور میں پائی جاتی ہے کیونکہ امام احمد رجا فاضل بریلوی نے یقینی طور پر اس لفظ اعلیٰ حضرت کو

اعلیٰ حضرت بنا دیا کہ ان کی شخصیت تاب وتوانائی، علم وبصیرت، فن وادراک تبحر علمی اور فکری تعمق نے اس لفظ کے پیکر میں نور وضیا کے چشمے لہرا دیئے اور اسے پورے طور پر بقعۂ نور بنا دیا کہ اب اعلیٰ حضرت سے ایک ایسی ذات وشخصیت مراد لی جاتی ہے جو ۵۵؍علوم وفنون پر مہارت تامہ رکھتی ہے اور جن کے تجدیدی کارناموں کو دنیا سلام کرتی ہے۔ اسی ذات اقدس کو امام مجدد عاشق رسول حامی سنیت ماحی بدعت کہا جاتا ہے۔ ان کے سرچشمۂ علم وحیات سے کس کس کو سیرابی نہیں ملی اور کون ایسا ہے جس کو آسودگی نصیب نہیں ہوئی، اپنوں نے بھی ان سے جھولی بھر کر لیا اور غیروں نے بھی، خانقاہوں کو بھی زینت ملی، ادارے، جامعات نے بھی ان سے نور وضیا کی خیرات حاصل کی۔ انھوں نے دینے میں کسی کے ساتھ بخالت سے کام نہیں لیا، سب کو دیا اور سب کچھ دیا۔ یہی تو ان کی دوامی مقبولیت اور شہرت کا راز ہے۔ زمانہ نے مخالفت کی، زبان چلائی، قلم نے تیور دکھایا، غضب ناک آنکھوں سے گھورا اور ان کی ذات سے ابلتے چشموں کو بند کرنے کی کوشش کی۔ ساری کوششیں ناکام ہوگئیں، تمام مساعی خاک میں مل گئے مگر ان کی اجلی اور حیات افروز شخصیت پر ذرا سی آنچ بھی نہیں آئی کیونکہ انھیں بڑھانے والا کوئی اور ہے۔ گھٹانے والوں سے وہ بہت بڑا ہے، جب وہ کسی کو اونچا کر رہا ہے، تو کوئی ان کو کس طرح گھٹا سکتا ہے اور کس میں اتنی ہمت کہ وہ ان سے آنکھیں چار کر کے بات کرے، وہ تو ایک عجیب شے ہے جو حیرت انگیز کرشمے رکھتا ہے۔ ڈب کی طرح ابھرنا ان کی فطرت ہے اور بدلیوں سے درخشاں ہونا، ان کی عادت ہے۔ غم حیات ان کے لیے سوہان روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاک طیبہ کے حسین ذروں نے انھیں کانٹوں کے بیچ مسکرانے کے آداب سکھا دیئے، وہ کب کسی سے گھبراتا ہے؟ خوف وہراس، حزن وملال سے انھیں کوئی رشتہ نہیں، وہ اپنے رنگ میں مست رہتا ہے اور تا حیات اسی مستی کے عالم میں جھومتا رہا۔ غیروں نے کیا کہا، اپنوں نے کیسے تیر چلائے، ان سب سے اُنھیں کوئی تعلق نہیں، کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ اکبر! کیسا سرمست ہے جو ہر وقت یادِ جاناں میں کھویا رہتا ہے اور عشق ووفا کی دہلیز پر صرف سر سے ہی نہیں بلکہ قلب وروح سے بھی سجدہ ریز رہتا ہے۔ اس اجلی، صاف ستھری حیات کا نام اعلیٰ حضرت ہے جو خود بھی روشن وتاباں ہوا اور سارے زمانے کو روشن

کر گیا۔ علم وفن کی برہم زلفوں کو انھوں نے سنوارا، عقیدۂ ایمان کی صیانت فرمائی، تہذیب وتمدن کو روشنی بخشی، مذہب اہل سنت وجماعت میں نئی روح پھونک دی اور اس کے پیکر میں حیاتِ نو کی لہریں پیدا کر دیں۔ اس طرح امام احمد رضا نے چوطرفہ فروغ وارتقا کو انجام دیا۔ اسی ارتقائی عمل سے جو وسیع دائرہ وجود میں آیا اس نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کو مرکزی حیثیت عطا کی۔ اس نے خود بھی اسے تسلیم کیا اور اہل زمانہ کو بھی تسلیم کرایا۔ اسی مرکزی حیثیت کو آج ہم اعلیٰ حضرت سے تعبیر کرتے ہیں، اسی لیے میں کہتا ہوں وہ مرکزی حیثیت اس اجلی حیات کا نام ہے جو حیات بخش بھی ہے اور حیات افروز بھی، خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشن وتابناک کرتی ہے، جو اس روشن حقیقت کو نہ سمجھ پائے انھیں کیا کہا جائے اور کیا سمجھا جائے، وہ تو فہم وشعور سے بالاتر نظر آتا ہے۔ خود تو قصور فہم سے دوچار ہیں اور پھر یہ عندیہ کہ ہم فکر وشعور والے ہیں؟ شاید انھیں نہیں معلوم کہ یہ جہل مرکب ہے جس کا بھوت ان کے قلب ودماغ پر سوار ہے اور وہ ان سے وہ کہلوا رہا ہے جو اسے کہلوانا ہے۔

نکتہ چیں بڑے شاطر ہیں - اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے تعلق سے نکتہ چینی کرنے والے بڑی ہی شاطر دماغ ہیں کہ وہ نت نئے طریقوں سے تنقید کرتے ہیں اور نکتہ چینی بھی، ہر روپ میں یہ نکتہ چیں افراد آئے، حملہ کیے اور انھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی، مگر ان کے وفادار سپاہی بھی کچھ ایسے جیالے ثابت ہوئے کہ انھوں نے ان کے ہر ایک داؤ کو ناکام کر دیا اور ہر ایک پینترہ کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات وکوائف کو دیکھ کر نکتہ چینیوں نے بھی کچھ نئے راگ الاپے اور عوام وخواص میں اسے رائج کرنے کی کوشش کی۔ صرف اس مقصد سے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلاف راہ ہموار کی جائے اور ان کے تئیں عوام کے دلوں میں ناخوشگوار جذبات بیدار کیے جائیں، پروان چڑھائے جائیں۔ ذیل میں ہم انھیں کچھ پہلوؤں کا ذکر کر رہے ہیں تاکہ آپ آئینے کو روبرو رکھ کر کچھ فیصلہ لے سکیں، ملاحظہ فرمایئے……

اولاً - مخالفین ومعاندین نے سب سے پہلے امام احمد رضا کے لیے لفظ اعلیٰ حضرت

کے استعمال پر اعتراض کیا اور یہ کہہ کر تنقید کی یہ حضرات رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تو صرف حضرت یا آنحضرت کا استعمال کرتے ہیں جبکہ امام احمد رضا کے لیے اعلیٰ حضرت کا استعمال کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ امام احمد رضا کو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑا تصور کرتے ہیں۔ مجھے اس اعتراض اور تنقید پر ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے، اس سے تو ان کے دل کا چڑھتا ہوا بخار دکھائی پڑتا ہے اور قلبی کدورت سے نگاہ کا زاویہ بھی بگڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اگر واقعتاً یہ اعتراض وتنقید ہے تو اسے اس وقت بھی اُٹھانا چاہیے جب کہ لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال شاہانِ زمانہ اور نوابین ہند کے لیے ہوا تھا اور اس وقت بھی جب کچھ خانقاہی افراد اپنے بزرگوں کے لیے استعمال کر رہے تھے اس وقت نکتہ چینی کرنے والے کہاں تھے؟ کیا چوہوں کی مانند اپنے اپنے بلوں میں سو رہے تھے، مگر جب یہی لفظ امام احمد رضا کے لیے استعمال ہوا تو برساتی مینڈکوں کی طرح یہ لوگ ٹرٹر کرنے لگے اور آج تو اس اعتراض کو لیے دندناتے ہوئے نظر آرہے ہیں، وہاں خاموشی کیوں؟ اور یہاں واویلا، شور وغوغا کیوں؟ کیا اس کا کوئی جواب ان نکتہ چیں افراد کے پاس ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ یہ اعتراض سرے سے قصور فہم اور کوتاہ بین نظر پر مبنی ہے کیونکہ نقاد حضرات ابھی تک حضرت اور اعلیٰ حضرت کے مفہوم سے صحیح معنی میں واقف نہیں۔ کاش اس کا علم ہو جاتا تو تنقید کرنے کی جرأت نہ کرتے، ذیل میں کچھ باتیں عرض کی جارہی ہیں تاکہ معاندین ذرا سوجھ بوجھ سے کام لیں اور نفرت آمیز تنقیدوں سے توبہ کرلیں تو بہتر ہے۔ انصاف ودیانت سے ذیل کی تحریروں کا مطالعہ فرمائیں، شاید کچھ مثبت اور خوشگوار نتائج سامنے آجائیں۔

(الف) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حضرت یا آنحضرت کا استعمال کیا جاتا ہے اس سے عظمت علی وجہ الکمال مراد لی جاتی ہے اور مفکرین جانتے ہیں کہ بطور کمال مستعمل ہونے والے اوصاف وآداب بڑے یا چھوٹے اعلیٰ یا ادنیٰ کے دائرے میں نہیں آتے، کہ اس دائرہ میں صرف وہی اوصاف وآداب آتے ہیں جو بطور کمال مستعمل نہیں ہوتے۔ لہٰذا جب حضرت یا آنحضرت اپنی معنویت اور وصف کمال کے

سبب دائرہ میں آتے ہی نہیں تو پھر اس لفظ کے سہارے اعلیٰ حضرت کے استعمال پر اعتراض وتنقید بھی نہیں کر سکتے کہ کہاں وہ وصف اور کہاں یہ وصف؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ اس بات کو نہ سمجھنے کے سبب معترض نے اعتراض تو کر دیا اور تنقید کر کے اپنی پیاس بجھالی، مگر یہ نہ سمجھ پائے کہ اس تنقید سے ان کی شخصیت اور مبلغ علم کا بھرم بھی جاتا رہا اور بنی ہوئی ساکھ بھی گرتی رہی اور انھیں اس کا احساس تک نہ ہوا۔ یہ نکبت، ذلت ورسوائی بھی انھیں اٹھانی تھی جو انھوں نے اٹھالی، تنقید سب کے فکر ومزاج سے میل نہیں کھاتی، اس کے لیے قلم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ وہ دشت امکاں ہے جہاں چٹانوں کے جگر میں بھی شگاف پڑ جاتا ہے۔ وہ اور ہی ہوتے ہیں جو کہساروں میں جوئے شیر جاری کر دیتے ہیں۔ ابھی نقادوں کے بازوں میں وہ قوت اور تاب وتوانائی نہیں، جس سے کہساروں کے دل دہل جائیں اور جوئے شیر جاری ہو جائے۔

(ب) امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لیے لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال یہ کوئی آج کی نئی ایجاد نہیں، بلکہ برسوں سے اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں سو سال کا عرصہ تو ضرور گزر رہی گیا ہوگا۔ اس طرح یہ استعمال روزمرہ کی بولی میں داخل ہو گیا۔ ہر ادب میں روزمرہ کے استعمال کو سراہا جاتا ہے اور ایسے لفظوں سے بزم ادب سجائی جاتی ہے اور فکر و دانش کی محفلیں بھی آراستہ کی جاتی ہیں۔ اب تک روزمرہ کے استعمال پر تنقید کی کوئی روایت سامنے نہیں آئی، تو پھر لفظ اعلیٰ حضرت کے استعمال پر یہ تنقیدی روایت کیوں؟ یہ جدت پسندی کی نئی تڑپ نہیں تو پھر کیا ہے؟ دوسری طرف اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جن افراد نے امام احمد رضا کے لیے لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال کیا، وہ ایسے تو ہیں نہیں کہ انھیں درخور اعتنا کر دیے جائیں بلکہ یہ وہ شخصیتیں ہیں جو وضع کرنے کی قوت اور استعداد رکھتی ہیں۔ ان کے استعمال کو سند اور دلیل کی حیثیت حاصل ہے۔ کسی بھی لفظ کے استعمال کو درست ٹھہرانے کے لیے غالبؔ و اقبالؔ اور داغؔ و امیرؔ کے کلام کو ڈھونڈا جاتا ہے۔ ان کے دواوین کھنگالے جاتے ہیں مگر لفظ اعلیٰ حضرت کے استعمال کے لیے ہمارے اکابر کی

کتابیں کیوں نہیں کھنگالی جاتی ہیں۔اس طرف دھیان کیوں نہیں دیا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علمائے اہل سنت کو کسی لائق تصور نہیں کرتے ہیں،تو پھر بتایئے خود آپ جیسے جدید دانشوروں کو کس خانہ میں رکھا جائے، یہ فیصلہ خود آپ کے ہاتھوں میں ہے،یا تو آپ خود اپنی حیثیت منوالیں یا پھر کسی گڈھے میں جا کر ڈوب مریں؟

(ج) ہر زبان وادب کا مزاج ہے جب کسی کو بڑا یا اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے تو استعمال کرنے والے اس کا دائرہ بھی متعین کر جاتے ہیں کہ وہ کس زمانہ کے اعتبار سے بڑے ہیں،عربی زبان وادب اور فارسی زبان وادب کا بھی یہی مزاج ہے۔حتیٰ کہ کلامِ الٰہی میں بھی یہ مزاج نظر آتا ہے جیسا کہ ارباب فکر و دانش سے پوشیدہ نہیں مگر افسوس ہے کہ آج جو حضرات تنقیدی ادب کا علم لیے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں وہ اس مزاج سے واقف نہیں، کاش اگر وہ اس مزاج وسرشت سے واقف ہوتے تو اعلیٰ حضرت کے استعمال پر انگلی ہرگز نہ اُٹھاتے بلکہ خود اس کا دائرہ اور سمتوں کا تعین فرما کر اس استعمال کو جائز و درست قرار دیتے، لیکن وہ بیچارے بھی کیا کریں، ان کا بھی کیا قصور ہے کہ ان کے ذہن وفکر میں عصبیت کے جراثیم جب کلبلانے لگتے ہیں تو اس وحشت میں الٹی سیدھی باتیں کر کے خود اپنی شخصیت کو لہولہان کر دیتے ہیں۔بس ایسے لوگوں کی سلامتی کے لیے صرف دعائیں مانگنی چاہیے۔

ثانیاً – یہ کیسا طرفہ تماشا ہے کہ اس دور میں لفظ اعلیٰ حضرت کی معنوی حیثیت کم کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے۔میں مانتا ہوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی سے قبل بھی بعض افرادِ علم وفن اس لقب سے ملقب کیے گئے اور انھیں اعلیٰ حضرت کہا گیا،مگر امام احمد رضا کی ذات و شخصیت کے لیے اس لفظ کے استعمال ہوتے ہی اس لقب میں جو معنویت،جذب وکشش،حسن و بانکپن اور پُروقار بصیرت،علم وادراک،فکر وشعور اور مختلف جہتوں کو احاطہ کرنے کی قوت و استعداد پیدا ہوگئی۔اس کا نتیجہ سامنے آیا کہ یہ لفظ صرف امام احمد رضا کے قد زیبا پر فٹ اور بھلا معلوم ہونے لگا، جب تک اس میں یہ مذکورہ وسعتیں پیدا نہیں ہوئی تھیں اس وقت اس کے

استعمال میں کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ یارانِ سخن داں نے اس کا برملا استعمال کیا اور دل کھول کر اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کی رٹ لگائی۔ کسی کو اس سے کیا مطلب؟ آپ آسماں سے تارے توڑ کر لائیں اور قلب وجگر کا نذرانہ پیش کریں، اس سے کسی کو کیا غرض، لیکن اس دور میں عام افراد اور ارباب فکرودانش کے مبارک ذہنوں میں اعلیٰ حضرت کے استعمال سے جو تصور ابھرتا ہے اس کے کشادہ باہوں میں صرف امام احمد رضا کی ذات وشخصیت ہی سماتی ہوئی نظر آتی ہے کوئی اور نہیں۔ اس لیے میرا یہ نیک مشورہ ہے کہ اسے صرف امام احمد رضا کے لیے ہی محدود رکھا جائے تاکہ القاب وآداب کی ارزانی نہ ہو اور نہ ہی اس کی معنوی حیثیت میں کسی قسم کی کمی واقع ہو، دیکھئے اس دور میں علامہ سب کو کہا جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی علم فرد علامہ سے کم پر راضی نہیں اور لوگ لکھنے میں بھی کشادہ قلبی سے کام لے رہے ہیں، لیکن ایک دور ایسا بھی تھا جب بڑے بڑے کروفر والے اور ماہرین علوم وفنون، شناوران بحر بلاغت ومعانی کے لیے بھی علامہ نہیں لکھے جاتے تھے اور لکھنے کو عیب ونقص تصور کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷ھ-۸۹۸ھ نے اپنی مشہور درسی کتاب شرح جامی میں صاحب کافیہ ابن حاجب ۵۷۰ھ-۶۴۶ھ کے لیے لفظ علامہ کا استعمال فرمایا تو اس استعمال پر تنقید کرتے ہوئے ملا عبدالرحمٰن نے تحریر کیا......

> **البحث الثالث انه لا يجوز اطلاق العلامة على ابن الحاجب لانه لم يكن عالماً بعلوم العقلى و يشترط فى العلامة ان يكون عالما بعلوم العقلى النقلى معا.**

تیسری بحث یہ ہے کہ ابن حاجب کے لیے علامہ کا استعمال درست نہیں، کیونکہ ابن حاجب علوم عقلی کے ماہر نہیں اور علامہ ہونے کے لیے علوم عقلی اور نقلی دونوں میں مہارت کا پایا جانا ضروری ہے۔ حالانکہ بعض حضرات نے اس استعمال کے جواز کے لیے چند تجاویز پیش کی ہیں اور وہ قابل قبول بھی مگر یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ القاب وآداب کو اس طرح ارزاں نہ کیا جائے کہ اس کی معنوی حیثیت ہی مجروح ہو کر رہ جائے۔ اس دور میں اس کی افراط نظر آتی ہے۔ اسی مزاج وسرشت کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں نے لفظ اعلیٰ حضرت کے استعمال کو عام کرنا شروع کر دیا، جو

مناسب نہیں۔اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے کہ یہی وقت کا تقاضا ہے۔

ثالثاً۔ اگر اس دشت امکاں میں پا بہ رکاب ہونے کا ہی ذوق وشوق ہے تو خوب برق رفتاری سے کام لیجیے اس میں رخنہ کوئی کیوں ڈالے اور اس کی کسی کو کیا ضرورت؟ آپ اپنی مرضی کے مولیٰ ہیں، اپنے ذوق وشوق کو پورا کیجیے اور دلوں کی بھڑاس نکال لیجیے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ آپ صرف لفظ اعلیٰ حضرت کو ہی لے سکتے ہیں۔اس کی معنوی حیثیت کو جو اجلی اور صاف شفاف حیات کی صورت میں جلوہ فگن ہے اور سبھی افراد کو درخشانی عطا کرتی ہے، آپ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ لفظ اعلیٰ حضرت میں یہ اجلی حیات تو صرف احمد رضا کی ذات و شخصیت اور ان کی پُر وقار بصیرت اور سوز و گداز کی کیفیت سے پیدا ہوئی ہے۔ہاں اگر لفظ اعلیٰ حضرت کے لیے کوئی نیا جہاں اور تازہ چمن تلاش کرنے اور خوشگوار فضا ہموار کرنے کا حوصلہ ہے تو اسے بھی آزما کر دیکھ لیجیے ہو سکتا ہے آپ کامیاب ہو جائیں۔میری نیک خواہشات بھی آپ کے ساتھ ہیں کہ آپ کا حوصلہ بلند رہے اور فکر و شعور کو بالیدگی نصیب ہو لیکن اس راہ میں کچھ دشواریاں لاحق ہو سکتی ہیں، رکاوٹیں آسکتی ہیں۔ذیل میں ہم ان رکاوٹوں کا ذکر کیے دیتے ہیں تا کہ آپ اس کا کوئی مداوا کر سکیں اور ان رکاوٹوں کو دور کر سکیں۔

رابعاً۔ امام احمد رضا کی ذات و شخصیت اور ہمہ جہت بصیرت سے لفظ اعلیٰ حضرت اور اس کے صوری پیکر میں نور و ضیا، اجلی حیات اور شفافیت نمایاں ہو گئیں۔لفظ اعلیٰ حضرت کو ان اشیائے مقدسہ سے مجرد کیسے کیا جا سکتا ہے۔کیا اس کا کوئی امکان ہے؟ اگر ہاں اس کا امکان ہے تو ایسا ضرور کیجیے لیکن یہ بھی سوچ لیجیے کہ امام احمد رضا سے وابستہ لفظ اعلیٰ حضرت نے ہزاروں افراد کے ذہنوں میں جو مثبت اور خوبصورت اثرات نمایاں کیے ہیں، کیا آپ ان اثرات کو مٹا سکتے ہیں اور یہ تمام اذہان اور افکار و خیالات آپ کی آواز پر کیا لبیک کہہ سکتے ہیں؟ یہ معاملہ تو غیر محدود ہے۔آپ کہاں کہاں تک جائیں گے اور کس کس کو باور کرائیں گے؟ یہ آپ کے بس کی بات نہیں، یہ سعی لاحاصل ہوگی اور اس سے ملنے والی ناکامی سے آپ کا بلند حوصلہ زمیں دوز ہو جائے گا۔یہی سوچ سوچ کر دل ہوا ہوا چاہتا ہے اور خوف سے ہلا جاتا ہے اور پھر زبان سے یہی

آواز نکلتی ہے...... آپ ایسا نہ کریں یہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے، اس پہ چلنا کوئی دانشمندی نہیں اور اگر اس کا امکان نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام احمد رضا کے سبب لفظ اعلیٰ حضرت میں جو وسعت، معنویت پیدا ہوئی وہ تو رہے گی غیروں کے لیے اس لفظ کا استعمال کر کے اس میں مزید وسعت اور معنویت پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ اب جس کے لیے اعلیٰ حضرت کا استعمال کیا جا رہا ہے وہ امام احمد رضا سے بھی بڑا ہے یا بڑا ہوگا۔ یہ نتیجہ کوئی نتیجہ نہیں بلکہ ضروریات کا انکار ہوگا اور ایک امر بدیہی سے روگردانی ہوگی۔ امام احمد رضا جیسا کوئی نہ تو گزشتہ ادوار میں تھا نہ خود امام احمد رضا کے دور میں تو پھر اس دور میں کیسے ہوگا؟ فکری، ذہنی دہشت گردی میں اگر کسی کو اسامہ ہی بننے کا شوق ہے تو وہ اپنا شوق پورا کر لے اور اہل سنت و جماعت کے قصر ابیض پر خوب بمباری کرے اور اسے ڈھا دے، مگر کسی سنجیدہ انسان کا ذہن و فکر آپ کے اس رویہ سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

لفظ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے کافی تفصیلی گفتگو ہوئی، انشاءاللہ اس سے آپ کے ذہن وادراک اور فکر وشعور کو ضرور جلا ملے گی اور اس ناچیز کو آپ اپنی خلوت گزیں ساعتوں میں ضرور یاد رکھیں گے۔ اب میں چند باتیں مرکزیت کے تعلق سے کرنا چاہتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ اسے بھی خوشگوار فضاؤں میں مطالعہ کریں۔

کچھ مرکز کے تعلق سے - اہل علم وادراک سے یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مرکز کسی ٹھوس حقیقت پر مبنی ہوتا ہے جس میں تبدیلی اور تغیر نہیں ہوتا کیونکہ اس کے تغیر سے مختلف سمتوں میں دائرہ کی طرف بڑھنے والے خطوط میں بھی تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ اگر دائرہ میں تبدیلی کی خواہش آپ کے دل میں ہے تو اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پورے عالم اسلام کا مرکز عقیدہ وایمان اور عشق ووفا کا مرکز رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ چونکہ آپ مدینہ پاک میں آرام فرما ہیں اس لیے مرکز کی نسبت مدینہ پاک کی طرف کر دی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ مرکز کی اولاً اور بالذات شخصیت کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ ثانیاً اور بالعرض کسی شہر کی طرف ہوتی ہے۔ زمانہ کے بدلتے ہوئے

مزاج کے اعتبار سے مرکز میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ اس کی علامتیں وضع کردی گئیں مثلاً...... ما انا علیه واصحابی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اطاعت و پیروی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید اور دورِ حاضر میں مسلک اعلیٰ حضرت سے اتفاق، اس علامت واضحہ کی مناسبت سے امام احمد رضا کی ذات و شخصیت کو مرکزیت حاصل ہوئی اور بریلی شریف کو اہل سنت و جماعت کا مرکز کہا گیا۔ اس اطلاق میں مرکزیت کی بنا صرف اور صرف امام احمد رضا کی ذات گرامی پر ہے۔ اس لیے یہ مرکز قائم ہے۔ اس کے مرکز ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں اور نہ یہ مرکزیت منتقل ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے کہ امام احمد رضا کی ذات و شخصیت تو کہیں منتقل نہیں ہو سکتی تو پھر مرکزیت کیونکر منتقل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بریلی جیسی مرکزیت کے قیام کا جو لوگ خواب دیکھ رہے ہیں وہ خواب دیکھنا چھوڑ دے اور اس سے پلو جھاڑ لے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ ہم اہل سنت و جماعت جس طرح پہلے بریلی شریف کو مرکز تصور کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ جو لوگ اس دور میں بریلی شریف کی مرکزیت کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مرکز تو مدینہ شریف ہے یا بغداد معلّٰی ہے، وہ تو اپنی حماقت پر شادیانے بجا رہے ہیں یا پھر نفسیاتی جذبات میں سرشار ہو کر عوام اہل سنت سے کھلواڑ کر رہے ہیں۔ یہ نعرہ اس وقت کام آتا ہے جب کہ بریلی شریف کی مرکزیت کو مدینہ پاک اور بغداد معلّٰی کے نورانی چشموں سے سیرابی میسر نہیں ہوتی۔ جب اس مرکزیت کا ایک ایک عضو انھیں کے انوار سے منور ہے تو پھر یہ باتیں کیونکر پسند آ سکتی ہیں۔ اس لیے میں اس نعرہ کو ایک خوبصورت فریب تصور کرتا ہوں۔ یہ بریلی شریف اور امام احمد رضا کے خلاف عوامی جذبات کو مشتعل کرنا ہے اور نفرت کی آگ لگانا ہے، یہ کوئی اچھی سرشت نہیں۔ یہ کسی کی عادت ہو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر علم و ادراک، فکر و شعور اور تصنیف و تالیف کی بنیاد پر کسی کو مرکز قرار دیا جاتا ہے تو اس بنیاد پر مرکز کا قیام مستحکم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام چیزیں جو محور کی حیثیت رکھتی ہیں منتقل ہو سکتی ہیں اور کہیں بھی پہنچ سکتی ہیں اس لیے ایسے مراکز اگرچہ مراکز ہیں لیکن یہ مرکز بریلی شریف کی مرکزیت کا درجہ نہیں پا سکتا ہے۔ تو اس کے قیام میں کسی بھی دانشور کو کوئی تردد نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک دو نہیں ہزاروں مراکز قائم کر لیں، ان سے مرکز اہل سنت

وجماعت بریلی شریف کو کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی بال بیکا ہو سکتا ہے۔ مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ان مرکزوں میں جو تابانیاں، انوار و تجلیات پائے جاتے ہیں وہ بھی تو امام احمد رضا فاضل بریلوی کی اجلی حیات اور پاکیزہ سیرت سے مترشح ہوتی ہیں۔ ان تابانیوں پر اس قدر نہ اترائیں، ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں، اس کے سوتے بھی امام احمد رضا کے علم وفن اور فکر ونظر نیز اصول ونظریات سے نکلے ہوئے ہیں۔ چاند کی چاندنی سے اگر چہ ظلمتیں کافور ہو رہی ہیں اور شب دیجور کا پردہ چاک ہو رہا ہے، مگر خورشید تاباں کی تابشوں کے جو احسانات اس پر ہیں، اس سے وہ انکار نہیں کر سکتا۔ تو پھر ان مذکورہ مراکز میں سے کوئی مرکز والا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلاف زبان کھولے یا ان کے اصول ونظریات سے روگردانی کرے، یہ احسان فراموشی ہوگی یا پھر کبر ونخوت؟ یہ دونوں باتیں ہر اعتبار سے غلط اور انسانیت سوز ہیں۔ اگر غیر شعوری طور پر کسی سے صادر ہو چکی ہیں تو انھیں سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور شرم وحیا کا احساس کرنا چاہیے اور اس بات کا عہد کر لینا چاہیے کہ آئندہ ایسی کوئی بات نہ کریں گے جس سے انسانیت بھی شرم وعار محسوس کرے اور شرافت و دیانت کو رونا آئے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی یہ اجلی حیات، صاف وشفاف سیرت، علمی بصیرت، فنی لیاقت اور تجدیدی کارنامے بھی کسی کے رہین منت ہیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یہ رویہ نہیں اپنا جو رویہ آج ان کے ساتھ اپنایا جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنے آقاؤں کا تذکرہ کس حسین و دلکش انداز میں کیا ہے، اس پر غور کیجیے آپ فرماتے ہیں......

کیسے آقاؤں کا میں بندہ رضاؔ
بول بالے میری سرکاروں کے

☆

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆

خدایا! جذبۂ یقیں سلامت رہے

یقین قلبی کیفیات اور دلی واردات کا نام ہے۔ اسی بنیاد پر اسے جذبہ سے تعبیر کیا گیا۔ یقین دل کے مستحکم اور ناقابل تسخیر رشتہ کا نام ہے۔ یہ رشتہ اس قدر مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے کہ اسے توڑنے میں برسہا برس گذر جاتے ہیں، اس کے باوجود اس میں تزلزل پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ظن و وہم، شک و تردد اور گمان کی منزلوں سے گزر جانے کے بعد ہی یقین کا درجہ دستیاب ہوتا ہے۔ یقین کے متعلقات بے شمار ہوتے ہیں، کبھی اس کا متعلق قول ہوتا ہے اور کبھی فعل، کبھی کوئی منجمد شے اس کا متعلق ہوتا ہے اور کبھی سیال و متحرک شے، اس کا متعلق جس قدر اہم ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے یقین کے جذبہ میں اہمیت، افادیت اور عظمت نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے اس کا متعلق سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت کو قرار دیا گیا۔ بعثت سے قبل میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور پاکیزہ حالات اسی جذبہ یقین میں استحکام لانے کے لیے منصۂ شہود پر آئے...... اعلانِ نبوت سے قبل میرے سرکار اہلِ مکہ سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا

> اے اہلِ مکہ اگر میں یہ کہوں اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کی فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہو کر تمھیں تباہ و برباد کرنا چاہتی ہے تو کیا تم میری ان باتوں پر یقین کروگے؟ سب نے کہا...... ہاں، ہاں، کہ آپ سچے ہیں، امانت دار ہیں، کبھی آپ کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلی۔

یہ ارشادِ گرامی شخصیت کے تئیں ان کے دلوں میں جذبۂ اعتماد و یقین بیدار کرنے اور

قول وفعل کی اتباع کے لیے زمین ہموار کرنے کے لیے تھا۔اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ شخصیت پر اعتماد کرنا اوراس پر یقین رکھنا اول ومقدم ہے اس کے بعد ہی کسی قول یا قضیہ پر یقین کا مرتبہ آتا ہے۔اس جذبہ یقین کے فلسفہ کو صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ صحابہ کرام کی ذوات مقدسہ کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہونا چاہیے کہ پہلے ان کی شخصیتوں پر یقین رکھیں اور جذبہ اعتماد کو بحال کریں، اس کے بعد ہی ان سے اکتساب نور وضیا کریں۔سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے کسی ایک کی اقتداء کرو، اتباع کرو، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔صحابہ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد ائمہ کرام، اولیائے عظام اور بعد میں علمائے اہل سنت کی ذاتوں پر یقین رکھو ہدایت مل جائے گی۔فلاح و بہبودی نصیب ہو جائے گی، کامیابی اور فوز مرامی قدم چومے گی۔یہ ارشاد کسی اور کا نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔یہی تو جذبۂ یقیں ہے جو نجات و ہدایت کی علامت اور شناخت ہے۔کبھی حضرت ابو موسیٰ اشعری، ابو المنصور ماتریدی کی شخصیتوں پر اعتماد کو فرقۂ ناجیہ کی علامت قرار دیا گیا اور کبھی ائمہ کرام کے تعلق سے جذبۂ یقین واعتماد کو دور حاضر میں امام احمد رضا کی ذات و شخصیت پر یقین رکھنے کو فرقۂ ناجیہ کا معیار قرار دیا گیا اور پھر اسی جذبہ یقین نے مسلک کی نسبت امام احمد رضا کی طرف کرنے کی ترغیب دی۔

یقین انسانوں کا فطری جذبہ ہے - میں تمام ارباب فکر ودانش سے گذارش کروں گا، وہ آئیں اور جذبہ یقیں پر غور کریں۔یقین انسانوں کی فطرت اور اس کی جبلت ہے اور جو چیز فطری ہوتی ہے، انسانوں کا کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس سے بیگانہ نہیں رہ سکتا ہے۔یوں تو ہماری زندگی بہت زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں اور یقین واعتماد بھی ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔نہ ہم یقین سے بیگانہ اور نہ ہی یقین ہم سے بیگانہ رہ سکتا ہے۔ہر موڑ پر ہمیں یقین سے سابقہ پڑتا ہے۔کسی بھی انسان کو کیا معلوم؟ اس کا باپ کون ہے؟ اور ماں کون ہے؟ اور اس بات کا بھی پتہ نہیں کہ ہم کس کی اولاد سے ہیں؟ ماں کی ذات پر یقین تھا، انھوں نے کہا......تو میرا نورِ نظر ہے، لخت جگر ہے۔میں نے تسلیم کرلیا، میری ماں یہی ہے۔باپ

نے کہا...... تو میرا جگر پارہ ہے، میری آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہے۔ میں نے یقین کر لیا آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں، وہی سچ ہے۔ ذرا سوچئے اگر یقین کا جذبہ ختم ہو جائے تو باپ بھی مشکوک اور ماں کی ممتا پر بھی انگلی اُٹھ سکتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں خود میرا وجود بھی شک کے دائرہ میں آ سکتا ہے۔ ہم جذبہ یقین سے کہاں تک احتراز کریں گے، وہ تو ہماری سانسوں میں بسا ہوا ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ اگر اپنے وجود سے اس جذبہ یقین کو اُٹھا لیا جائے تو خود ہمارے وجود کا اتہ پتہ نہیں رہے گا اور ہم بھی اس جماعت میں شامل ہو جائیں گے جنھوں نے شکوک وشبہات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ اس جماعت کا نام فرقہ لا ادریہ ہے اسے کچھ پتہ نہیں اور نہ ہی کسی چیز کا علم ہے، حتی کہ انھیں اپنے وجود کا بھی یقین نہیں، خود انھیں اپنے وجود پر شک ہے، ایسے لوگوں سے بات کی جائے تو کس طرح کی جائے۔ بحث وتمحیص کا دروازہ کھولا جائے، تو کس طرح کھولا جائے؟ بڑے بڑے دانشوروں سے یہ گتھی نہیں سلجھی، تو ہم کیا سلجھا پائیں گے؟ اس بارے میں میری بساط ہی کیا؟ اس سے مناظرہ کی کوئی سبیل نہیں۔ ارے بھئی بات اس سے کی جاتی ہے، جو کسی مقام پر یقین تو کرے اور اپنے قلبی رشتوں کو استحکام تو بخشے۔ جہاں استحکام ہی نہیں، ان سے گفتگو کرنا فضول ہے۔ ایسے افراد کے ساتھ تو وہی سلوک کرنا چاہیے جو سلوک ہمارے بزرگوں نے کیا۔ انھوں نے کیا سلوک کیا؟ شرح عقائد اٹھائیے اور اس عبارت پر اپنی توجہ مرکوز کیجیے علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں......

> **والحق انه لا طريق الى المناظرة معهم خصوصاً لا ادريه لانهم لا يعترفون بمعلوم ليثت به مجهول. بل الطريق تعزيبهم بالنار ليعترفوا او يحترفوا:** سوفطائیہ اور خاص طور سے فرقہ لا ادریہ کے ساتھ مناظرہ کی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ کسی معلوم شے کا اعتراف نہیں کرتے، تو پھر کسی مجہول کا ثبوت کس طرح کیا جائے، ہاں صرف یہ صورت ہے کہ انھیں آگ میں جھونک دیا جائے تاکہ یہ اعتراف کر لیں یا پھر جل کر خاک ہو جائیں۔ (شرح عقائد نسفیہ مع حاشیہ خیالی، ص: ۲۲، ۲۳)

غور کیجیے...... ہمارے ارباب فکر و دانش نے ہر دور میں عوام و خواص کے دلوں میں بزرگوں اور علم والوں کے تعلق سے، اعتماد و یقین پیدا کرنے کی کوششیں کیں اور انھیں شخصیتوں پر بھروسہ کرنے کی تعلیم پر زور دیا۔ اس مقصد کے حصول میں جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی، انھیں فراہم کیا، اعمال صالحہ، شیریں گفتاریں، حسن اخلاق، حتی کہ قلم و زبان کی توانائیاں بھی اس کے لیے صرف کیں۔ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا، وطن سے دوری اختیار کی، دیارِ غیر میں جا کر تعلیم و تربیت کے انجام دینے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ جو افراد روایت و درایت کے اصولوں سے واقف ہیں، وہ اس بات کے اعتراف میں لیت و لعل سے قطعی کام نہ لیں گے۔ اس بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی کہ شخصیت کی اہمیت سے ہی قول و قضیہ میں اہمیت آتی ہے اور اس میں افادیت کی رعنائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اسلوب اور شخصیت - کلام، ادبی ہو یا مذہبی، نثری ہو یا شعری، اس کا تعلق تاریخ و فلسفہ سے ہو یا پھر تفسیر و حدیث سے اس میں سب سے زیادہ اہمیت، اسلوب اور انداز بیاں کو حاصل ہے، انداز بیاں پر کشش ہے تو کلام میں بھی جذب و کشش پائی جاتی ہیں۔ اسلوب اگر شگفتہ ہے تو کلام بھی شگفتہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ قارئین کے دل و دماغ پر اسلوب ہی نمایاں اثر ڈالتا ہے اور تاثیری کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ ذی شعور افراد اسلوب کی رعنائی اور خوبصورتی سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ شاعر یا مقالہ نگار کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اہل فن جانتے ہیں کہ اسلوب شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے، جیسی معنی خیز شخصیت ہوتی ہے ویسا ہی اسلوب ہوتا ہے۔ شخصیت میں انفرادی اختلافات کے سبب ہی اسالیب ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ غالب کا انداز بیاں اور ہے تو اقبال کا اسلوب ندرت و کمال کا حامل ہے، داغؔ دہلوی نے اپنے اسلوب میں شوخی اور تیکھاپن کو شامل کیا ہے تو دوسرے فنکاروں کے انداز بیاں میں کچھ الگ قسم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلوب میں سب سے زیادہ اگر کسی کا عمل دخل ہے تو وہ فنکار کی شخصیت کا ہے۔ کلام، اسلوب، طرز نگارش، انداز بیاں جیسے اوصاف بھی شخصیت کے رہین منت ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کلام و شعر کی زلفوں میں مشاطگی اگر کوئی کرتا ہے تو وہ کوئی اور

نہیں بلکہ فنکار کی شخصیت اور ان کی صلاحیت و استعداد ہے، جس سے کلام میں خوبصورتی، حسن و کمال، خوش سلیقگی اور شگفتگی جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شخصیت اور اسلوب کا بہت زیادہ گہرا تعلق ہے اور دونوں میں اس قدر شدید امتزاج پایا جاتا ہے کہ اسلوب کو شخصیت سے اور شخصیت سے اسلوب کو جدا نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلوب صاف شفاف آئینہ ہے، تو شخصیت اس میں تصویر جاناں کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاج محل کی اہمیت صرف اس وجہ سے ہے کہ ممتاز محل کی یادیں اس سے وابستہ ہیں، بظاہر اس میں کوئی خوبی نہیں، کوئی کمال نہیں۔ الفاظ و کلمات تو صرف خطوط ہیں، سادہ سی لکیریں ہیں ان میں جو نورانی جلوے اور تاب و توانائی پائی جاتی ہے صرف شخصیات کی بدولت، ان سے جدا ہو کر ان میں کوئی خوبی نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی رعنائی و شگفتگی ہے۔ اس لیے پہلے شخصیات کا احترام کیا جائے اور پھر ان کے توسط سے تخلیقات اور فنی شاہ پاروں کا، یہ ادبیات کا نقطہ نظر ہے جس کی وضاحت کی گئی، مذہبیات کوئی ادبیات سے الگ نہیں، اس میں بھی ہر مقام پر شخصیات کے احترام کی جلوہ افروزیاں دکھائی پڑتی ہیں۔

احترام شخصیت اور مسئلہ تقلید - تمام مذہبی شخصیتوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاروں اماموں سے کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے، کیونکہ حق انھیں اماموں کی تقلید و اتباع پر موقوف ہے اور انھیں اماموں کے پیروکاروں کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے، کوئی حنفی ہے تو حق پر ہے، شافعی اور حنبلی بھی حق پہ ہیں۔ مالکی بھی فرقۂ ناجیہ میں سے ہے، گہرائی میں اتر کر دیکھیے تو تقلید خود ہی شخصیت کے احترام اور اس کے تئیں جذبہ اعتماد و یقین کو واضح کر رہی ہے۔ اگر کوئی ان کی شخصیت کا احترام نہیں کرتا ہے تو پھر تقلید سے کیا فائدہ؟ اور ایسی پیروی کس کام کی؟ یہ باتیں تو ارباب فکر پر روشن ہیں ہی، انھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ احترام شخصیت کو، تقلید ائمہ تک محدود نہیں رکھا جا سکتا ہے بلکہ اس دور میں بھی شخصیت کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے تعلق سے اعتماد و یقین بھی رکھنا چاہیے چونکہ شخصیت فعال متحرک اور سیال ہوتی ہے۔ اس لیے اطاعت و اتباع میں بھی درجہ بدرجہ فروغ و ارتقا ہوتے رہتے ہیں۔ شخصیتوں سے جو چیزیں منسوب ہو جاتی ہیں وہ بھی ارتقائی منزلوں سے ہم کنار ہو جاتی ہیں اور فلاح و بہبودی

کے مرتبہ بلند پر پہنچ کر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتی ہیں۔ ایک دور ایسا بھی آیا تھا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت والفت کو ایمان کی علامت بنایا گیا اور اسے ہی دین حق کی شناخت قرار دی گئی۔ جو لوگ شخصیتوں کو بھول کر کلام وعبارت کی خوبصورت رعنائیوں میں کھو جاتے ہیں اور پھر اسی سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، وہ سخت قسم کی غلطی کے شکار ہیں کہ وہ اصل مقصد کے حصول کی راہوں پر نہ چل کر ایک ایسی راہ پر پابہ رکاب ہیں، جو تباہ کاری اور بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کسی چھوٹے بچہ کے ذہن کو بھوک کی شدت احساس سے ہٹا کر کسی اور طرف موڑ دیا جائے اور اسے کھلونے یا پھر جھوٹی تسلیوں میں الجھا دیا جائے، یہ ایک خوبصورت دھوکہ ہے اس جھانسہ میں نہیں آنا چاہیے۔ کسی بھی کلام اور فن پارہ کا مطالعہ کرنے سے قبل مصنف کی شخصیت اور اس میں مضمر اسرار و رموز کا مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان کی شخصیت میں کس قسم کی خوبیاں پائی جاتی ہیں اور علوم وفنون میں کیسی مہارت پائی جاتی ہے، ان پہلوؤں کا مطالعہ کیے بغیر ان کے کلام سے استفادہ معتد بہ حد تک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ مطالعہ کی نئی جدت اور کوشش نہیں بلکہ سائنٹفک انداز فکر اس کا مطالبہ کرتا ہے اور ہر دور میں اس طرح کا طریقہ مطالعہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔ جس کے دل میں انصاف ودیانت کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہے، وہ اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

دورِ حاضر کا محقق - جو حضرات علم وفن سے تعلق رکھتے ہیں انھیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ دورِ حاضر میں اگر کوئی لاجواب، بے مثال محقق ہے تو وہ امام احمد رضا کی ذات گرامی ہے، اس کا اعتراف اپنوں نے بھی کیا ہے اور غیروں نے بھی، عوامی سطح پر بھی ان کی مقبولیت ہے اور خواص تو انھیں دل وجان سے جانتے اور مانتے ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام و خواص میں سے ہر ایک طبقہ کے افراد ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کی شخصیت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ حق وصداقت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اسی جذبۂ اعتماد نے انھیں مسلک کی نسبت ان کی ذات کی طرف کرنے پر مجبور کیا۔ اس نسبت پر ہر ایک خوش نظر آتے ہیں اور پھر اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں، عوام بھی اور خواص بھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت

کے نعرہ کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ دورِ حاضر کے تمام ارباب فکر و دانش نے اس نسبت کو اپنے دل میں جگہ دی اور اسے ذہنوں میں پیوست کیا۔ ایسا کر کے ہم ان کی ذات اقدس پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے کبھی بھی متمنی نہ رہے، مگر کیا کیا جائے ان کے علاوہ کوئی ایسی ذات بھی تو نہیں جس کی طرف مسلک کی نسبت کی جائے اور ان کی ذات کو حق و صداقت کا معیار قرار دیا جائے۔ اس نسبت کا اگر کوئی جذبہ محرک ہے تو وہ صرف اعتماد و یقین کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ انمٹ اور لازوال ہے۔ ہر دور میں اس جذبہ کی پذیرائی کی گئی ہے، کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اس جذبہ یقین کو نہ مانا گیا ہو۔ اگر تاریخ میں کہیں ایسا دور ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے، ہم احسان مند ہوں گے اور منھ بھرائی بھی کریں گے۔ ذیل میں کچھ تاثرات نقل کیے جا رہے ہیں جن کے مطالعہ سے بزرگوں کے تئیں جذبہ یقین کا اظہار ہوتا ہے، چشم دل سے ان تاثرات کا مطالعہ کریں:

(۱) رازی زماں، غزالی دوراں حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد صاحب، مصنف قانون شریعت علیہ الرحمہ جو اپنے دور کے زبردست مفکر، مدبر اور عظیم دانشور تھے۔ مروجہ علوم و فنون پر زبردست مہارت رکھتے تھے۔ ان کی زیادہ تر زندگی جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس میں گزری۔ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام مدارس اسلامیہ میں صرف جامعہ حمیدیہ رضویہ کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ صدر الشریعہ کے دس شاگردوں میں سے دو شاگرد بہت دنوں تک یہاں مدرس رہے ہیں۔ قاضی صاحب اور حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمہ، قاضی صاحب قبلہ دوران درس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا تذکرہ کرتے تھے۔ تو ان کی جبین اقدس پر مسرت و شادمانی کی لکیریں ابھر جاتیں اور چہرہ شگفتہ گلاب نظر آتا تھا۔ حضرت قاضی صاحب قبلہ دوران تدریس برابر فرماتے...... اعلیٰ حضرت جیسا عبقری، مفکر، محقق اور مصنف گذشتہ ادوار میں بھی نظر نہیں آتا۔ دورِ حاضر کی تو بات ہی مت کیجیے۔ علامہ شامی کے یہاں تسامح تو نظر آتا ہے مگر امام احمد رضا کے یہاں ہمیں

کوئی تسامح نظر نہیں آیا۔امام احمد رضا نے جو کچھ بھی لکھا، اسے مکمل کر دیا۔انھوں نے نہ اپنوں کے لیے کوئی گنجائش چھوڑی اور نہ ہی غیروں کے لیے اور سرکار مفتی اعظم ہند کے تعلق سے بسا اوقات فرمایا کرتے تھے...... جس فتویٰ پر مفتی اعظم ہند کا دستخط ہو، میں آنکھ بند کر کے اس کی تصدیق کر دیتا ہوں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے قلم کو خطا و نسیان سے محفوظ رکھا ہے، یہ اس کی خاص رحمت ہے۔

(۲) تاجدار مارہرہ مطہرہ حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری سید مصطفیٰ حیدر حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ نے ایک مجلسی گفتگو میں فرمایا...... میاں، اعلیٰ حضرت کی کیا بات کرتے ہو، ہمارے بزرگوں نے ان کی محبت ہمیں گھٹی میں پلا دی ہے۔میں نے حدائق بخشش کو سبقاً سبقاً پڑھا ہے جو اعلیٰ حضرت کا نہیں، وہ میرا نہیں، میں نے اپنے بچوں کو نصیحت کی ہے وہ اعلیٰ حضرت کے مسلک پر قائم رہیں۔حضور امین ملت اور شرف ملت نے بھی عرس چہلم میں اسی قسم کے تاثرات کا اظہار حضور احسن العلماء کے حوالہ سے کیا تھا۔

بطور نمونہ یہ دو تاثرات میں نے پیش کر دیے۔دورِ حاضر میں جس قدر محتاط علمائے اہل سنت ہیں یا جو تھے ان کے تاثرات بھی ایسے ہی تھے۔غیروں کے تاثرات کے لیے دیکھئے علامہ یٰسین اختر مصباحی کی کتاب ''امام احمد رضا غیروں کی نظر میں'' اور مطالعہ کیجیے مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے لکھے گئے مضامین ومقالات، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا کی ذات و شخصیت اور ان کی علمی بصیرت پر علمائے اہل سنت کو کس قدر اعتماد تھا اور کس اعلیٰ درجہ کا یقین تھا؟ مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اسی جذبۂ اعتماد ویقین کا اظہار کرتی ہے۔اس لیے ہمارے علمائے کرام نے اور قوم وملت کے دانشوروں نے اس کا استعمال کیا اور آنے والی نسلوں کو اس کے استعمال کی تلقین فرمائی۔اس کے رائج واستعمال ہونے پر نہ کسی عالم کو اعتراض ہے اور نہ ہی کسی نے اس پر افسوس کا اظہار کیا، اور کر بھی نہیں سکتے ہیں کیونکہ اس اصطلاح کی بنیاد ٹھوس حقائق پر مبنی ہے جو دلوں میں اتر جاتی ہے اور ذہنوں میں گھر کر جاتی ہے۔امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شخصیت

جب اس قدر معتبر ہے اور ان پر اہل علم وفن کو اعتماد ہے تو انھوں نے مسلک کے روپ میں جو نظریات قوم کے حوالہ کیا، ان پر بھی اعتماد کرنا چاہیے اور ان کے موقف سے قطعی نہیں ہٹنا چاہیے کہ انھوں نے یہ موقف بہت کچھ سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں کو فن کی روشنی میں دیکھا، فکر ونظر کی کسوٹی پر پرکھا، تب کہیں جا کر موقف کی صورت میں تبدیل کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے موقف سے انحراف اختیار کرنا گناہ عظیم ہے، لیکن اس انحراف کے لیے جس علم کی ضرورت ہے اور تعمق فکر کی حاجت ہے، دورِ حاضر میں وہ اعلیٰ صلاحیت کسی کے پاس نہیں، تو پھر ان کے خلاف موقف اختیار کرنے کا جواز کہاں سے آ گیا؟ ٹی این شیشن کے دور میں شناختی کارڈ کا ایک ہوا کھڑا ہوا۔ الیکشن آفیسرز نے اس پر بڑی سختی برتی اور یہاں تک کہہ دیا کہ جس کے پاس شناختی کارڈ نہیں، وہ ہندوستان کا دوسرے درجہ کا شہری ہے۔ شناختی کارڈ کی مخالفت سماجی کارکنوں نے بھی کی اور کچھ صوبوں کے مکھ منتریوں نے بھی۔ بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرشاد یادو نے تو ٹی این شیشن کو چیلنج بھی کر دیا کہ ہم شناختی کارڈ نہیں بنوائیں گے، دیکھتے ہیں ووٹ کیسے نہیں ڈلوایا جاتا ہے۔ جو لوگ اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اس سے بخوبی واقف ہیں مگر یاران نکتہ داں نے اسے ضرورت، حاجت کی منزل میں رکھ کر شناختی کارڈ کے لیے تصویر کشی کو جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ اس کے جائز قرار دیے جانے کے بعد شناختی کارڈ میں چھوٹ مل گئی اور بہت سے لوگوں نے اس کے بغیر ووٹ ڈالا۔ شناختی کارڈ کے بنا ووٹ کا ڈالنا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ تصویر کشی کے جواز کے لیے کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی کوئی حاجت تھی بلکہ ضرورت وحاجت کا صرف ایک شور تھا۔ چلیے بالفرض یہ مان لیا کہ اس کی ضرورت تھی مگر مدرسہ کے طلبا کو شناختی کارڈ جاری کرنا بھی، کوئی ضرورت وحاجت ہے کہ طلبہ کو تصویر کشی کی اجازت دے دی گئی اور مدرسہ کے شناختی کارڈ میں ہر ایک طلبہ کی تصویر چسپاں کی گئی۔ اگر اس کا شوق تھا تو جواز کے حصول سے پہلے ہی یہ شوق پورا کر لیا جاتا، کم از کم سیدی اعلیٰ حضرت کے موقف سے انحراف تو نہ ہوتا۔ اس طرح کے اور بھی مسائل ہیں جن میں انحراف اختیار کیا گیا اور ضرورت وحاجت یا مصلحت شرعیہ کا بلا وجہ استعمال کیا گیا۔

بزرگوں کا موقف ہی درست ہے - دورِ حاضر میں بزرگوں کے

موقف سے انحراف اختیار کرنے کی ہوا چل گئی ہے اور دن بہ دن اسلاف بیزاری کی فضا ہموار ہو رہی ہے۔ جسے دیکھئے اسلاف سے اور ان کی اتباع سے اپنا پلو جھاڑ رہا ہے۔ برملا بزرگوں کے خلاف مضامین لکھے جا رہے ہیں اور کتابیں ترتیب دی جا رہی ہیں اور ان کے اختیار کردہ موقف سے انحراف اختیار کیا جا رہا ہے۔ انحراف کسی بھی صورت میں مناسب نہیں اور نہ ہی انصاف و دیانت کے تقاضوں پر پورا اتر رہا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ بزرگوں کے موقف کی اتباع کی تلقین کی جائے اور اس پر زور صرف کیا جائے۔ اس سلسلہ میں عرض ہے، ہر ایک فرد کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں یہ یقین پیدا کر لیں کہ بزرگوں کا موقف ہی صحیح اور درست ہے، حق اسی موقف کے ساتھ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس موقف کی نوعیت میری سمجھ میں نہ آئے، جب ہر ایک فرد کے دل میں یہ خیال جم جائے گا، وہاں نہ انحراف ہوگا اور نہ ہی اسلاف بیزاری کی کوئی بات بات ہوگی۔ اسلاف بیزاری کا تصور بہت زیادہ قبیح ہے جو اچھے اچھوں کی شخصیتوں کو مجروح کر دیتا ہے اور کردار و عمل میں سیاہ دھبے پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کوئی افسانوی خیال نہیں، تجربہ کی بات ہے۔ ظفر ادیبی نے اسلاف بیزاری سے کام لیا، کہیں کا نہ رہا۔ خلیل احمد بجنوری ثم بدایونی نے اس کا جھنڈا بلند کیا، انھیں کیسی ذلت ملی اور کیسی رسوائی نصیب میں آئی، تمام دانشور طبقہ اس سے واقف ہے۔ ان کی قبر پر کتا بھی پیشاب کرنے کو تیار نہیں۔ اس موقعہ کے تناسب میں حضرت رئیس القلم نے بڑے پتہ کی بات کہی تھی کہ بزرگوں کی برائی اور اسلاف بیزاری انھیں لے ڈوبی۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب قائد اہل سنت بدایوں تشریف لائے تھے اور ساگر تال جاتے ہوئے راستہ میں فرمایا تھا۔ انھوں نے جو فرمایا...... وہی اصل حقیقت تھی۔

جام نور اور اسلاف بیزاری - تمام مذہبی رسالوں میں جام نور بھی ایک اہم رسالہ ہے جو جنگل کی آگ کی طرح اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ مگر کیا خبر تھی کہ اس کے ساتھ اسلاف بیزاری کا بھوت بھی گھر تک آن پہنچے گا اور سنیوں کی زندگی میں ناسور پیدا کر دے گا۔ ترقی اور روشن تہذیب کے نام پر موسم خزاں کا دور بھی لا دے گا۔ در و دیوار کی فضاؤں میں بھی، اسلاف بیزاری کا زہر پیوست کر دے گا۔ جام نور کو کوثر و سلسبیل کا جام خیال

کر کے حلق کے اندر تو انڈیل لیا مگر اسلاف بیزاری کے نشہ نے یارانِ نکتہ داں کو ایسا مدہوش کر دیا کہ کچھ ہوش مند طبقہ اسی کی بولیوں میں باتیں کرنے لگے......

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح غلط

(۲) بریلوی ایک فرقہ ہے

(۳) اشتراکِ عمل پر زور

(۴) ٹائی کے جواز پر مضامین کی اشاعت

(۵) کنزالایمان پر اعتراضات اور اس کی انفرادیت سے انکار

(۶) غیر کفو میں نکاح جائز

(۷) تفقہ فی الدین سے مسائل و جزئیات کا حذف

(۸) کالج کی تعلیم کو "خضر راہ" سے تعبیر

(۹) مدرسوں کی تعلیم سے بیزاری

یہ وہ باتیں ہیں جنھیں جام نور نے ہمارے سماج میں پھیلا دی ہیں اور اسلاف بیزاری کے ماحول کو گرم کر دیا ہے۔ ہمارے دلوں میں اسلاف کے تعلق سے جو اعتماد اور یقین تھا، جام نور نے اسے متزلزل کرنے کی کوشش کی اور آج بھی کر رہا ہے اور چند غیر معیاری نوجوانوں کو لے کر اسلاف کے قصر علوم پر خشت باری بھی کر رہا ہے۔ کبھی اعلیٰ حضرت کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کبھی علمائے اہل سنت کو، محدث کبیر کی شخصیت پر بھی تنقید کی گئی، خانقاہوں اور مدرسوں پر بھی، ذرا سوچئے...... جن افراد نے ہمارے ایمان و یقین کی صیانت فرمائی انھیں بھی نہیں بخشا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اعلیٰ حضرت پر تنقید مختلف انداز میں کی گئی۔ اس سلسلہ میں ایسے لوگوں نے لفظوں کے تیر برسائے ہیں، جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے، اگر ایسوں کے ہاتھ میں اسلام کی باگ ڈور دے دی جائے تو اپنی بے شعوری میں یہ کیا کر بیٹھیں؟ اس بات کا اندازہ نہیں، میں پوچھنا چاہتا ہوں...... خونی منظر کا یہ کھیل کب تک کھیلا جائے گا؟ اس کی انتہا ہوگی یا نہیں؟ ہم اہل سنت کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جسے سرد خانہ میں نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔

جام نور کے سیاہ کارنامے - اب ارباب فکر کو بیدار ہو جانا چاہیے اور خواب غفلت سے اٹھ جانا چاہیے اور جام نور کی تحریک پر سنجیدگی سے غور کر لینا چاہیے کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ منصۂ شہود پر کیوں آیا؟ جب تک اس کی نشاۃ ثانیہ نہیں ہوئی تھی۔ ہماری جماعت میں اتحاد تھا، اتفاق تھا، شیرازہ بندی تھی اور ہم آہنگی کا ماحول تھا۔ امام احمد رضا کی ذات ہی نقطۂ اتحاد تھا جو امام احمد رضا کا ہے وہ ہمارا ہے، جو ان کا نہیں وہ ہمارا نہیں، تو پھر ان سے رشتہ کیسا؟ دوستی کیسی؟ ہاتھ ملائیں تو کیونکر ملائیں، ایسوں سے تو ملت کی تشکیل بھی نہیں ہو سکتی، یہ نظریہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمام علمائے سنت کا ہے اور تمام دانشوروں کا ہے، مگر افسوس ہے کہ چند نوجوانوں کو نئی تہذیب اور جدید اجالوں نے کچھ ایسا اندھا کر دیا کہ وہ نقطۂ اتحاد والی ذات وشخصیت کو نہیں سمجھ پائے اور ان کے خلاف قلم کی آوارگی کا جلوہ دکھانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ جام نور دہلی نے جماعتی ہم آہنگی اور ملی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کر دیا، ملت کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا، انھیں خود بھی احساس کرنا چاہیے، روشنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں، اگر چاند بدلیوں میں چھپ جائے تو ستارے خود بخود سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان سے روشنیوں کا ابلنا بند ہو جاتا ہے۔ جب اجالے ہی نہ ہوں تو اجالوں کا سفر کس طرح جاری رہ سکتا ہے؟ جام نور سے جو امیدیں وابستہ تھیں سب پر پانی پھر گیا اور اس نے ایسے سیاہ کارنامے انجام دیئے کہ اب جام نور دہلی کو اپنا رسالہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جام نور کے حوالہ سے سیاہ کارناموں کا استعمال کسی کے لیے ناگوار خاطر ہوگا اور ان کے لیے کڑوا گھونٹ ثابت ہوگا، لیکن میں بھی کیا کروں؟ اس نے ہمارے علمائے اہل سنت کو اس قدر کاری زخم لگائے ہیں کہ ملت چور چور ہو گئی ہے اور شیرازہ بندی کا جنازہ نکل چکا ہے، کیا ایسی صورت میں ہم کراہ بھی نہیں سکتے اور ہمارے دل سے دھواں بھی نہیں اُٹھ سکتا؟ یہ کیسی اندھیر نگری ہے؟ ہم آہ بھی نہیں کر سکتے اور آنجناب مسلک اعلیٰ حضرت کی بلند عمارت کو زمیں دوز کرتے ہوئے بھی ندامت کا احساس نہیں کرتے، جو جی میں آتا ہے لکھ مارتے ہیں اور جسے چاہتا ہے اپنی بیجا تنقید کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے جن کے بارے میں لکھا جا رہا ہے وہ کیسے ہیں؟ ان کی

شخصیت کیسی ہے؟ اگر بے راہ روی کا یہی حال رہا تو پھر جماعت کا کیا ہوگا اور اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد پر کیا قیامت گذرے گی؟ جام نور دہلی نے اپنی سیاہ تحریروں کے ذریعہ دلوں میں نفرت وعداوت کی جوالامکھی کا دہانہ کھول دیا جو کل تک اعلیٰ حضرت کے نام پر روٹیاں سینکتے تھے اور اپنا پیٹ بھرتے تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے سے ذرا تکان بھی محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس اصطلاح کے استعمال سے اپنے جسم و جاں میں ضعف اضمحلال کا احساس کرتے تھے مگر آج وہی اس اصطلاح کے استعمال پر تڑپ اٹھتے ہیں اور اسے اپنی گردن میں طوق سمجھ رہے ہیں، انھیں اس بات کا بھی احساس نہیں، واقعی اگر یہ اصطلاح گردن کی طوق تھی تو کل بھی طوق ہی رہی ہوگی۔ تو پھر آپ اسے اپنے قلب وجگر میں جگہ کیوں دیئے ہوئے تھے اور اگر کل طوق نہ تھی، تو یہ آج کس طرح طوق ہوگئی اور اس میں کیا تبدیلی آگئی۔ ایسا کون سا معنی ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت میں سرایت کر گیا اور محتاط علماء کرام کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ جدید نوجوان مفکروں کو وہ اسپیشل آنکھیں کہاں سے مل گئیں کہ اُنھوں نے وہ دیکھ لیا جسے اکابر علماء نہ دیکھ پائے...... سوچئے اور بتایئے۔

جو افراد سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف مسلک کی نسبت کرنے پر پانی میں آگ لگا رہے ہیں اور ایک زبردست طوفان کھڑا کر کے شوروغوغا مچا رہے ہیں انھیں خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہیے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عشق و ایمان کی صیانت فرما کر اہل سنت پر کس قدر احسان فرمایا ہے۔ کاش ان کی ذات بابرکت نہ ہوتی تو ہم لوگوں کی ایمان پر کیسی ویرانی چھائی ہوتی، شاید ان افراد کو اس کا اندازہ نہیں، چمن کی بہاروں اور لہلہاتے گلستاں کو دیکھ کر اترانے لگے اور خوش فہمی کی بھول بھلیوں میں اس طرح الجھ گئے، کہ انھیں یہ بھی یاد نہیں کہ ان بہاروں اور رعنائیوں میں کس کے خونِ جگر کی سرخیاں نظر آرہی ہیں اور یہ جذب وکشش کس کی بدولت ہے؟ ایسی بھی ترقی کس کام کی جس سے خود فراموشی کی کیفیت نمایاں ہوجائے اور اصل حقیقت سے نظریں چرانی پڑیں۔ خدارا، اپنے آپ کو سنبھالیے اور عقل وخرد کی توانائیوں کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دیجیے۔ یہ انداز فکر سنہری حیات کے لیے بدنما داغ ہے اور چمکتی پیشانی پر سیاہ

دھبہ ہے۔ایسا ہی حسن وجمال بھی کس کام کے جن میں ملاحت نہ ہو، جس جذبۂ واقعی کا میں نے ذکر کیا ہے اس کی قدر کریں، اعتراف کریں، ورنہ پوری عمر کف افسوس ملنا پڑے گا۔ پروردگار عالم ایسے بگڑے ہوئے نوابوں کو سلیقۂ زندگی اور شعور حیات عطا فرمائے، آمین بجاہ سیدالمرسلین۔

☆☆☆

باب نهم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
بحیثیت مجدد قادریت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بحیثیت مجدد قادریت

تمام علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "امام احمد رضا فاضل بریلوی" دین و ملت کے مجدد اور ماہِ کامل تھے ان کے فکروفن، شعوروادراک، اور تجدیدی کارناموں کی روشنی محدود نہ تھی اور نہ ہی کسی ایک زاویہ پر مرکوز تھی بلکہ اس روشنی میں کافی وسعت تھی بے پناہ گہرائی تھی دین کے تمام زاویے اس روشنی سے منور تھے اور ملت کے تمام پہلوؤں میں اس کا جلوۂ رنگیں پایا جاتا تھا حقیقت یہ ہے کہ دین وملت کے ظاہر بھی اس سے سنورے ہوئے تھے اور اس کے باطن بھی۔۔اذہان بھی اجالوں میں نہائے ہوئے تھے اور قلوب بھی بوئے عرفاں سے مشکبار تھے۔یہ کوئی افسانوی طرزبیاں نہیں بلکہ اس کا تعلق زمینی حقائق سے ہے۔اس لئے اسے ماننے میں کسی کوتر دد نہیں ہونا چاہئے۔میں اس کی بات نہیں کررہاہوں جو امام احمد رضا سے بغض وعناد رکھتے

ہیں کہ انہیں نہ ماننا ہے اور نہ ہی مانیں گے۔ہاں جو انصاف پسند افراد ہیں انہیں یہ تسلیم کرنا بہر حال ضروری ہے کہ امام احمد رضا جب مجدد دین وملت ہیں تو ان کے تجدیدی کارناموں کا جہاں ایک سرا شریعت سے ملتا ہے وہیں اس کا دوسرا سرا طریقت سے بھی ملتا ہے۔اگر آپ شریعت کے مجدد ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آپ سلوک وطریقت کے بھی امام ومجدد ہیں کہ شریعت و طریقت دونوں لازم وملزوم ہیں۔اسی لزومی کیفیت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے جہاں آپ نے شریعت پر حملہ آوروں کو دنداں شکن جوابات دیئے وہیں آپ نے منکرین طریقت کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائی اور انکی ہر تنقید کا کرارا جواب دیا۔آج بھی ہمارے حاشیہ خیال میں ان افراد کی تصاویر موجود ہیں جنہوں نے نہ صرف تصوف پر اعتراض کیا بلکہ فن تصوف کے روح رواں تقدس مآب شخصیتوں کو بھی مجروح کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔بھلا اس موقعہ پر میرے اعلیحضرت کیسے خاموش رہتے؟مجدد کا کام خاموش رہنا نہیں بلکہ اس کا کام دفاع و اصلاح ہے اور بیجا تنقید کرنے والوں کو مسکت جواب دینا ہے خواہ یہ تنقید شریعت پر کی جائے یا طریقت پر سماج پر کی جائے یا معاشرہ پر۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجدد ہونے کی حیثیت سے،آپ کے پاس علم بھی تھا اور فن بھی۔فکرونظر بھی تھی اور شعور وادراک بھی۔علم ظاہر بھی تھا اور علم باطن بھی،شریعت کے اسرار سے بھی واقف تھے اور رموز طریقت سے بھی۔انہیں تمام امور کے سبب امام احمد رضا کا قلب صاف شفاف تھا مصفّٰی اور مزکّی تھا یعنی آپ کا دل زنگ آلودنہ تھا امام احمد رضا کا صاف وشفاف دل ایک زاویہ تھا جسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس زاویہ کے بعد اب ایک دوسرا زاویہ بیان کیا جارہا ہے اس زاویہ کی تعمیر وتشکیل میں کسی اور کا دخل نہ تھا اگر کسی کا دخل تھا تو وہ آپ کے والدگرامی امام المتکلمین حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا تھا یہ زاویہ بھی مبارک زاویہ تھا جو باعث رشک جناں تھا امام احمد رضا نے خود اسے بیان فرمایا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

''ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا،گیارہ درجہ تک تو ہم نے

پہونچا دیا آگے اللہ مالک ہے، میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالی عنہ کی غلامی مراد ہے۔، (الملفوظ حصہ سوم)

اس خواب کو پیش نظر رکھتے ہوئے "مولانا بدرالدین علیہ الرحمۃ" بڑا اچھا تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے برگزیدہ بندہ احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایتِ کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے اعلیٰ حضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے مظہر بھی ہیں۔ آپ نے جس شان سے احیائے دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے کہ یقیناً آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم شہنشاہ بغدادی کی تجلی گاہ تھی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت)

الملفوظ کی عبارت اور مولانا بدرالدین صاحب کا تبصرہ اپنی نگاہ میں رکھئے اور غور کیجیے یقینی طور پر آپ بھی یہی کہیں گے کہ گیارہویں درجہ تک رسائی سے مراد صرف اور صرف سرکار غوثیت کی غلامی ہی ہوسکتی ہے اور اس غلامی کے حصول میں آپ کے والد گرامی مولانا نقی خاں علیہ الرحمہ کی کوشش زیادہ تھی اور خود والد گرامی بھی اسی منزل پر فائز تھے۔ ذرا سوچیے جو خود اس منزل پر فائز نہ ہو وہ کسی کو اس منزل پر کس طرح فائز کرسکتا ہے؟ یہی وہ منزل ہے جس پر فائز ہونے سے سرکار غوثیت کے انوار وتجلیات کی بارش ہونے لگی اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت تجلیوں میں نکھرنے لگی۔ سرکار غوثیت نے اپنے اس غلام کو کیا دیا؟ کتنا دیا؟ یہ کون بتا سکتا ہے؟ لفظوں میں اتنی طاقت وتوانائی کہاں؟ جو اس کا احاطہ کرسکے اور کسی کو یہ بتا سکے کہ یہ دیا یا وہ دیا الفاظ اگرچہ معانی وخیالات اور جذبات کے حامل ہوتے ہیں مگر غلام مولیٰ کے مابین جو فرط شوق اور ازدیاد اشتیاق ہوتا ہے لفظوں میں اتنی توانائی کہاں؟ جو اسے کشید کرکے خود میں جذب کرسکے ہاں صرف یہ بتایا جاسکتا ہے کہ سرکار غوث کا فضل یہاں بھی تھا کہ حضرت سید آل رسول

علیہ الرحمۃ کو کہیں نہ کہیں سے اس بات کا حکم تھا کہ وہ امام احمد رضا کو "سلسلہ عالیہ قادریہ" میں داخل کریں اور امام احمد رضا کو اسی سلسلہ سے منسلک ہونے کا حکم ملا تھا ظاہر ہے یہ حکم کہیں اور سے نہیں تھا بلکہ سرکار غوثیت مآب سے تھا کہ میرا امام انہیں کا سچا غلام اور عاشق صادق تھا اسی حکم کا کرشمہ تھا کہ انداز بیعت حسیں ہوتا چلا گیا

کس قدر حسیں انداز تھا بیعت کا؟

یہ تو سب کو معلوم تھا کہ آنے والا کوئی عام طالب نہ تھا بلکہ وہ بھیجا ہوا طالب تھا اور علم وفن ،فکروشعور کا جبل راسخ تھا ،تحقیق وتدقیق کے میدان کا بہترین شہسوار تھا ،اصابتِ رائے کا زبردست دھنی تھا ،اور ہر طرح کی فکری خطاؤں سے پاک وصاف تھا ،اس پر مزید یہ کہ سرکار غوثیت کا خاص غلام تھا ،اور ولایت کے گیارہ درجے تک رسائی حاصل کر چکا تھا ،جیسا آنے والا تھا اسی کے مطابق بیعت کا نرالا انداز تھا یہ کس قدر حسیں انداز تھا؟ کہ آج بھی اس کے تصور سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور بھر جاتا ہے اور دیدۂ حیرت کھلی کی کھلی رہ جاتی ہے اور ہر دماغ کچھ نہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔یادگار رضا کا یہ اقتباس پڑھیئے :

"حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خاں کو ریاضت ومجاہدہ کرائے بغیر بیعت بھی کیا اور خلافت واجازت سے بھی نوازا یہ عنایت ونوازش کسی اور خانقاہ میں اہمیت نہ رکھتی ہو مگر خانقاہ برکاتیہ ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں اسے زبردست اہمیت حاصل ہے اور اس کا افادی پہلو اس قدر روشن وتابناک ہے کہ کوئی بھی دانشور اسے نظر انداز نہیں کرسکتا ہے یہی وجہ ہے حضرت سیدنا شاہ آل رسول کے ولی عہد پوتے اور خلیفہ بے نظیر سیدنا شاہ ابوالحسین نوری نے عرض کیا ۔حضور: آپ کے یہاں بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد ہی خلافت دی جاتی ہے ۔؟ سید شاہ آل رسول نے ارشاد فرمایا ۔اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں مصفی ،مزکی قلب لے کر آئے تھے انہیں ریاضت مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ انہیں تو بس اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگئی ۔۔ (سالنامہ یادگارِ رضا)

عنایتوں کی برسات

حضور شاہ آل رسول کے ارشاد گرامی سے حضور نوری میاں کو جواب مل گیا اور انہیں اس سے پوری طمانیت بھی حاصل ہوگئی کیونکہ آپ اس کے راہ ورسم سے پوری آگاہی رکھتے تھے اس کے باوجود خانقاہ برکاتیہ میں ایسے افراد بھی ضرور ہونگے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات بھی ضرور ہونگے اور وہ ان کے ازالہ کے لئے مزید وضاحت چاہ رہے ہوں انہوں نے اگرچہ اپنی زبان سے کچھ نہ کہا ہو مگر میرے اعلیٰ حضرت کے مرشد گرامی زبان حال سے واقف تھے اور بغیر بتائے بھی دلوں کی بات جان لیتے تھے اسی لئے مرشد گرامی نے اپنی توجہ خاص سے اعلیٰ حضرت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا:

حضور اچھے میاں کا مبارک حجرہ ہے جس میں ایک چوکی بچھی ہوئی ہے اس چوکی پر خود حضور شاہ آل رسول جلوہ فرما ہوئے اور اپنے روبرو اپنے مرید خاص احمد رضا کو بٹھالیا اور پھر ان پر ایک نگاہ التفات ڈال دی اس نگاہ التفات کا پڑنا تھا کہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت اپنے پیر ومرشد کے رنگ میں اس طرح رنگ گئے کہ دونوں میں یکسانیت پیدا ہوگئی اور حجرہ سے دونوں باہر تشریف لائے تو مریدین ومتوسلین حیرت میں پڑ گئے کہ وہ سب کے سب پہچان نہ سکے کہ ان میں پیر ومرشد کون ہے؟ اور احمد رضا کون ہے؟ ہاں فرق تھا تو صرف اس بات میں کہ ایک کی ریش مبارک سفید تھی اور دوسرے کی کالی تھی۔۔۔ اس مثالی توجہ سے سارے شکوک دور ہوگئے اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوگئے بس یہی مقصد تھا اس مثالی توجہ کا۔۔۔

بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے اس سے آگے مرشد گرامی فرماتے ہیں:

"مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحکمین نے سوال فرمایا: کہ اے آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کرونگا؟ مگر خدا کا شکر ہے وہ فکر دور ہوگئی اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردونگا"

حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی" کو "چشم وچراغ خاندانِ برکات" فرمایا۔۔

عنایتوں کی یہ برسات بہت زیادہ چشم کشا ہے اور اس سے بہت سے "رازہائے سر بستہ" کھلتے نظر آرہے ہیں مگر اس کے لئے بصیرت کی آنکھیں چاہئیے ذیل میں کچھ سربستہ راز پیش کئے جارہے ہیں:

الف ۔۔۔مثالی توجہ سے امام احمد رضا کی انفرادیت ثابت ہوتی ہے کہ مارہرہ شریف میں کم ازکم حضور سید شاہ آل رسول کے عہدِ خلافت میں کوئی امام احمد رضا جیسا طالب نہیں آیا تھا کاش اگر اس طرح کا کوئی طالب آیا ہوتا تو حضور نوری میاں یا پھر خانقاہ برکاتیہ میں موجود مریدین کو کسی طرح کی حیرت میں مبتلا نہ ہوتے اور حضور آل رسول نے عملی طور پر مثالی توجہ فرما کر اس نظریہ کی توثیق فرمادی۔

ب ۔۔مثالی توجہ میں اس بات کا اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضور آل رسول نے اپنے مرید خاص کو جو دینا چاہا وہ دیا اور جو عطا کرنا چاہا وہ عطا کیا اس میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں کہ مرشد نے کیا دیا اور کتنا دیا بلکہ صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ ان کو وہ سب دیدیا جو وہ دے سکتے تھے اور امام احمد رضا نے وہ سب کچھ لے لیا جو لے سکتے تھے مثالی توجہ کا یہ واقعہ سرزمین مارہرہ میں پہلی بار رواقع ہوا تھا اگر یہ نہ مانا جائے تو پھر اس بات کے ماننے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ حضور سید شاہ آل رسول کے عہدِ خلافت میں یہ واقعہ یقیناً پہلی بار رواقع ہوا تھا اس کی وجہ یہ کہ اگر اس سے پہلے کوئی اور واقعہ واقع ہوا ہوتا تو حضرت نوری میاں یا دوسرے مریدین ومتوسلین کو اس واقعہ پر کسی طرح کی کوئی حیرت نہ ہوتی لہٰذا اس واقعہ پر حیرت کا اظہار کرنا اس واقعہ کی انفرادیت کو ثابت کررہا ہے۔۔۔

ج ۔۔۔مثالی توجہ میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ مرشد گرامی نے اپنے مرید خاص احمد رضا کو ان کی قلبی کیفیت کے مطابق جام قادریت پلا کر سرشار کردیا اور اس کے فروغ وارتقاء کی ذمہ داری بھی ان کے کاندھے پر ڈالدی اور "مجدد قادریت" کا جامہ بھی زیب تن کردیا حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ جامہ انہیں کو زیب دیتا ہے۔۔۔

د ۔۔۔حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو "چشم و

چراغ'' خاندان برکات فرمایا جو بہت زیادہ پر معنیٰ ہے اس میں زبردست گہرائیاں ہیں اور بے پناہ وسعتیں ہیں جو صرف دیدۂ بینا کو نظر آتی ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں اس کا استعمال کن کن معنوں میں ہوتا ہے؟ اس کا استعمال دو طریقے سے ہوتا ہے حقیقی اور مجازی:

چشم وچراغ کا حقیقی معنیٰ۔ آنکھوں کی روشنی اگر حضور نوری میاں کے ارشاد میں اس سے حقیقی معنی مراد لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہو کہ اس ''ترکیب'' سے........

حضرت نوری میاں اپنے خاندان والوں سے یہ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں کہ ''احمد رضا'' خاندان برکات کی مبارک آنکھوں کی روشنی ہیں لہذا جس کی طرف دیکھو تو ''احمد رضا'' کی روشنی میں دیکھو جو ان کا ہے وہ تمہارا ہے اور جو ان کا نہیں ہے وہ تمہارا نہیں ہے۔ اسی تناظر میں شہزادگان مارہرہ نے دیکھنے کی کوشش کی اور حضور احسن العلماء نے یہاں تک فرمایا کہ ''احمد رضا'' کی محبت ہمیں گھٹی میں پلائی گئی ہے۔ میں دشمنان احمد رضا سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔ اور اگر ''چشم وچراغ سے اس کا معنی مجازی مراد لیا جائے یعنی بہت ہی عزیز، اور آنکھوں کی ٹھنڈک تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ یقینی طور پر میرے اعلیٰ حضرت بزرگان مارہرہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے اور یہاں کے شہزادگان ان کے اوپر اپنے دل وجاں نثار کرتے تھے۔ اپنی مجلسوں میں صرف انہیں کا تذکرہ کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی اپنے سرکاروں کا تذکرہ بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کے

کہا جاتا ہے بزرگوں کی باتوں پر عمل کرنے ہی میں فائدہ ہے اور اسی میں دین ودنیا کی سلامتی ہے اس سے سرمو انحراف خطروں کا سگنل ہے۔ آج ہم اس لئے پریشان ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے اقوال کو پس پشت ڈال دیا ہے جو ہمارے لئے رہنما خطوط کی حیثیت رکھتے تھے اور جن پر اپنے قلب وجاں قربان کرنے سے آب حیات نصیب ہوتا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے ایک ''نسخہ کیمیا'' عطا کیا تھا جو مسلک اعلیٰ حضرت کی صورت میں کل بھی تھا اور آج

بھی ہے۔ جب تک ہم اس مسلک سے جڑے رہے، ہم میں اتحاد رہا، اتفاق رہا اور ایک دوسرے کے گلے کے ہار بن کر رہے۔ اس مسلک پر حملہ کو ہم لوگوں نے اپنی تہذیب اور اپنے کاز پر حملہ تصور کیا اور پھر اسی انداز میں اسکا دفاع بھی کیا۔ مگر آج اس کا معاملہ قطعی برعکس ہے افراد پروقار نے اس "نسخہ کیمیا" سے انحراف اختیار کرلیا ہے اور..... اعلیٰ حضرت کی اصطلاح کا سرے سے انکار کردیا یہ اقدام نہ صرف غلط ہے بلکہ مسلک اور ملت دونوں کے لئے زبردست نقصان دہ بھی ہے۔ اس نقصان دہ پہلو کو نظر انداز کر کے ہمارے بعض ذمہ داروں نے بنام اہلسنت اتحاد کی اپیل کی جب کہ ایک دانشور کی نگاہ میں یہ اپیل خوبصورت اور خوشگوار ہی سہی مگر اس کی خوش گواری میں جو تعفن اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دے رہا ہے نہ اصاغر اور نہ ہی اکابر، حد تو یہ ہے کہ اس طرف وہ بھی توجہ مبذول نہیں کر رہے ہیں جو تہذیب و تمدن اور سماج و معاشرہ کی اصلاح اور اس کے تقاضوں کا ذخیرہ لئے بیٹھے ہیں ---

س --- حضور نوری میاں علیہ الرحمہ نے سرکار اعلیٰ حضرت کو "چشم و چراغ" کہہ کر قوم وملت کو اس کے پسِ پردہ یہ پیغام دے دیا کہ امام احمد رضا نہ صرف خاندان برکات کی ضرورت کا نام ہے بلکہ پوری قوم اور پوری ملت کی ضرورت کا نام ہے کہ اس پیغام کو صرف خاندان تک محدود رکھنا اس کی عالمی معنویت کو کھو دینے کے مترادف ہے۔ میں یا کوئی بھی دانشور اس کی عالمی معنویت کو کھو دینے پر کسی صورت میں تیار نہ ہوگا، واہ یہ کس قدر اچھا اور نرالا پیغام ہے کہ اس ضرورت کے تحت ہی کسی کو اعتباریت کی سند مل سکتی ہے جو یہاں نہیں تو وہ کہیں نہیں کہ یہ ضرورت کہیں محدود نہیں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ کہ یہ ضرورت خشک یا منجمد نہیں ہے بلکہ ایسے اصول و نظریات پر قائم ہے جو فطری ارتقاؤں پر آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اوج ثریا کی بلندیوں کو چھونے کا عزم و حوصلہ رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں جہاں یہ ضرورت ہوگی وہیں اعتباریت بھی ہوگی کیونکہ......

گوہر کان زکان ما باشد

وان ہم اندر دُکان باشد

کہ معدنی کو ہر بھی ہماری کان یعنی ضرورت سے معتبر ہوتا ہے کہ وہاں بھی ہماری ہی دکان ہے۔ گویا اس پیغام کا خلاصہ یہ ہوا کہ قادریت، سہروردیت، نقشبندیت، اشرفیت، برکاتیت جبھی معتبر ہوگی جب اس پر مسلک اعلیٰ حضرت کی مہر لگ جائیگی۔ اس لئے میں کہتا ہوں اس وقت ہندوستان میں جس قدر بھی خانقاہیں ہیں ان کی تعلیمات وارشادات میں اماماحمد رضا کی تعلیمات کا حسن امتزاج بالیقیں پایا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس بات کا اعتراف اپنی زبان سے نہ کریں مگر حقیقتِ حال اس بات کی شہادت ضرور دیر ہی ہے۔۔

بہر حال مارہرہ مقدسہ کی عنایتوں نے امام احمد رضا کی شخصیت کو انمول اور نادر و نایاب بنادیا اور اسے کہیں سے کہیں تک پہونچا دیا۔ اس بات کا اعتراف خود خاندان برکات کے شہزادوں نے کیا اور برابر کرتے رہے ہیں حضرت نظمی میاں فرماتے ہیں:

حضرت آل رسول پاک کے فیضان سے
نوجواں احمد رضا اعلیٰحضرت بن گیا

حضرت نوری میاں نے جس امید ویقیں کے ساتھ اعلیٰ حضرت کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کہا اعلیٰ حضرت نے تا زندگی اسے نبھانے کی کوشش کی اور ان کے شہزادگان نے بھی اس امید پر کھرے اترنے کی پوری پوری کوشش کی اس سلسلے میں دقیقہ بھر بھی فروگزاشت سے کام نہ لیا۔۔

اعلیٰ حضرت اور ان کے شہزادوں نے قادریت کے فروغ وارتقا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آج جو ہندوستان میں ہر طرف قادریت کے جلوے اور اس کی توانائیاں پائی جاتی ہیں ان میں ان کی کوششوں کے اثرات ضرور دکھائی دیتے ہیں۔ کسی بھی تحریک کے فروغ ارتقاء میں درج ذیل پہلوؤں کا خاص طور سے پاس ولحاظ ضرور رکھا جاتا ہے۔

الف ۔۔ علم تصوف

ب ۔۔ قادریت کی افادیت

ج ۔۔ مشائخ سلسلہ کی عظمت

د۔ عملی طور پر کوششیں

الف۔ علم تصوف

تصوف ایک علم اور فن ہے کہ اس کا بھی ایک موضوع ہے، غرض و غایت ہے اور اس کے بھی مسائل ہیں جہاں تک تصوف کی تشریح کی بات ہے اس کے تعلق سے مقدمہ سلک السلوک میں بڑے پتے کی بات کہی گئی ہے۔

''تصوف کیا ہے؟ اس تعلق سے ہمارے اکابر کے مختلف اقوال ہیں جو ہزار سے بھی زائد ہیں اس مختصر سے مضمون میں ان کا احاطہ اور پھر اس کا خلاصہ بیان کرنا وقت طلب معاملہ ہے۔ بس صرف اس قدر سمجھ لیجیے کہ تصوف ایک معنوی صفت و کمال کا نام ہے جو حیات کے مختلف پہلوؤں سے مترشح ہوتا ہے خواہ ان پہلوؤں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد، دنیوی معاملات سے ہو یا دینی معاملات سے ہو، وہ شعوری پہلو ہو یا غیر شعوری ہو۔ تصوف ایک ایسا خاموش انقلاب ہے جو زندگی کے خاموش سمندر اور پاتال میں ابھرتا ہے اور رفتہ رفتہ ہر طرف پھیل جاتا ہے،،

(مقدمہ سلک السلوک)

مقدمہ سلک السلوک کی نقل کردہ عبارت کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''تصوف'' زندگی کے کسی ایک شعبہ سے تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کے دائرہ میں زندگی کے تمام شعبہ جات آتے ہیں اس علم تصوف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو کام انجام دیا جائے وہ خلوص و للہیت پر مبنی ہو اور اس میں رضائے مولیٰ شامل ہو خواہ دنیاوی امور انجام دیئے جائیں یا پھر دینی اُخروی امور۔۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تصوف کو اسی نظریئے سے دیکھا ہے اور اسے برتا بھی ہے۔ آپ نے اسے ایک فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ اسے ایک تحریک کے روپ میں فروغ دیا ہے۔ امام احمد رضا کی یہ تحریک کوئی عام تحریک نہ تھی بلکہ جمالیاتی تحریک تھی اس تحریک کے ذریعہ آپ انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے تھے اور زندگی کے تمام زاویوں میں رضائے مولیٰ تعالیٰ کا رنگ لانا چاہتے تھے اور پوری قوم و ملت کو یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ تصوف صحراؤں، ویرانوں اور غیر آباد مقامات میں آشیانہ بنانے کا نام نہیں ہے اور

نہ ہی کسی غار میں عزلت نشینی کا نام ہے۔ جو لوگ اس طرح کی سوچ رکھتے ہیں انہیں اپنی سوچ پر لگام لگانی چاہیے اور انصاف سے کام لینا چاہیے ایسی ہی سوچ رکھنے والے شریعت اور اس کے تقاضوں کو نظر انداز کر ڈالتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ طریقت کی منزل پر فائز ہونے کے بعد شریعت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے التزام سے کسی کو چھٹکارا نہیں ملتا خواہ وہ کسی اعلیٰ پیمانہ کا صوفی کیوں نہ بنجائے بہت سے ایسے بھی صوفی پائے گئے ہیں جو نہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں بلکہ کھلے عام شریعت کے خلاف چلتے ہیں۔ کیا ایسوں کو صوفی کہا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میرے اعلیٰ حضرت نے اس طرح کے نظریہ وعمل کی زبردست مخالفت کی ہے اور اپنی صوفی تحریک میں شریعت اسلامیہ کے التزام کو ضروری قرار دیا ہے۔ جو صاحب نظر ہیں اس بات سے بخوبی واقف ہیں اور صوفی تحریک کی حقیقت کو جانتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں کہ اس تحریک کے علاوہ کوئی بھی تحریک دانشوروں کے یہاں لائق توجہ نہیں۔ تصوف کو تحریک کی صورت میں اپنانے کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں۔

اولاً۔۔۔ یہ کہ یہ سائنسی کرشموں کا دور ہے سماج ومعاشرہ کے بھی افراد اپنی اپنی دنیا میں مست ہیں اور اس میں شدید انہماک کے سبب دین ومذہب کے جمالیات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے معاملہ صرف اسی توجہ دینے تک محدود ہوتا تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا مگر معاملہ اس قدر پیچیدہ ہو چکا ہے لوگ صوفیوں کو بری نظر سے دیکھنے لگے اور اسکی تعلیمات کو ہلکا تصور کرنے لگے اس میں قصور سائنسی کرشموں کا تھا کہ اس کے پاس وقت کی کمی تھی مگر اس کا الزام کس کے سر آیا؟ صوفیوں کے سر۔۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسے تحریک کی صورت میں پیش کر کے ان کے قلب دماغ میں اس کے اثرات مرتب کرنے کی کوشش کی تا کہ عوام وخواص اس کی جمالیات کا احساس کر سکیں اور سائنسی گھروندے سے باہر نکلنے کی کوشش کر سکیں۔ اور حقائق وبصائر کی تہہ تک جانے میں اپنی قوت صرف کر سکیں

ثانیاً۔۔۔ اس دور میں جو اپنے آپ کو صوفی کہہ رہے ہیں وہ بھی کوئی دودھ کے دھلے نہیں۔ انمیں بھی ہزاروں عیوب ہیں اور ان کی زندگی پورے طور پر گناہوں میں ملوث نظر آتی

ہے۔ جھوٹے صوفیوں کی ایک ایسی جماعت کا پردہ فاش ہوا ہے جن کے یہاں ہر طرح کی بازیاں پائی جاتی رہی ہیں یعنی بٹیر بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی، اس کے آگے اور میں نہیں بتا سکتا کہ اور کون کون سی بازی پائی جاتی ہے۔ بہر حال جاہل اور بے پڑھے لکھے صوفیوں اور پیروں نے سماج و معاشرہ کا بیڑا غرق کر رکھا ہے اور عوام کے ذہنوں کو اپنے جال میں اس طرح پھنسا رکھا ہے کے انہیں اپنی حصار سے باہر نکلنے نہیں دے رہا ہے۔ بس اسی بیجا افراط نے معاملہ کو اس طرح الجھا دیا ہے کہ ان جھوٹوں کے چکر میں اچھے انساں بھی بدنام ہو رہے ہیں اور انہیں بھی کافی پریشانیاں اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ اس طرح کے برے خیالات انہیں کے ہو سکتے ہیں جنہیں تصوف سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ انہیں تمام خیالات کے پسِ منظر امام احمد رضا نے تصوف کو جمالیاتی تحریک کی صورت میں پیش کیا اور اسکے فروغ و ارتقاء میں زبردست کوشش کی تا کہ تصوف مدو جزر کی صورت میں کسی کو متاثر نہ کرے بلکہ زیرِ آب خراماں خراماں روی کی صورت میں انسانی قلب و دماغ پر رفتہ رفتہ اپنے اثرات مرتب کرتا چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کو اپنی اس تحریک کا ایک اہم حصہ قرار دیا ۔۔ ثالثاً ۔۔ تصوف کے نہایت ہی خوشگوار اثرات ہوتے ہیں اور اس تعلیم کے سایہ میں آنے کے بعد کوئی بھی انسان اپنے آپ میں تغیرات کو محسوس کرتا ہے۔ اس تعلق سے تاریخی حقائق موجود ہیں اور بہت سے افراد ان حقیقتوں کے ... کے تصاویر بھی نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی انصاف و دیانت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان تصاویر کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں امام احمد رضا خود اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں ان کی سوانح حیات کا گہرائی سے مطالعہ کریں آپ خود ہی اس بات کا اعتراف کر لیں گے کہ تصوف کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟ اور مرشد کی نظر میں کیا تاثیر ہوتی ہے؟ یہ وہ تابانیاں ہیں جو بے حجاب ہوتی ہیں یہ وہ جلوے ہیں جو نیر درخشاں کی مانند روشن ہوتی ہیں اور سبھی افراد کو دعوت نظارہ دیتی ہیں مگر ہائے افسوس کہ اب آنکھوں میں وہ جلوہ سامانیاں نہیں جو اس کا نظارہ کر سکے اور ان تابانیوں کو اپنے دلوں میں اتار سکے۔ ایسا صرف اس لئے ہوا کہ سائنسی ملمع سازیوں نے ہماری نگاہ کے زاویوں کو بگاڑ دیا ہے اور

جھوٹے صوفیوں اور جاہل پیروں کی طلسماتی دنیا نے ہمارے دلوں میں سچے اور علم داں صوفیوں کے تعلق سے نفرتیں اور کدورتیں بھر دی ہیں۔

رابعاً۔۔۔ ماڈرن اسلام کے دلدادگان بھی دودھ کے دھلے نہیں کہ انہوں نے اسی دنیا میں ایک ہوشربا قیامت برپا کر رکھی ہے۔ایک طرف امام احمد رضا فاضل بریلوی نے صوفی جمالیاتی تحریک کے ذریعہ عوام وخواص کے دلوں میں خلوص و وفا اور عشق ومحبت کے جذبات بیدار کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف ان افراد نے اسی تحریک کو دبانے، اس کے پروں کو کترنے میں کسی طرح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا۔ بلکہ اب رفتہ رفتہ یہ کوشش کی جارہی ہے اس جمالیاتی تحریک کے اثرات کم کر دیئے جائیں اور اس کی چمکتی پیشانی بدنما کر دی جائے۔اس میں وہ خانقاہیں بھی گلے گلے شریک ہیں جن کی اصلاح میں امام احمد رضا نے مکمل کوشش کی تھی اس دور میں اسلاف بیزاری کی گرم ہوائیں چل رہی ہیں اور فضاؤں میں کچھ اسی طرح کے تکدرات پیدا کیے جارہے ہیں، ایسے ماحول میں ضرورت ہے کہ اس جمالیاتی تحریک کی افادیت اور اس کی پائیدار معنویت اجاگر کی جائے تاکہ ہمارے افراد اسلاف بیزاری کے جراثیم سے محفوظ رہ سکیں اور خانقاہوں کا تقدس اپنی معنویت نہ کھوسکے اسی مقصد کے پیش نظر یہ مضمون آپ کے حوالہ ہے اب دیکھنا یہ ہے اس کے تعلق سے ہمارا ذوق جمال کیا فیصلہ لیتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

امام احمد رضا نے صوفی ازم کی جو جمالیاتی تحریک شروع کی اسکی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

☆اس تحریک کا تعلق کسی ایک طبقہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امام احمد رضا سکے توسط سے عوام کی اصلاح بھی کرنا چاہتے تھے اور علماء کرام کی اصلاح بھی ان کا مقصد تھا۔

☆ اس تحریک میں شریعت پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں جو پیر یا صوفی شریعت کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ شیاطین کا مسخرہ ہوتا ہے ایسے پیروں، صوفیوں سے دوری بنائے رکھنا ضروری ہے۔ ☆اس تحریک کا روئے سخن ان افراد کی طرف بھی ہے جو سرے سے تصوف کا انکار کرتے ہیں اور اس پر طعن وتشنیع کی زبان

دراز کرتے ہیں۔

☆امام احمد رضا نے اس تحریک کے ذریعہ ان خانقاہوں کی اصلاح کی کوشش فرمائی جہاں شریعت کے خلاف مراسم رائج تھے اور غلط طریقے سے صوفی ازم کو پیش کیا جارہا تھا میرے اس نظریہ کی تائید انکی تعلیمات وارشادات سے بخوبی ہوتی ہے۔ان کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھیے اس میں یہ نظریہ بہت زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے۔اس تحریک کے دوران جہاں فن تصوف کے مصطلحات اور مسائل کی توضیح کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں آپ نے اس پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور مخاطب کو پورے طور پر مطمئن کرنے کی آپ نے کوشش کی۔اس سلسلہ میں میں صرف ایک عبارت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

"اللہ اللہ، اہل اللہ کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک اعلیٰ نعمت ہے۔ان کی ذات پاک سے ہر مصیبت ٹلتی ہے اور ہر اڑی مشکل بآسانی بدلتی ہے۔سبحٰن اللہ انہیں نفوس قدسیہ طیبہ طاہرہ کے قدوم کی برکت سے عقدۂ لاینحل چٹکی بجاتے حل ہوتے ہیں جنہیں قیامت تک کبھی بھی ناخن تدبیر نہ کھول سکے۔جس سے کیسا ہی کوئی عقیل ومدبر ہو حیران رہ جائے، کچھ نہ بول سکے، جسے میزان عقل میں کوئی نہ تول سکے۔اللہ اکبر،ان کی صورت،ان کی سیرت،ان کی رفتار،ان کی گفتار،ان کی ہر روش،ان کی ہر ادا،ان کا ہر ہر کردار اسرار پروردگار عز مجدہ.......

کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے کہ یہ انفاس نفیسہ مظہر ذات علیہ وصفات قدسیہ ہوتے ہیں مگر بفحوائے،،کل شیء ھالک الا وجہہ،،اور،،کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام دوام کسی کے لئے نہیں،ہمیشہ نہ کوئی رہا ہے نہ رہے۔ہیشگی اللہ رب عزوجل کو ہے۔باقی جو موجود ہے،معدوم ہے اور ایک دن سب کو فنا ہے۔۔اسی لئے اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے انفاس قدسیہ کے حالات مبارکہ ومکاتیب طیبہ وملفوظات طاہرہ جمع فرمائے یا اس کا اذن دیا کہ ان کا نفع قیامت تک عام ہو جائے اور ہمیں مستفید محظوظ ہوں بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی فائدہ اٹھائیں اور پھر وہ بھی یوہیں اپنے اخلاف کے لئے پند ونصائح ووصایا تنبیہات واخلاص کے ذخیرہ،اذکار عشق ومحبت، مسائل شریعت و

طریقت کے مجموعہ معرفت وحقیقت کے گنجینہ کو اپنے پچھلوں کے لئے چھوڑ جائیں اور یہ سلسلہ یونہیں قیامت تک جاری رہے سچ ہے کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

یہ عبارت جو پیش کی گئی "الملفوظ" سے لی گئی ہے اس کا گہرائی سے مطالعہ اور دیکھیں کہ امام احمد رضا نے صوفی ازم کی جو تحریک شروع کی اس میں اس کے رہنما اصول بیان کئے گئے ہیں کہ:

☆اس تحریک کا سارا دارومدار ان بزرگ شخصیتوں پر ہے جو خود اپنے آپ میں انوار وتجلیات اور نکہتوں کا ذخیرہ تھیں۔ جنکی وجہ سے ہمارے یہ اسلاف سے خود بھی مہکتے تھے اور دوسروں کو بھی مہکا دیا کرتے تھے یہ سلسلہ کل بھی جاری تھا، آج بھی جاری ہے اور آئندہ کل بھی جاری رہے گا۔

☆موجودہ دور میں جو افراد ان عظیم شخصیتوں سے فیض یافتہ ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ خود بھی اپنے اسلاف کے نقوش قدم کی پیروی کریں تاکہ ان کی ذات سے فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری ہوسکے اور آئندہ آنے والی نسلیں ان سے مستفید ہوسکیں مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں

کہ موجودہ دور میں ہمارے جو بھی اکابر اور اصاغر ہیں ان میں اکثر اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کررہے ہیں اور نہ انکے مشن اور اصول ونظریات کی اشاعت میں کوشش کررہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج فیوض وبرکات کا سرچشمہ سوکھتا جارہا ہے اور اس کے سوتے خشک ہوتے جارہے ہیں۔ اگر یہ مسئلہ انفرادی طور پر انجام دیا جاتا تو صبر وتحمل سے کام لے لیا جاتا مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسے تحریک اور تنظیم کی صورت میں انجام دیا جارہا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لیا جارہا ہے تاکہ اس پر غور کریں اور اس کے تدارک کے لئے کوشش کریں تاکہ جماعت اہل سنت کا مطلع صاف ستھرا ہوجائے اور سیاہ بادل چھٹ سکے۔ ہماری جماعت میں ایک بہت بڑا عیب یہ بھی نمایاں ہوچکا ہے کہ ذمہ دار حضرات اپنے اسلاف کے فتاویٰ کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں اور

عوام میں یہ تصور دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ فتاوی صرف چھوٹوں کیلئے ہوتا ہے۔ بڑے لوگ اس سے آزاد ہوتے ہیں جہاں یہ سوچ پنپ رہی ہو تو ایسے لوگوں اور دور حاضر کے نام نہاد لیڈروں میں کیا فرق ہے؟ کہ قانون کے شکنجوں میں صرف وہی کسے جاتے ہیں جو چھوٹے ہوتے ہیں اور جن کا کوئی بیک گراونڈ نہیں ہوتا اور جو نیتا قسم کے ہوتے ہیں پولس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بیچارے شریف زادے ہی کالی کوٹھری میں جاتے ہیں اور یہ شب وروز اجالوں میں آشیانے بناتے ہیں اور پھر بڑے ٹھاٹھ سے خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہی زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے اسے پڑھئیے اور اندازہ لگائیے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام ۔۔ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی اس تحریک میں اس بات کا التزام رکھا کہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو انہیں اس بات کی قطعی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف چلے اور شرعی اصولوں سے انحراف اختیار کرے۔ اسی لئے امام احمد رضا نے اپنے دور کی خانقاہوں کی اصلاح کی کوشش فرمائی اور مروجہ قوالی اور سجدۂ تحیت کے خلاف فتاوے جاری فرمائے اور تمام ارباب خانقاہ کو یہ پیغام دیا کہ "احمد رضا" سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر شرعی اصولوں کی پامالی برداشت نہیں کرسکتا۔

☆اعلیٰ حضرت کی یہ تحریک شریعت وطریقت اور سلوک پر مبنی ہے یعنی یہ ان سب کا عطر مجموعہ ہے جس سے ایسی بھینی بھینی خوشبوئیں پھیلتی ہیں جو دل وجاں کو معطر کر جاتی ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ان کی تصنیفات سے واضح ہوتی ہیں۔

امام احمد رضا نے مارہرہ کی سرزمیں سے یہی تو لیا اور حضور آل رسول احمدی نے بھی یہی دیا اور اسی کے فروغ وارتقاء میں اپنی حیات کے قیمتی لمحات صرف کیے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی قربانی ضائع نہیں فرماتا ہے۔ انہیں انکی کوششوں کا ثمرہ ضرور ملتا ہے اور یہ ثمرہ اعلیٰ حضرت کو بھی ملا۔ اسی لئے آپ کے تذکرے ہر گھر میں ملتے ہیں اور ہر ایک کی زباں پر انہیں کی داستاں ہے جو قبولیت عامہ کی واضح دلیل ہے۔ سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

مجدد اسلام، مجدد قادریت، محقق بے بدل، مفکر اسلام، محدث بریلوی، عاشق رسول، مسلک اعلیٰ حضرت، ان سے محبت اہل حق کی پہچان، ان سے انحراف ضلالت کی واضح علامت، نیز ان کی تعلیمات میں روح عصر کا پایا جانا، یہ سب کے سب آداب اور القاب کیا ہیں انہیں ثمرات کے دوررس نتائج واثرات ہیں ان پر غور کیجیے اور پھر بتایئے۔

سلسلئہ قادریہ کا فروغ

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی پوری زندگی سلسلئہ قادریہ کے فروغ اور اس کے ارتقاء میں صرف کردی۔ صرف مریدوں کی کثرت اور متوسلین کی بہتات ہی سے اس کا فروغ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے طریقے اور بھی ہیں انہیں طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد ایسے اصولوں اور نظریات پر رکھی جائے جو پائیدار اور مضبوط ہو اور اسمیں آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی شدید ہو۔ تاکہ ارتقائی عمل کو بار بار مہمیز لگتا رہے اور وہ آگے بڑھتا رہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مریدوں کی تعداد اگرچہ کم تھی پھر بھی وہ اپنے آپ میں بہت ہی زیادہ تھی۔ میرے اس تخیل پر آپ حیرت کا اظہار نہ کریں کہ بڑے بڑے دانشوروں نے بھی اس طرح کا تخیل پیش کیا ہے جیسا کہ ایک شاعر نے اسی مضمون کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے وہ شاعر کہتا ہے۔

ان الکرام کثیر فی البلاد و ان
قلوا کما غیرھم قل وان کثروا

یعنی شریف لوگ شہروں میں زیادہ ہیں اگرچہ وہ کم دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرح غیر شریف کثرت کے باوجود کم دکھائی پڑتے ہیں۔ یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کے مریدوں کی یہی صورت تھی کہ وہ تعداد میں کم تھے مگر اسی کم نے اب سلسلئہ قادریہ میں کثرت پیدا کردی ہے اور ایسی کثرت پیدا کی کہ اب ان کی یقینی تعداد بھی معلوم کرنا مشکل دکھائی دیتا ہے کہ

یہ تعداد بحر ناپیدا کنار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس تیز گامی کے ساتھ یہ قادری سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلا اس تیزی کے ساتھ کسی بھی سلسلے کو فروغ نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ اس کی امید کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ تخیلات ہیں جو نفس الامری امور کی حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔

فروغ و ارتقاء کیا ہے؟

ارباب لغت نے ''فروغ'' کا معنیٰ ''فارغ ہونا، فرصت پانا، اور فراغت پانا لکھا ہے مگر ارباب ادب نے اسے ''بلندی، کمال اور ترقی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اسی مناسبت سے ''فروغ عشق'' بولا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی شئی کا اپنے نقطۂ کمال پر پہونچ جانا بھی فروغ ہے۔ یہاں بھی اس کا یہی معنی مراد لیا گیا ہے اسی معنی کے اعتبار سے یہ ارتقاء کے ساتھ بطور مرادف استعمال ہوتا ہے اور ارتقاء کا مطلب کسی چیز کا آہستہ روی کے ساتھ اپنی منزل تک پہونچ جانا مراد لیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فروغ و ارتقاء اسی کی صفت ہوتی ہے جس میں نمو کی قوت پائی جاتی ہے اور جہاں نمو کی صلاحیت نہ ہو یا پھر جو فطری طور پر انجمادی کیفیت سے متصف ہو وہ کس طرح فروغ و ارتقاء کی منزلیں طے کر سکتا ہے؟ انسان لاکھ کوشش کرے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں کہ اسے ترقی دینا جوئے شیر جاری کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہم ''اہلسنت'' کو جو بھی سلاسل نصیب ہوئے ان سے فیوض و برکات کل بھی جاری تھے، آج بھی جاری ہیں اور آئندہ کل بھی جاری رہیں گے۔ یہ وہ سرچشمے ہیں جہاں فیوض و برکات ابلتے ہیں، پیاسے آتے ہیں اور پی پی کر سیراب ہوتے ہیں اس لئے میں کہتا ہوں ان سلسلوں میں بڑھنے کی بھی صلاحیت ہے اور بڑھانے کی بھی۔ انہیں خود بھی طاقت و توانائی پائی جاتی ہے اور اوروں کو بھی نمو عطا کرتا ہے خواہ قادریت کا سلسلہ ہو یا نقشبندیت کا۔ چشتیت کا سلسلہ ہو یا سہروردیت کا یہ ہم اہل سنت کا نصیب ہے کہ ہمیں یہ سلسلے نصیب ہوئے۔ ہمارے علاوہ اور بھی مکاتیب فکر ہیں جو ان سلسلوں سے محروم ہیں۔ کیوں کہ انکے سلسلے سوختہ دکھائی دیتے ہیں یہی سبب ہے کہ ان کے چہرے مہرے سے مایوسی، حسرت اور ناکامی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل کی آنکھیں روشن نہیں اور نہ ہی

ان کے سینوں میں جذبات کے سچے موتی تیرتے ہیں۔ان کے برخلاف جن کے سینوں میں بزرگوں کے تئیں عقیدت ومحبت پائی جاتی ہے اور جن کے دل انوار وتجلیات سے روشن وتابناک ہیں ان کی شان ہی نرالی ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے ان کے چہروں سے نور وضیاء کی برکھا برس رہی ہے اور چاہنے والے ان کے جلوؤں سے سیراب ہورہے ہیں۔جن آنکھوں نے سرکار مفتی اعظمِ ہند علیہ الرحمہ کا جلوۂ زیبا دیکھا ہے ان سے پوچھیے کہ ان کا رنگ وروپ کیا تھا اور وہ کیسے نظر آتے تھے؟ دورحاضر میں بھی ایسی شخصیتیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں حضور قبلہ ازہری میاں کا چہرۂ زیبا بھی ایسا ہی ہے۔۔

امام احمد رضا کو کسی ایک سلسلے کی اجازت نہ تھی بلکہ حضور آل رسول احمدی نے بہت سے سلسلوں کی اجازت سے مشرف کیا تھا۔

الف۔۔سلسلہ عالیہ قادریہ آبائیہ قدیمیہ

ب۔۔سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدیہ

ج۔۔سلسلۂ عالیہ قادریہ اہدلیہ

د۔۔سلسلۂ عالیہ منوریہ

س۔۔سلسلۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ

ص۔۔سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ قدیمیہ

ع۔۔سلسلۂ عالیہ سہروردیہ قطبیہ

ف۔۔سلسلۂ قادریہ صدیقیہ نقشبندیہ علائیہ

ک۔۔سلسلۂ عالیہ بدیعیہ

ن۔۔سلسلۂ عالیہ منامیہ

مذکورہ تمام سلسلوں میں آپ کو جس سلسلے سے سب سے زیادہ محبت تھی اور سب سے زیادہ پیارتھا وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ جدیدیہ ہے۔آپ کے سلسلۂ پاک سے اسی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے اور آپ نے اسی سلسلہ کو فروغ دیا۔پوری زندگی اس کے ارتقاء میں صرف فرمادی۔ایسا نہیں

کہ صرف امام احمد رضا ہی سرکار غوثیت کے غلام تھے بلکہ ہندوستان میں بہت سے افراد غلام ہیں مگر ان غلاموں میں جو فوقیت اور مرتبہ آپ کو حاصل تھا کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی پوری توانائی قادریت کے ارتقاء میں صرف فرمادی۔ خود بھی اسیر زلف ہوئے اور اپنے انگ انگ کو بھی زلفوں کا اسیر بنا دیا۔ چونکہ امام احمد رضا کو سرکار غوثیت کی غلامی وراثت میں ملی تھی اور حضور سیدی آل رسول کی خصوصی توجہ نے اس پر مہمیز کا کام کیا۔ بس انہیں خوبیوں کو ''وجہ ترجیح'' کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ اب دیکھیے کہ امام احمد رضا نے اس کے لئے کیا کیا جتن کئے اور کس قدر کوششیں کیں؟

سلسلۂ قادریہ کا تعارف

اس کے نام ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ حضرتِ سیدنا غوثِ اعظم کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے اور اسی نام پاک کی برکت سے اسے ''قادری سلسلہ'' کہا جاتا ہے۔ نسبت بہت بڑی چیز ہوتی ہے کہ اسی نسبت کی بدولت ''مسجد'' کو شرف و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور اس سلسلہ کو بھی اسی نسبت کے سبب بلند رتبہ حاصل ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ

قادری سلسلہ ایک پر جوش سمندر ہے تو دوسرے سلسلے اس کی نہریں ہیں، یہ چاند ہے تو وہ ستارے ہیں، یہ شمع محفل ہے تو وہ پروانے ہیں۔ اور ظاہر ہے جو سمندر سے جا ملتا ہے اسے نہروں کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ البتہ جو نہروں سے جا ملتا ہے اسے ضرور نہروں کی ضرورت ہے امام احمد رضا نے بھی اپنی تحریر میں اسی نظریہ کی وضاحت فرمائی ہے ضلع ایٹہ کاٹھیا وارسے سید قائم علی قادری نے یہ سوال بھیجا کہ

مخدومی مطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہم قادریہ خاندان میں مرید ہوئے تھے۔ مگر چونکہ اب حضرات نقشبندیہ کے ایک بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبندیہ میں اب بیعت ہوتے جا رہے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔ مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے

ہم بھی اس خاندان میں کریں۔آپ نے اس کے جواب میں تحریر کیا۔

ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلیٰ وافضل ہے اور تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں۔حدیث میں ارشاد ہوا من رزق فی شیٔ فلیلزمہ یعنی جس کو جس چیز میں روزی ملے وہ اسی کو لازم پکڑ لے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جس سے فیض یاب ہے اسی سے لگا رہے... (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱)

اعلیٰ حضرت نے الملفوظ میں ارشاد فرمایا

''عرض۔۔زید محمد شیر پیلی بھیتی سے بیعت ہوا۔تھوڑا عرصہ ہوا ان کا وصال ہوگیا۔اب کسی اور کا مرید ہوسکتا ہے۔

ارشاد۔تبدیل بیعت بلا وجہ شرعی ممنوع ہے اور تجدید جائز بلکہ مستحب ہے۔سلسلہ عالیہ قادریہ میں نہ ہوا ہو اور اپنے شیخ سے بغیر انحراف کئے اس سلسلہ عالیہ میں بیعت کرے یہ تبدیل بیعت نہیں بلکہ تجدید ہے کہ جمیع سلاسل اس سلسلہ اعلیٰ کی طرف راجع ہیں۔(الملفوظ حصہ اول)

یہ دونوں پیش کردہ عبارتیں صرف سوال کا جواب یا عرض کا ارشاد نہیں ہیں بلکہ اس کا ایک پس منظر ہے، جس پر گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔وہ پس منظر یہ ہے کسی شئی کے تعلق سے ''توسیع'' کا مطلب یہ ہے کہ اس شئی کی جامعیت برقرار رہے۔اس میں کسی طرح کا کوئی دراڑ یا اضمحلال پیدا نہ ہو کہ جہاں اس طرح کا اضمحلال پیدا ہوتا ہے وہیں سے توسیع میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔اعلیٰ حضرت نے بھی سلسلہ قادریہ کی جامعیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی کہ کہیں کسی بھی زاویہ سے اس میں کوئی کمزوری لاحق نہ ہو۔اسی لئے آپ نے تنبیہ فرمائی کہ تجدید بیعت وہ کرے جو قادری سلسلہ میں بیعت نہ ہوا ہو۔اس کا مطلب یہ ہے دوسرے سلاسل میں منسلک ہونے والا ہی اپنے شیخ سے انحراف اختیار کئے بغیر قادری سلسلہ میں بیعت کرسکتا ہے۔مگر قادری سلسلہ میں بیعت ہونے والا کسی دوسرے سلسلہ کے کسی شیخ سے بیعت نہیں ہوسکتا ۔جامعیت کا فائدہ یہ کہ اس سلسلہ سے کوئی باہر نہ جائے اور دوسرے سلاسل کے افراد کو اس سلسلہ میں بطور تجدید آنے سے روکا نہ جائے۔کہ اسی کا نام توسیع ہے اور اعلیٰ حضرت اس توسیع کے زبر

دست علمبردار ہیں۔کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یہ وہ نفس الامری حقیقت ہے جو کسی کے ماننے کا محتاج نہیں۔کسی بھی سلسلہ کی توسیع میں اس کے تعارف کا بڑا دخل رہتا ہے اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اس بارے میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ "صاحب سلسلہ" کا تعارف بھی اس توسیع میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔کوئی بھی دانشور اسے نظر انداز نہیں کرسکتا ہے۔۔۔۔

صاحب سلسلہ کی قدر و منزلت

سلسلۂ قادریہ کے بانی حضرت سیدنا غوث اعظم ہیں۔آپ کی قدر و منزلت کا کیا کہنا؟ آپ اتنے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں کہ کوئی ولی اس مرتبہ تک نہ پہونچ سکا اور نہ ہی آئندہ پہونچ سکتا ہے۔اسی مضمون کو اعلیٰ حضرت نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

ان اشعار میں حضرت سیدنا غوث اعظم کی عظمت وفوقیت اس انداز میں پیش کی گئی کہ شاید ہی اس انداز اور نادر و نایاب اسلوب میں کوئی اور پیش کرسکے یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی ولی ان کے پاک تلوؤں کے مرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا ہے تو پھر سر اقدس کی بات کرنا ہی بیکار ہے۔ جس سلسلہ کا بانی اتنا عظیم ہو تو پھر اس سلسلہ کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قادری سلسلہ کی اس خوبی کا تذکرہ زبردست انداز میں کیا۔نثری اسلوب میں بھی اور شعری انداز میں بھی۔۔ارباب فکر و دانش اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ کسی کی عظمت و بزرگی بیان کرنے میں انسان کہیں افراط کا شکار ہوتا ہے اور کہیں تفریط اس کے نصیب میں آتی ہے جو انسان اس طرح کی لغزشوں سے دوچار ہوتا ہے اس سے نہ صرف ان کی باتیں ہی نظر انداز کے لائق ہوتی ہیں بلکہ ان کی شخصیت بھی مجروح ہو جاتی ہے یہ کمال اور خوبی تو صرف امام احمد رضا

میں پائی جاتی ہے کہ آپ نے بات بھی.... پوری کردی اور جیب وداماں بھی سلامت رہے ان کے برخلاف کچھ ایسے شاعر بھی ہیں جنہوں نے حد امکاں تک غوث اعظم کی فضیلت بیان کرنے کی کوشش تو کی مگر انہوں نے ایسا گنجلک اسلوب اختیار کیا کہ لوگ اس اسلوب پر معترض ہو گئے اس سلسلے میں ایک شعر آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے حضرت سیدنا غوث اعظم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

پوچھتے کیا ہو شہِ جیلاں کے فضائل آسی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

فضائل غوث پاک میں یہ شعر بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے اور بڑے بڑے خطباء اپنی تقریروں میں اسے پیش کرتے رہے ہیں مگر سرسری طور پر اس کا مطالعہ کرنے والا یقیناً شک وشبہ میں پڑ جائگا کیونکہ حضرت غوث پاک ہر فضیلت کے جامع نہیں کہ صحابی ہونا بھی ایک فضیلت ہے۔ اسی طرح تابعی ہونا بھی ایک فضیلت ہے اور ظاہر ہے غوث پاک ان دونوں فضیلتوں کے جامع نہیں ہیں۔ تو پھر ہم انہیں ہر فضیلت کے جامع کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ان کے اس شبہہ کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ جس نے بھی یہ اعتراض کیا ہے ہم پورے طور پر اس اعتراض کو غلط نہیں بتا سکتے ہیں۔ مگر جب ہم اس شعر کی گہرائی میں اترتے ہیں تو یہ شعر بے داغ دکھائی دیتا ہے اس میں کہیں سے کوئی خامی نظر نہیں آتی ہے اس کی اس خامی کا تدارک کس طرح کیا جائے؟ اس سلسلے میں کچھ باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

اولاً۔۔ فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے:

الف۔۔ فضیلت کی پہلی قسم یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بغیر کسی شرط سے مشروط کئے اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے اس نوع فضیلت کا فردِ کامل "نبوت" ہے ولایت، فردیت، غوثیت، قطبیت اور ابدالیت وغیرہ بھی اس کے افراد ہیں۔

ب۔۔ فضیلت کی دوسری قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی شرط سے مشروط کر کے عطا فرماتا ہے فضیلت کی اس قسم میں صحابیت آتی ہے جو زیارت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرط سے

مشروط ہے اور تابعیت بھی ایک فضیلت ہے جو دیدارِ صحابہ سے مشروط ہے

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر غور کریں کہ حضرت آسی علیہ الرحمۃ نے اپنے شعر میں ''ہر فضیلت'' سے فضیلت کی پہلی قسم مراد لی ہے۔ اس فضیلت کے مراد لینے پر قرینہ یہ ہے کہ اس سے ''نبوت'' کو مستثنیٰ رکھا ہے اس مقام پر نبوت کا استثناء اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ ہر فضیلت سے وہ فضیلت مراد لی جائے جس سے نبوت تعلق رکھتی ہے اور ظاہر ہے نبوت کا تعلق فضیلت کی پہلی قسم سے ہے۔ صحابیت اور تابعیت کا تعلق فضیلت کی دوسری قسم سے ہے۔ اس توضیح کے اعتبار سے صحابیت تابعیت ہر فضیلت میں شامل ہی نہیں۔ تو پھر اس کے ذریعہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟ کسی شعر کو سمجھنے کے لئے اس قدر لمبی تمہید ناکام ترسیل اور ناقص قدرت کلام پر دلالت کرتی ہے۔ مگر میرے امام نے اسی مضمون کو نہایت ہی اچھوتے انداز میں بیان فرما دیا جس سے آپ کی قدرت کلام نیر درخشاں کی مانند چمک دمک رہی ہے اسے

ملاحظہ فرمائیں اور آنکھوں میں اس کے جلوؤں کو بسائیں آپ فرماتے ہیں

الوہیت ہی احمد نے نہ پائی　　نبوت ہی سے تو عاطل ہے یاغوث
صحابیت ہوئی پھر تابعیت　　بس آگے قادری منزل ہے یاغوث

اس سے صاف نمایاں ہے کہ صحابیت اور تابعیت کے بعد قادری منزل ہے اور اس قادری منزل کی مناسبت سے آپ ہر قسم کے فضائل کے جامع تھے اور آپ میں ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں اگر چہ آپ تابعی نہ تھے اس کے باوجود آپ کی ذات وشخصیت ہزاروں تابعی سے فزوں تر تھی اور یہ فضیلت انفرادی فضیلت ہے۔ جہاں تک طبقہ تابعیت کی فضیلت کی بات ہے تو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ اس طبقہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اجمالی ہے۔ طبعی اور نوعی ہے جزئی یا شخصی نہیں ہے۔ اس سے بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جب صاحب سلسلہ کی قدر و منزلت اور عظمت و برتریت کا یہ عالم ہے تو پھر ان سے منسوب سلسلہ کی وسعت و کشادگی کا کیا عالم ہوگا؟

صاحب سلسلہ فریاد رس کی حیثیت سے

کسی بھی سلسلہ سے منسلک ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے منسلک ہونے والے

افراد ان کے محتاج ہیں، ہم ان سے کرم کی بھیک مانگنے والے ہیں۔حسرت ویاس اور نا امیدی کے ماحول میں انکے روبرو اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہیں اور دل میں یہ یقین ہے کہ آپ داتا ہیں آپ ان کی اولاد میں ہیں جن کی زبان فیض ترجماں سے کبھی اور کسی صورت میں لفظ ''نہیں'' ادا نہ ہوا

واہ کیا جود وکرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی بہت بڑے فریادرس تھے۔اپنے دور میں بھی اوراس دور سے لےکراس دورتک بھی اور آئندہ بھی آپ ہی بڑے فریادرس رہیں گے۔ کیونکہ غوث یعنی بڑے فریادرس آپ کے نام پاک کاایک حصہ ہے جوکل بھی تھا آج بھی ہے اور آئندہ کل بھی رہے گا کہ نام ولقب کے مابین جوحسن امتزاج پایا جاتا ہے وہ دونوں آپس میں بڑی مشکل سے جدا ہوتے ہیں اورمیرے غوث پاک تو ''غوثیت کبریٰ'' پرفائز ہیں اوراس وقت تک فائز رہیں گے جب تک امام مہدی علیہ السلام اس دنیا میں تشریف نہ لے آئیں۔اس مسئلہ کی وضاحت خودامام احمدرضا نے اس طرح فرمائی ۔،غوثِ اکبروغوثِ ہرغوث حضورسید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ،صدیق اکبرحضورکےوزیرچپ دست تھےاورفاروق اعظم وزیردست راست ۔پھرامت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پرامیرالمومنین حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ ممتاز ہوئے اوروزارت امیرالمومنین فاروق اعظم وعثمان غنی رضی اللہ عنہما کوعطاہوئی ۔اس کے بعدامیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کوغوثیت مرحمت ہوئی اورعثمان غنی ومولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وزیر ہوئے ،پھرامیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کوغوثیت عطاہوئی اور مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم وامام حسن وزیرہوئے ،پھرمولیٰ علی اورامامین کریمین رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے ،پھرامام حسن رضی اللہ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے ۔امام حسن عسکری کے بعدحضورغوث اعظم رضی اللہ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے ۔ان کے بعدحضورسیدناغوث اعظم مستقل غوث ،حضورتنہاغوثیت کبریٰ پرفائز

ہوئے۔حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سیدا لافراد بھی ہیں۔حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہونگے پھر امام مہدی کو غوثیت کبری عطا ہوگی،، (الملفوظ حصہ اول)

حضور سیدنا غوث اعظم کا غوثیت کبری پر فائز ہونا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ آپکے نام پاک سے منسوب سلسلہ بھی دوسری قسم کے سلسلوں سے افضل واعلیٰ ہوگا اور اس میں وسعت کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ خوبیاں وسعتِ سلسلہ کے لئے کافی وافی نہیں؟ ہاں یقیناً کافی ووافی ہیں۔یہی سبب ہے کہ پورے برصغیر میں اسی کی پزیرائی ہے اور ارباب فکرودانش اسی سلسلے سے دن بدن منسلک ہوتے جارہے ہیں۔جہاں اور جس مقام پر سلسلہ کی وسعت وکشادگی کی بات آئیگی وہاں امام احمد رضا کی بات ضرور آئیگی کیونکہ اس وسعت کے علمبرداروں میں آپ کا نام سنہری حرفوں میں نظر آتا ہے اس لئے کہ ان خوبیوں کے اجاگر کرنے میں آپ تنہا ہیں، آپ اکیلے ہیں، اس معاملے میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ۔۔اسی لئے میں کہتا ہوں آپ تنہا ''مجددِ قادریت''ہیں، مجددِ قادریت ہونے کی حیثیت سے آپ کی ذات وشخصیت میں جو خوبیاں، کمالات، اور خصوصیات ہونے چاہئے وہ سب کی سب موجود تھیں یہ خوبیاں کچھ وراثت میں ملی تھیں، کچھ مرشد گرامی کی نگاہ فیض کی بدولت حاصل ہوئیں تھیں اور کچھ خوبیاں اکتسابی بھی تھیں۔انہیں خوبیوں نے آپ کو مجدد قادریت کے مرتبہ پر فائز کردیا اور پھر آپ نے اپنی کوششوں اور مساعئ جمیلہ سے اس سلسلہ کو وسعت دینے میں وہ کیا جو آپ اپنے اعلیٰ فکروشعور سے کرسکتے تھے۔نظم ونثر دونوں ادب میں قادریت کے تعلق سے مضامین پیش کئے اور اس انداز میں پیش کئے کہ ذوق سمع کو محوِ حیرت کردیا اور اسے سوچنے پر مجبور کردیا کہ قادریت کیا ہے؟ اور اسمیں کس قدر جذب وکشش ہے؟ کہ امام احمد رضا نے بریلی کی سرزمیں پر ''قادریت'' کی ایسی شمع روشن کی کہ اس کے اجالے پھیلتے ہی ہر طرف سے پروانے ٹوٹ پڑے اور اس کے اردگرد عاشقانہ طواف کرنے لگے۔یہ پروانے کسی ایک علاقہ کے نہ تھے اور نہ ہی کسی ایک صوبہ کے تھے بلکہ پورے برصغیر سے جذبۂ خلوص وپیار لے کر آئے تھے۔اسی تناظر میں امام احمد رضا نے کہا تھا کہ

کیوں رضا آج گلی سونی ہے　　اٹھ میرے دھوم مچانے والے

اس مقطع میں امام احمد رضا کس سے مخاطب ہیں؟ انہیں پروانوں سے مخاطب ہیں جو شمعِ قادریت کے اردگرد طوافِ عشق و ولا کررہے ہیں کہ اے میرے دھوم مچانے والو دھوم مچاؤ، یہ خاموش تماشائی بننے کا وقت نہیں بلکہ مانند مرغِ بسمل تڑپنے کا وقت ہے کہ محبوب دلآرا اپنا جلوۂ حسن لٹانے والا ہے، وہ کرم کی بھیک دینے والا ہے، اور بے شعوروں کو اپنے دامن تقدس میں چھپانے والا ہے، وہ دلوں کو بھی سنوارتا ہے اور ذہنوں کو بھی انجلائی کیفیت سے نوازتا ہے۔ اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں وہ، وہ کر دکھاتا ہے جو دنیا کا بڑے سے بڑا دانشور بھی نہیں کرسکتا ہے اور ایسے اُمور انجام دے سکتا ہے جن کے بارے میں ہماری عقل بھی نہیں سوچ سکتی ہے۔

ایسے ہی افراد کی گلیوں میں دھوم مچائی جائے اور ایسے ہی لوگوں کا نام لیا جائے کہ یہی لوگ تو اپنے وقت کے مسیحا ہوتے ہیں۔ اے میرے امام یہ کون لوگ ہیں؟ اس بارے میں میرا امام جواب دیتا ہے یہ وہی لوگ ہیں جو میرے آقا ہیں، میرے مسیحا ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا

بول بالے میری سرکاروں کے

بس اب معاملہ صاف ہوگیا کہ وہ مسیحائے زمانہ کوئی اور نہیں بلکہ میرے اعلیٰ حضرت کے سرکار ہیں جن کی حسیں گلیوں میں دھوم مچانے کی بات کی جارہی ہے اور جن کے ناموں کے لینے کی بات کی جارہی ہے۔ وہ کوئی اور نہیں مارہرہ کالپی کی سرکاریں ہیں اور سرزمینِ بغداد کی سرکاریں ہیں۔ دیکھیے امام احمد رضا کی ذات تنہا ہے اور ان کے چاہنے والوں کی تعدادیں ان گنت ہیں، بے شمار ہیں یہ تعدادیں مختلف قسم کی ہیں۔

پہلا گروپ ان افراد پر مشتمل ہے جو قادری سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے منسلک ہیں مگر اصول و نظریات میں امام احمد رضا سے متاثر ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل پیرا ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے مزارات پر جا کر انہیں امور کو انجام دیتے ہیں جن کے

بارے میں امام احمد رضا نے کرنے کی ہدایت دی ہے اور جن امور کے بارے میں انہیں منع کیا ان کو انجام دینے سے رک گئے یہ افراد عملی طور پر امام احمد رضا کے مسلک ونظریات اور تعلیمات وارشادات کا اظہار کرتے ہیں اور قادریت کی جانب اپنی پیش قدمی بنائے ہوئے ہیں۔اس کے باوجود حیرت اس بات پر ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے اور اعلیٰ حضرت کو اپنا مخالف تصور کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضا خواجہ غریب نواز، خواجہ نظام الدین اولیاء، اور خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کا اپنی تصانیف میں تذکرہ نہیں کیا یہ مشربی زعم تعصب ہے جو ان کی زبانوں سے نکل رہا ہے اور ملت کے درمیاں اختلاف و انتشار کو ہوا دے رہا ہے۔حالانکہ اگر وہ گہری نظر سے اس بات پر غور وفکر کریں تو ان کے سامنے صحیح صورتِ حال نمایاں ہو جائے وہ یہ ہے کہ امام احمد رضا جوش وجذبہ میں کوئی کام انجام نہ دیتے تھے بلکہ بنیادی امور کے انجام دہی سے کام لیتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا کہ اس دور میں مخالفین کا تیور ساتویں آسماں پر چڑھا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ بزرگوں کے ان مزارات کو تاریکیوں کے حوالہ کر دیں مگر اعلیٰ حضرت نے ایسا نہیں ہونے دیا بس آپ ہی بتایئے ایسے ماحول میں جذبہ وجوش کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر فکروشعور کی؟ ظاہر ہے یہاں فکروشعور کی ضرورت تھی اور امام احمد رضا نے وہی کیا جو نہیں کرنا چاہیے تھا۔کیا ان کی یہ خدمات کم ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں اس کے باوجود ہمارے بعض دوستوں نے اس کا تحقیقی جواب بھی دیا کہ میرے اعلیٰ حضرت نے اِن کے لئے یہ کہا اور اُن کے لئے یہ لکھا۔میں کہتا ہوں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ یہ ان کو خوش کرنے کے لئے ہے جنہیں خوش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور امام احمد رضا نے انہیں خوش کیا جنہیں خوش کرنا عین تقاضائے ایمان ہے اور اس کے تحت جہاں اس کی ضرورت تھی امام احمد رضا نے اس کا ذکر کیا جیسا کہ ان کی تصنیفات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے.......

دوسرا گروپ ان افراد پر مشتمل نظر آتا ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت سے پورے طور پر اتفاق تو کرتے ہیں مگر ان کے میخانہ علم وشعور کے مے خوار نہیں ہیں بلکہ کسی ایسے مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں جو مسلک اعلیحضرت سے متاثر ہیں اور انکے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں اور

ان کے اعتقادات ونظریات پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کے علم بر داروں میں ہیں جو شرعی تقاضوں میں ڈھلتے ڈھلتے طریقت اور ریاضت ومجاہدات کے سایہاں میں داخل ہو گئے اور وہیں سے قادریت کے جلوؤں سے نہال ہو گئے۔ اس گروپ سے تعلق رکھنے والے پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس بات کا عملی طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ اے امام تم نے نہ صرف شریعت دی بلکہ علم طریقت سے بھی نوازا اور سلوک کی محفلوں میں بیٹھنے کا شعور بھی بخشا، بزم خوباں سے اکتساب نور وضیا کے ہنر سے آشنا کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قادری سلسلہ کی طرف جو راہ بھی جاتی ہے وہ مسلک اعلیٰ حضرت سے ہو کر گزرتی ہے۔ اس سے الگ ہو کر کوئی بھی راہ قادریت تک نہیں پہونچ سکتی ہے اگر کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے ہم اسے جزاف کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں ۔۔

تیسرے گروپ میں وہ حضرات آتے ہیں جو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور جامعہ رضویہ منظر اسلام سے تربیت یافتہ ہیں۔ ایسے عظیم افراد بھی کسی گروپ سے کم نہیں ہیں بلکہ پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں بھی ہیں وہیں سے قادریت کے تئیں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہیں اور نعرۂ قادریت می زمم ورد زباں کیے ہوئے ہیں

چوتھے گروپ میں وہ سبھی افراد آتے ہیں جو ان تینوں کے علاوہ ہیں۔ بچے کھچے سبھی افراد اسی گروپ میں آتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی اچھی خاصی نظر آتی ہے۔ مگر ان کے لئے جو عصبیت کی عینک اپنی آنکھوں سے اتار کر دیکھتے ہیں اور جو فطری طور پر عصبیت کے شکار ہیں میں ان کی بات نہیں کرتا کہ ان کا اپنا کوئی معیار نہیں کہ وہ تعصب اور تنگ نظری کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ انھیں چھوڑیے بس اس قدر سمجھ لیجیے کہ ان چاروں گروپوں پر دھوم مچانے والے مشتمل ہیں اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی تعداد کس قدر ہو سکتی ہے اور ان کی دراز زلفیں کہاں کہاں پہنچ سکتی ہیں۔ میں دھوم مچانے والوں کو کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں کر سکتا کہ یہ دھوم مچانے والے ہر ایک زمانہ میں رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان دھوم مچانے والوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے ''اعلیٰ حضرت'' کا زمانہ پایا اور وہ بھی ہیں جو ''حجۃ الاسلام'' کے دور میں

تھے۔پھر ان کے بعد "سرکار مفتی اعظم" کا دور آتا ہے اس سلسلہ میں میرے مفتی اعظم نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کے سینوں میں "آبدار موتیوں" کی مانند درخشاں ہیں۔انہیں بتانے کی ضرورت نہیں پھر بھی کبھی انکشاف حق کے طور پر ان کا اظہار کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور یہی ضرورت درپیش ہے کہ سرکار مفتی اعظم نے قادریت کے فروغ وارتقاء میں زبردست حصہ لیا اس لئے نہیں کہ آپ "مجدد قادریت" کے شہزادہ گرامی تھے بلکہ اس لئے کہ آپ کی طبیعت میں سرکار قادری کی محبت رچی بسی تھی اور سرکار بغداد کو آپ دل وجاں سے چاہتے تھے۔آپ اعلیٰ حضرت کے شہزادۂ اصغر تھے آپ ہی تو ہیں جن کے بارے میں سرکار نوری نے فرمایا: اے احمد رضا! آپ اپنے گھر جایئے آپ کے یہاں ایک چاند سا مہمان آیا ہے جو نہایت ہی مبارک بچہ ہے، مادرزاد ولی ہے، عاشق رسول پروردگار ہے، ان سے اجالے ہونگے، تابشیں ہونگیں، چشمے پھوٹیں گے، پیاسے آئیں گے اور سیراب ہونگے۔امام احمد رضا بریلی آئے اور اپنے مبارک بچہ کو دیکھا تو یہ دیکھا.....نور کا چہرہ پھولوں کا بدن دیکھا..آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک اور دمکتی پیشانی پر ابدی سعادتوں کی لکیریں دیکھیں.سرکار مفتی اعظم نے بھی وہی کیا..جو امام احمد رضا کا مقصد اور نصب العین تھا، یعنی قادریت کا فروغ اور اس کا ارتقاء اور اس کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا جن آنکھوں نے سرکار مفتی اعظم کے رخِ زیبا کو دیکھا ہے اور ان کی زندگی اور حالات وخدمات سے آشنا ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہونگے کہ حضور مفتی اعظم جب کسی کو سلسلہ قادری میں بیعت کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے:

کہو میں نے اپنا ہاتھ غوثِ پاک کے ہاتھ میں دیا۔

مرید ہونے والا کہتا: میں نے اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دیا۔

میں اس انداز بیعت کو نظر انداز نہیں کر سکتا اس میں کہیں نہ کہیں کچھ مخصوص جذبات ضرور ہیں جو قادریت کے بحرِ زخار سے جا ملتے ہیں، اِدھر سے جذبہ فروغ ہے تو اُدھر سے شرفِ قبولیت ہے اور یہی مجدد قادریت کا مشن ہے اور انکا نصب العین ہے۔ایک مرتبہ کسی مرید ہونے والے نے کہا حضور میں تو آپ کے دست پاک میں اپنا ہاتھ دے رہا ہوں تو پھر میں یہ کیسے کہہ دوں؟

کہ میں اپنا ہاتھ غوث پاک کے ہاتھ میں دے رہا ہوں اس جسارت پر سرکار مفتی اعظم نے ان کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ مبارک چہرہ کا جلال دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے مرید سہم سا گیا مگر مرید ہونے کی نگاہ جب اوپر اٹھی تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ حضرت سیدنا غوث پاک کا دست پاک سرکار مفتی اعظم کے دست پاک پر ہے۔ کیا یہ واقعہ سرکار بغداد کی غلامی کی توثیق نہیں کر رہا ہے؟ کر رہا ہے اور یقیناً کر رہا ہے، اس طرح سرکار مفتی اعظم کے جس قدر مرید ہوئے اور ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیا وہ سب کے سب دھوم مچانے والوں میں شریک ہیں۔ ان کی تعداد کیا ہو سکتی ہے اسے صرف ذہن و خیال ہی میں لایا جا سکتا ہے حتمی طور پر اسے احاطۂ شمار میں لانا ایک مشکل کام ہے۔ دھوم مچانے والوں کی تعداد یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ معاملہ اس سے بھی فزوں ہوتا ہے اور اس سلسلہ فزوں میں ایک اور سنہرا نام جڑتا ہے وہ نام نامی اسم گرامی حضور تاج الشریعہ کا ہے جو صحیح معنیٰ میں اس وقت جانشین حضور مفتی اعظم ہند ہیں جن کی ذات بابرکت سے دھوم مچانے والوں میں لگاتار اضافہ ہو رہا ہے، دن بدن اور شب و روز ہو رہا ہے، لوگ بڑھتے جا رہے ہیں اور کارواں وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، جس علاقہ میں جاتے ہیں وہاں چاہنے والوں کی بھیڑ اکٹھی ہو جاتی ہے اور لوگ پروانوں کی مانند ہر چہار جانب سے غول در غول پرواز کرتے ہوئے شمع محفل کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ دور حضور ازہری میاں کا دور ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ ہی یہ کوئی افسانہ ہے بلکہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ''قبولیت عامہ'' ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو صرف انہیں کو ملی ہے۔ تاج الشریعہ بھی ہیں اور قاضی القضاۃ فی الہند بھی ہیں ہر دور میں جلنے والے رہے ہیں، مخالفت کرنے والے رہے ہیں کسی بھی انسان کو بادِ مخالف سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ یہ تیز و تند ہوائیں صرف اسلئے چلتی ہیں تاکہ شاہیں صفت انساں اونچی اڑان اڑ سکے۔ بلاشبہ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ قبلہ ازہری میاں کے مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اس بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ دھوم مچانے والوں کا زاویہ اس قدر وسیع و کشادہ ہو چکا ہے کہ وہ کسی بھی کینوس میں سما نہیں سکتے یہ سب نتیجہ ہے امام احمد رضا کی جمالیاتی تحریک اور قادری ازم، فکر و شعور کا اسی لئے ہم لوگ کہتے ہیں کہ

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

امام احمد رضا اپنے دور میں اپنی دور رس نگاہوں سے دھوم مچانے والوں کی تعداد کو بھانپ چکے تھے اور اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ تعداد کہاں تک پہونچ سکتی ہے؟ اور اس کا زاویہ کس قدر پھیل سکتا ہے؟ بلکہ انہوں نے ان کی نفسیات پر بھی اپنی پکڑ مضبوط کر لی تھی اور وہ پیغام بھی آپ کی نگاہ ناز میں تھا جسے آپ ان دھوم مچانے والوں کو دینا چاہتے تھے آپ ان سے مخاطب ہوتے ہیں کہ

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والو

میرے اعلیٰ حضرت نے جب ''دھوم مچانے والوں'' سے کہا ''میرے'' تو اس میں انہیں اپنائیت کا احساس ہوا تو اپنے امام کے پاکیزہ داماں پکڑ کر مچل گئے اور عرض کیا اے میرے امام میں دھوم مچاؤں تو کہاں مچاؤں؟ وہ کون سا کوچہ اور گلی ہے جہاں ہم لوگ جائیں اور دھوم مچائیں؟ اعلیٰ حضرت نے اپنے چاہنے والوں کو مایوس نہیں کیا بلکہ انہیں نہایت ہی تفصیل سے اس مبارک گلی کا پتہ بھی بتایا اور ان مبارک ہستیوں کا تعارف بھی کرایا۔

ذریعہ اظہار کا انتخاب:

امام احمد رضا مختلف علوم فنون پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ نثری ادب پر بھی آپ کو قدرت تھی اور شعری ادب پر بھی۔ آپ نے اسکے لئے نثری ادب کا استعمال کیا مگر ضرورت کی حد تک استعمال کیا اور کہیں کہیں استعمال کیا ذریعہ اظہار کے طور پر، جسے انتخاب کیا وہ شعری ادب ہے اور آپ نے اسی شعری ادب کو اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس انتخاب کے پسِ منظر کچھ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔ آیئے انہیں وجوہات پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں۔

الف۔۔۔انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے نصف اول تک کا عہد

"عہدِ انقلاب" کہلاتا ہے اس عہد میں بڑے بڑے انقلابات آئے تغیرات آئے، زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی حالات میں زبردست بدلاؤ آیا، یہ وہی عہد ہے جس عہد میں انگریزوں کی آمد سے پوری زندگی میں مدوجزر کی کیفیت نمایاں ہوئی، خیالات میں انقلاب آیا، جذبات بدل گئے، فکروشعور کے دھارے بدل گئے، محبتوں چاہتوں میں بدلاؤ آیا، جب ہر چیز میں تبدیلی آئی تو پھر ادب ہی کیوں پیچھے رہتا اس نے بھی اپنے رگ و پے میں بدلاؤ لانا شروع کیا۔ اسی تبدیلی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں "جدید شاعری" کی بنیاد پڑی اور قدیم شاعری نے اپنا بوریا بستر اسمیٹنا شروع کیا اور شاعری میں نئے رجحانات اور جدید امکانات اپنے پاؤں پسارنے لگے اور اپنے ہاتھوں کو پھیلانا شروع کیا اس دور کو ہم دورِ زوال سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی دور میں داخلیت سے نظریں چرائی جانے لگیں اور پورے طور پر خارجیت پر زور دیا جانے لگا۔ اس دور کے شاعروں نے خود کو غزلیہ شاعری کی طلسماتی دنیا سے باہر نکالنے کی کوشش کی اور نظم نگاری کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ظاہر ہے یہ تبدیلیاں اور یہ تغیرات غیر ملکی حکمرانوں کے زیرِ اثر عمل میں ہو رہے تھے۔ اسلامیانِ ہند کے اعتقادات اصول ونظریات بھی زد میں تھے اور خوش گوار جذبات کے بال و پر نوچے جارہے تھے۔ امام احمد فاضل بریلوی نے جب ان تبدیلیوں کے اندر جھانکا تو منظر ہی کچھ اور تھا، حیات وموت کی کشمکش اور مشرق ومغرب کا روح فرسا تصادم تھا۔ جس سے آپ کانپ اٹھے، روح تڑپ اٹھی اور خود بھی کرب واضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ اس دور کا کیا عالم تھا اور کیسی کہانی دہرائی جارہی تھی اس کی جانکاری کے لئے درج ذیل عبارت کا مطالعہ کریں ریاض حسین چودھری تحریر کرتے ہیں۔۔ اعلیٰ حضرت کے شعور نے جب آنکھ کھولی تو برطانوی استعمار اپنی پوری عسکری قوت کے ساتھ تاج دہلی پر مسلط ہو چکا تھا۔ جنگ آزادی کا سارا نزلہ اسلامیانِ ہند پر گرادیا گیا تھا۔ چاپلوسی کی اولاد اپنی روایتی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر ملکی حکمرانوں کی چرنوں میں بیٹھی ماتھا رگڑ رہی تھی۔ کفرو الحاد کی آندھیاں زور وشور سے چل رہی تھیں، ذہنوں میں ابہام وتشکیک کے کانٹے بوئے جارہے تھے، برہمنی سامراج اور برطانوی استعمار مسلمانانِ ہند کے خلاف سازشوں میں مصروف

تھے، نت نئے فتنوں کو ہوا دی جا رہی تھی، فکری مغالطوں کا طومار باندھا جا رہا تھا، برطانوی سرکار کی سرپرستی میں مشنری ادارے برصغیر کے طول و عرض میں غیر ملکی حکمرانوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے تقویت پہونچا رہے تھے، رفاہ عامہ کی آڑ میں اسلامیان ہند کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا خود مسلمانوں میں فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی تھی انگریز حکمراں... حضور کی امت کی مختلف تقسیم کر رہے تھے۔

☆امام احمد رضا نمبر نعت رنگ☆

ایسے دورِ زوال میں نہ مرکز کا تصور باقی رہتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کی آشنائی برقرار رہتی ہے۔ اسی لئے یہ نہایت ہی اندوہناک اور فکری بانجھ پن کا دور تھا۔ لوگ سوچتے بھی تو کیا سوچتے؟ انہیں سوچنے کے لئے کوئی موقع ہی نہ دیا جا رہا تھا؟ کہ ان کے سامنے مختلف قسم کے چیلنجز تھے جنکی وجہ سے سب حواس باختہ تھے اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا تھا اور جدید شاعری کے پرستار بدن سے روح کھینچ رہے تھے۔ ایسے موسمِ ناروا میں ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کا رشتہ مرکز سے مضبوط کیا جائے اور انہیں مرکز آشنائی کے لطف و مسرت سے محظوظ کیا جائے کہ یہ سچ ہے کہ جب ہوائیں مخالف ہوتی ہیں اور تیز و تند آندھیاں چلتی ہیں تو کوئی بھی قوم آگ کے بگولوں کی مانند اڑ جاتی ہے اور پھر ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہے۔ ہر دور میں مسلمان اس طرح کے حالات سے دوچار ہوئے ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے مسلمان ہر دور میں سقوط و زوال، ذلت و نکبت، اور مصائب و آلام سے ابھرتے رہے ہیں اقبال نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

کیا بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

وہ مسلمانوں کی خوش اعتقادی ہی تھی جس سے مسلمان ابھرتے رہے ہیں، جس طرح بادلوں کی اوٹ سے چاند نکلتا ہے، یہاں بھی یہی صورت حال رہی ہے، اس لئے امام احمد رضا نے انہیں کے اسلوب میں اپنے جذبات کے اظہار کیلئے شاعری کا انتخاب کیا۔ اسبات میں کسی

شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ بزرگوں سے حسن عقیدت رکھنا بہت ہی مفید اور کار آمد ہوتی ہے کہ یہی ایمان ویقیں کی صیانت کرتا ہے اور اسی سے عشق ووفا میں باب تحیر وا ہوتا ہے جن کی وجہ سے دلوں میں جذبات ابھرتے ہیں اور فکر وشعور میں بلندی آتی ہے اور روح میں تازگی بیدار ہوتی ہے۔امام احمد رضا نے قادریت کے فروغ کیلئے اسی شاعری سے کام لیا اور مسلمانوں کے مابین اس سے بھرا ہوا جام پیش کیا اور اسے نوش فرمانے کی دعوت دی...تاکہ سرمدی سعادتوں سے ان کی زندگی مالا مال ہو جائے اس سے نہ صرف تجدید قادریت کا نام لیا گیا بلکہ شاعری کو نئی جہت اور نئے امکان سے آشنا کیا اور اس کے لفظیاتی پیکروں میں جان جاناں کی خوشبوئیں بسا دیں اور اس کے انگ انگ میں انوار وتجلیات بھر دیئے اسی شاعری کو ہم ''نعت ومنقبت'' سے تعبیر کرتے ہیں

ب۔۔مسموم فضائیں اور ناخوش گوار موسم اس بات کا تقاضا کر رہا تھا کہ پیغام رسانی کے لئے جسے ذریعۂ اظہار کے طور لیا جا رہا ہے اسے مؤثر، دلکش، شگفتہ مزاج، اور دلوں کو موہ لینے والا ہونا چاہئیے اس میں اسبات کی بھی خوبی ہونی چاہئیے کہ فکر وشعور کو اپیل کرے اور روح میں پورے طور پر اتر جائے یہ خوبی وجمال تو صرف شاعری میں پائی جاتی ہے۔ونثری ادب میں بھی یہ خوبیاں ہوتی ہیں مگر شاعری کا انداز کچھ الگ قسم کا ہوتا ہے۔میرے ذہن میں ایک واقعہ ہے جسے میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ آپ سمجھ جائیں کہ شاعری کی تاثیری کیفیت کیا ہوتی ہے ؟عرب میں ایک شخص نہایت ہی غریب ومفلس تھا جس کے پاس کھانے کو نہ تھا رات کو کھانا کھاتا تو دن میں بھوکا رہتا۔اس پر مستزادیہ کہ اس کی کئی ایک لڑکیاں تھیں ان میں سے کسی کا بھی رشتہ نہ آتا تھا اس کی لڑکیوں سے کوئی شادی کرنے کو تیار نہ تھا جس کی وجہ سے اس کے والدین پریشان تھے بظاہر اس کے پاس اس دلدل سے نکلنے کے لئے کوئی تدبیر نہ تھی وہ کرے تو کیا کرے۔اسی ادھیڑ بن میں اس کے والد کو نیند نہ آتی تھی۔ایک دن اس بیچارے نے ایک شاعر کو دعوت دی، اس کے پاس صرف ایک اونٹنی تھی جس کا دودھ پی کر وہ اور اس کے بچے رات ودن بسر کرتے تھے۔اسی اونٹنی کو انہوں نے ذبح کیا اور اس مہمان شاعر کو خوب کھلایا اور زبردست اس کی میزبانی

کی۔ جناب شاعر موصوف اسکے اس انداز محبت سے خوش ہوا اور اس کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اس شاعر نے اس کی میز بانی، سخاوت اور اس کی لڑکیوں کے حسن و جمال کا ذکر کیا، نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جونہی اس کا قصیدہ ارباب ذوق تک پہونچا سماج کے اچھے لوگوں کی طرف سے تمام لڑکیوں کے رشتے آنے شروع ہوگئے اور اس شخص نے تمام لڑکیوں کی شادی کردی اور اس کے ہاتھ پیلے کردیئے اسی لئے سرکار اعلیٰ حضرت نے بھی اسے ذریعہ اظہار کے طور پر استعمال کیا۔ اب دھوم مچانے والے سامنے کھڑے ہیں جو سراپا انتظار بنے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں میں مچل جانے کا شوق ہے، جان و دل پیاسے ہیں، روح نہ جانے کب سے اپنے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئی ہے اور کسی جان جاناں اور اس کے حسن و جمال، جذب و کشش، نور و نکہت پر خود کو نثار کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔۔۔۔ اب دیکھتے ہیں امام احمد رضا نے انہیں کیا پیغام دیا۔

یوں لب کشا ہوئے کہ جان سی کلیوں میں پڑ گئی

مجدد قادریت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے چاہنے والوں اور دھوم مچانے والوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ میرے چاہنے والوں تمہیں کسی دنیاوی امیر دولتمند اور کسی ٹھکیدار کے پاس جانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کیا دے سکتا ہے؟ اور ان کے پاس دینے کو کیا رکھا ہے؟ وہ خود دانے دانے کا محتاج ہے ان کی جھولی خود خالی ہے البتہ ان کی دوکان اونچی ہے مگر پکوان پھیکا ہے میں انکے در پر کبھی نہ گیا تو میں تمہیں ان کے پاس جانے کو کیسے کہدوں؟ اس سلسلے میں میرا اپنا تو جذبہ یہ ہے کہ ؎

کروں مدحِ اہل دوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دیں پارۂ ناں نہیں

کسی غیر کی ٹھوکر میں رہنا ایک قسم کی بے صبری، بے ہمتی، بزدلی، اور بے جا شکوہ ہے اپنے آپ کو سنبھالو صبر اور ہمت سے کام لو اور اپنے دیدۂ کشکول کو آنسوؤں کے سچے موتیوں سے سجائے رکھو یہی قادریت کی تعلیم ہے اور مقصد و مطلب بھی مانگنا ہے تو ہم انہیں سے مانگیں گے اور انہیں کی بارگاہ میں ہم اپنا عریضہ پیش کریں گے جن کی چوکھٹ پر ہزاروں پڑے

رہتے ہیں اور اپنے دل کی مرادیں پاتے ہیں ے

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں

مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

وہ گلی کہاں ہے؟ مدینہ پاک میں ہے، سرزمین بغداد میں ہے یا پھر مقدس مارہرہ کی زمین ہے، یہاں ایسے ایسے آقا آرام فرما ہیں جو سینہ زمیں میں رہتے ہوئے اپنے چاہنے والوں کو نوازتے ہیں، دلوں میں اجالے بھر دیتے ہیں اور آنکھوں میں سرور کی لہریں اتار دیتے ہیں بھلا ایسے لوگ بھی بھلائے جانے کے لائق ہیں؟ نہیں بلکہ ایسے پاک طینت افراد کا مقام دیدہ ودل میں ہوا کرتا ہے۔

حضرت شاہ نوری میاں

تاجدار مارہرہ جب مسند نشیں ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس وقت آپ کی شان میں منقبت پیش کی تھی اس منقبت میں وہ تمام باتیں کہی گئیں تھیں جو آپ کی ذات وشخصیت میں پائی جاتی تھیں اور آپ ان خصوصیات کے حامل تھے جس میں اسبات کی تعلیم تھی کہ انکی ذات سے لولگاؤان سے محبت کرو کہ ان سے محبت کرنا اور انہیں چاہنا کبھی رائیگاں نہیں جائیگا

اس بات کا خلاصہ پیش خدمت ہے

،،مقام ابوالحسین عقل وخرد اور قیاس سے برتر وبالا ہے، ان کی بارگاہ کا بلندی سدرہ سے پوچھو کہ کیا ہے؟ ☆ جو ان سے محبت کرتا ہے اور ان سے لولگاتا ہے یقین مانئے وہ جہنم سے آزاد ہوتا ہے۔ گندمی چہرے میں نورالٰہی کی تابشیں ہیں اور ان کے سراپا سے صبح کے اجالے پھوٹتے ہیں۔ انہوں نے ایسا میکدہ سجا رکھا ہے جسمیں قادریت کا جام سجا ہے اے ساقی وہ مجھے بھی عطا ہو اور انہیں کے بوئے گل سے میرا یہ ساقی مہکا مہکا سا ہے۔

اے میرے دھوم مچانے والو کہاں جارہے ہو تمہیں کہیں جانے کی حاجت نہیں کیوں کہ وہ دیکھو ان کے میخانہ سے کباب سوختہ کی بوآرہی ہے اور ان کے جام سے چشت کی شراب چھلک رہی ہے۔

میرا یہ آقا سہروردی سلطان بھی ہے اور نقشبندی مولا بھی ہے
میرے اللہ یہ سلامت رہیں کہ ان کے بھلا سے لاکھوں غریبوں کا بھلا ہوتا ہے
یہ شان مسیحا ہیں جن کی دید کو ایک میلہ سا لگا ہے کیوں کہ ان کا خرام ناز مردے جلا رہا ہے
اب تک مہر و مہ پس و پیش میں ہیں اس کے باوجود یہ راز نہیں کھلا ہے کہ ان کا مقام کس چرخ پر ہے اور کہاں ہے۔
اگر ان کی بخشش عام ہو جائے تو یہ ابھی ذرہ کو مہر اور قطرہ کو دریا کر دیں
اے اللہ ہمیں بھی وہ چاشنی عطا فرما جس سے ان کے لب و کام شکر میں ہیں
اے رضا ہاں اللہ تیری یاوری کرے گا اس لئے کہ تو ان کے آبا ؤ اجداد کا غلام ہے ''

دیکھئے کس طرح امام احمد رضا نے اپنے چاہنے والوں کو حضور نوری میاں کی بارگاہ میں پیش کر دیا اور زبان حال سے یہ بھی بتا دیا کہ آپ یہاں دھوم مچائیں ان سے فیض برکات حاصل کریں کہ یہ عجیب غریب ہستی ہیں اس در سے ہزاروں پلتے ہیں، تم بھی اپنا بوریا بستر اسی در پر بچھا دو کہ سب کا بھلا اسی در سے ہوتا ہے، تمہارا بھی بھلا یہیں سے ہوگا، یہ ہے قادریت کا فروغ جو درجہ بدرجہ پھیلتا جا رہا ہے اور امام احمد رضا اسے اپنی شاعری کے ذریع انجام دیتے جا رہے ہیں۔ اس طرح آپ کے قدِ زیبا پر ''مجددِ قادریت'' کا لقب بھلا معلوم ہوتا ہے، معاملہ یہیں تک محدود نہیں رہتا بلکہ امام احمد رضا اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں اور ہر ایک کی بارگاہ سے قادریت کا جام اپنے چاہنے والوں کو پلاتے جاتے ہیں، پھر ہم انکا نام کیوں نہ لیں، ان کے اصول و نظریات اور تعلیمات وارشادات پر اپنے دل و جاں کیوں نہ نچھاور کریں کہ انہوں نے ہمارے ایمان و یقین اور عشق و وفا کی صیانت کے لئے اپنا تن من، دھن سب قربان کر دیا۔

صورت جاناں دیکھئیے

اس مقام پر ''صورتِ جاناں'' سے مراد وہ ذات گرامی لی گئی ہے جن کی نگاہ ناز نے امام احمد رضا کی شخصیت کے خد و خال بدل دیئے اور فکر و شعور کے دھاروں میں ایک حسین انقلاب پیدا کر دیا اسی کو کہتے ہیں ذرہ کو مہر درخشاں اور قطرہ کو سمندر کر دینا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے پیر

مرشد اور ان کے جلوۂ حق کا بہترین انداز میں تعارف پیش کیا اس کا مطالعہ کریں اور اپنے دیدہ و قلب میں انوار و تجلیات بسالیں آپ فرماتے ہیں:

''وہ بہت ہی اچھا دل ہے جس دل میں آل رسول کی محبت ہو اور سر وہ سر ہے جو ان پر فدا ہو جائے

اے آل رسول کے خدا اس بندۂ عاصی کے گناہ آل رسول کے واسطے بخش دے۔

اے آل رسول تیرے صدف سے سعادتوں کے ہزاروں صندوقچے نکلتے ہیں جس کا ہر ایک گوہر دریتا یاب نظر آتا ہے۔

مصر کا کوئی بھی مدبر کسی سیاہ فام کو سفید نہیں کرسکتا ہے، ہاں میرا مرشدِ برحق اسے سفید کر سکتا ہے جب انہیں دیکھو گے تو تمہیں اللہ یاد آجائیگا، کیوں نہ ہو کہ ان کی ادائیں خدا بھاتی ہیں۔ جس روزن سے ان کی ضیائیں نکلتی ہیں ان میں ہزاروں آفتاب درخشاں دکھائی دیتے ہیں۔ان کی بارگاہ میں عجز و انکساری ہی بلندی ہے اور تواضع پسند ہی بلند اقبالی ہے،،

اعلیٰ حضرت نے جس انداز سے اپنے پیر و مرشد کا تعارف پیش کیا وہ نہایت ہی اچھوتا اور دلوں میں اتر جانے والا ہے، اس میں ایسی جذب و کشش ہے جس کی وجہ سے ہر دل انکا شیدا نظر آتا ہے اور ہر نگاہ ان پر قربان دکھائی دیتی ہے۔امام احمد رضا سے جس قدر افراد منسلک ہیں وہ سب کے سب مارہرہ شریف کے بزرگوں پر اپنے دل و جاں نچھاور کرتے ہیں اور ان پر مرمٹنے کو اپنے لئے باعث فخر و ناز تصور کرتے ہیں۔کیا یہ جذبہ جاں نثاری مہتم بالشان نہیں، ہاں یہ یقینی طور پر مہتم بالشان ہے کوئی کچھ بھی خیال کرے مگر میں تو یہی تصور کرتا ہوں۔اس دور میں مارہرہ شریف میں چاہنے والوں اور دھوم مچانے والوں کا جو جم غفیر ہے اس میں کہیں نہ کہیں سرکار اعلیٰ حضرت کی محنتوں کا ثمرہ ضرور دکھائی دیتا ہے، اس بات کو ہم کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔امام احمد رضا کس شخصیت اور کن خوبیوں کے مالک تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے محبوب کی بارگاہ میں ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر وہ صرف اپنی بات کرتا ہے یا پھر اپنے مفاد کے بارے میں سوچتا ہے اس کے سوا انہیں اپنے چاہنے والوں

کی کوئی فکر نہیں ہوتی لیکن میرے امام نے ایسا نہیں کیا انہیں اپنی ذات سے کہیں زیادہ اپنے دھوم مچانے والوں کی فکر تھی اور انہیں کا دھیان ان کے پیش نظر تھا، آپ اپنے دھوم مچانے والوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے مریضو کڑوی دوا نہ پیو میرے پیر و مرشد کے "دار الشفاء" میں آؤ شہد نوش کرو اور مژدۂ شفا لے کر جاؤ، کسی میکدے میں ہرگز نہ جاؤ کہ وہاں سیاہ کار لوگ رہتے ہیں۔ آل رسول کی خانقاہ میں آؤ جہاں نور کی برسات ہوتی ہے۔

مکاروں عیاروں کی مجلسِ فسق و فجور میں قطعی نہ جاؤ بلکہ ان کی انجمن میں آؤ جہاں تقویٰ اور پرہیزگاری کی بات ہوا کرتی ہے، یہ مجلس میرے پیر و مرشد سیدی آل رسول کی ہوتی ہے۔

اس مقام پر میرے دوست کبھی نہ جاؤ جہاں جھوٹے اور کذابوں کی فریب کاریاں پائی جاتی ہیں بلکہ آل رسول کے دلکشا جلوؤں میں آؤ کہ یہاں جلوے اور نور و ضیا ہی ملتے ہیں دھوم مچانے والوں کے نام میرے اعلیٰ حضرت کا یہ پیغام تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس میں کس قدر محبت اور کیسی چاہت پائی جاتی ہے اس بات کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اور یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا اور ان کے خانوادے نے کس کے لئے کام کیا، اپنے لئے یا پھر اپنے بزرگوں کے لئے کیا؟ جو بات سچ ہو اسی پر ہاں کہیے گا غلط بات پر ہاں کہنا بہت بڑی غلطی ہے کہ یہ دور بھی بہت غلط ہے۔ میں نے بہت سے پاکیزہ داماں افراد کو دیکھا ہے جو کسی بھی غلط بات پر ہاں کہنے سے نہیں چوکتے اور نہ ہی ذرا سی بھی شرم و حیا محسوس کرتے ہیں۔ خدایا یہ کیسا دور آیا ہے؟ کہ لوگ اجالوں اور بھیڑ بھاڑ میں بھی نہیں شرماتے ہیں خدا ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔

اب آئے منزل پہ ہم

چونکہ ہمارے مقالے کا عنوان ہے امام احمد رضا کے حوالے سے قادریت کا فروغ وارتقاء اب ہم درجہ بدرجہ اس عنوان کی تکمیل پہ پہونچ چکے ہیں میرے سامنے "حدائق بخشش" ہے شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ کر لیجیے زیادہ تر منقبت کے اشعار حضرت سیدنا غوثِ اعظم کی شانِ پاک میں کہے گئے ہیں، اس کے علاوہ نعت میں بھی منقبت کے اشعار پائے جاتے ہیں آپ نے جس مسرت و شادمانی کی خوش گوار اور عنبر زار ماحول میں شاعری کی ہے وہ صرف آپ کا حصہ ہے۔

ایسا ماحول اسی وقت تشکیل پاتا ہے جب پاکیزہ جذبات کی دھیمی دھیمی آنچ دلوں کو پگھلاتی ہے اور اس کی سوزش سے فکر وشعور گداز کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں تو ایک اچھی اور بہترین شاعری وجود میں آتی ہے اور ذہنوں کو متاثر کرتی ہوئی دلوں میں اتر جاتی ہے۔ یہی کچھ حال امام احمد رضا کی شاعری کا ہے۔ ذیل میں غوث اعظم کے تعلق سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

ان اشعار کا فکری تناظر میں مطالعہ کریں ان میں معنویت تہہ در تہہ چھپی ہوئی ہے اور فکر وشعور کے غنچہ ہائے رنگ برنگ کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان اشعار کے مطالعہ سے قارئین اپنے دلوں میں وہ کیفیت تو طاری نہیں کر سکتے جو شاعر کے دل پر طاری ہوئی تھی مگر اس کی جھلک سے ہر ایک قاری متاثر ضرور دکھائی دیتا ہے۔ امام احمد رضا نے ان اشعار میں "مرتبہ" سے "روحانی مرتبہ" مراد لیا ہے مگر اس روحانی مرتبہ کو سمجھنا سب کے بس کی بات نہیں، اسی لئے امام احمد رضا نے اس کی تفہیم کے لئے محسوسات میں سے "سر" اور "قدم" کا سہارا لیا کہ جسمانی پیکروں میں "سر" ایک ایسا "عضو" ہے جو تمام اعضاء میں سب سے زیادہ بلند و بالا ہوتا، ہے یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جو ہر ایک سر پر یکساں صادق آتا ہے، اس کے صادق آنے میں قد وقامت کے ڈیل ڈول اور اس کی اونچائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کوئی بہت زیادہ لمبا ہے تو اس کا سر بھی سب سے زیادہ بلند ہے اور اگر کوئی پست قد ہے تو اس کا بھی سر بلند ہے ٹھیک اسی طرح حضور سیدنا غوث اعظم کا سر مبارک بلند ہے اور اس قدر بلند ہے کہ اونچے سروں والوں سے آپ کا قدم اعلیٰ ہے، جب آپ کا قدم اعلیٰ ہے تو پھر کوئی ان کے قدم تک کس طرح پہونچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیا ان کے مبارک تلؤوں سے اپنی آنکھیں ملتے رہ گئے اور ان میں سے کوئی ان کے قدم تک نہ پہونچ پایا تو بھلا ان کے سر مبارک تک کون پہونچ سکتا ہے اور کوئی ان کے سر تک رسائی

حاصل کرنے کی کیونکر جرأت کرسکتا ہے؟ امام احمد رضا نے ان دوشعروں میں برتریت، بلندی فوقیت اوراعلی ہونے کا جونظریہ پیش کیا بہت زیادہ اہم ہے اور قادریت کے فروغ میں بڑا اہم رول ادا کررہا ہے کہ اس نظریہ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی سلسلہ سلسلہ قادری سلسلہ کے معیار تک نہیں پہونچ سکتا ہے، یہ نظریہ صرف امام احمد رضا تک محدود نہ رہا بلکہ اس کی گونج دوردور تک سنائی دیتی ہے جس کی وجہ سے قادیت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور یہ سلسلہ ہر طرف پھیلتا چلا گیا اور قادریت کے چاہنے والے بھی بڑھتے چلے گئے

امام احمد رضا نے اسی منقبت میں کثرت سے استعارے لائے ہیں اور کثیر تعداد میں علامتیں بھی لائے ہیں ذیل میں کچھ علامتوں کا ذکر کیا جارہا ہے

اے خضر/مجمع بحرین/عروس قدرت/مرے دولھا/نبوی مینھ/علوی فصل/بتولی گلشن/نبوی ظل/علوی برج/بتولی منزل/حسنی چاند/نبوی خور/علوی کوہ/بتولی معدن/حسنی لعل/حسینی تجلی/.... یہ وہ علامتیں ہیں جو تخیل کو اپیل کرتی ہیں اور فکروشعور کو بروئے کار لانے پر مجبور کرتی ہیں کوئی بھی انسان اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان استعاروں/علامتوں کے پس منظر جو شخصیت پائی جاتی ہے وہ انمول ہے، نادرونایاب ہے ایسی شخصیت بے بہا ہوتی ہے درعدن اور لعل یمن بھی اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتے ہیں ان علامتوں کے لانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ یہی نا کہ عوام و خواص غوث پاک کی شخصیت کو اچھوتی اور انوکھی تصور کرے اور پھر اس تصور کے سہارے قادریت کی طرف اپنی پیش قدمی کو جاری رکھ سکیں اس بنیاد پر اگر امام احمد رضا کو "مجدد قادریت" سے موسوم کریں تو اس میں کوئی غلط بات نہ ہوگی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سرکاراعلی حضرت اس لقب کے صحیح معنی میں مستحق ہیں سرکار اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد اپنے ممدوح یعنی غوث پاک کے کمالات اوران کی خوبیوں کا تذکرہ کیا امام اہل سنت فرماتے ہیں

بحر و بر شہر و قریٰ سہل و حزن دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعوی تیرا

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک علاقہ پر آپ کا دعوی ملکیت ہے سمندر ہوں یا خشک

علاقے آسان زمینیں ہوں یا دشوار تر ہوں جنگلات ہوں یا چمن زار سبھی آپ کے زیر حکومت ہیں اور ہر جگہ کے اولیاء مشائخ آپ کے مطیع وفرماں بردار ہیں۔۔جب ان بڑے بڑوں کا یہ حال ہے وہ حضرت سیدنا غوث پاک کے مطیع ہیں تو پھر ہمہ شما کی کیا حیثیت؟ کہ وہ ان سے دوری بنا ئے رکھے اسی تصور نے سبھی افراد کو ان سے منسلک کر دیا اور سیدنا غوث پاک کی غلامی کے شرف سے سب کو مشرف کر دیا اسی نقطہ سے قادریت کی توسیع ہو رہی ہے اور زبردست کشادگی پیدا ہو رہی ہے کیا ہم اس تصور کو امام احمد رضا کی ذات وشخصیت سے الگ کر سکتے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں اسی لئے میں امام احمد رضا کو اس تصور کا ایک اہم رکن سمجھتا ہوں۔۔

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

ان اشعار سے جہاں سرکار غوثیت کی ولایت عامہ ثابت ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک سلسلہ میں جو قوت نمو پائی جاتی ہے وہ بھی صدقہ ہے سیدنا غوث پاک کا کہ انہیں کا جھالا ہے جو سب پر برس رہا ہے اور اسی سے سب مستفیض ہو رہے ہیں۔یہی سبب ہے کہ سارے اقطاب جہاں اور تمام اولیائے کرام خواہ وہ قبل کے ہوں یا بعد کے سب کے دلوں میں ان کا ادب پایا جاتا ہے اور سبھی ان کی تعظیم بجا لاتے ہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا یہ تجدید قادریت اور توسیع قادریت نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے۔امام احمد نے توسیع کے اس نظریہ کو صرف نظریہ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے عملی صورت میں پیش کیا خود بھی اس پر عمل کیا اور اس پر عمل کرنے کی اوروں کو بھی دعوت دی۔امام احمد رضا نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ قادری سلسلہ "جامع السلاسل" ہے ہر سلسلہ میں اس کی بہاریں موجود ہیں۔کوئی بھی سلسلہ اسی سلسلہ سے اعتبار اور وقار پاتا ہے۔اس کی تابشیں اور اس کی چمک دمک اور تمام تر رعنائیاں ہر ایک سلسلہ میں پائی جاتی ہیں۔اسی سلسلہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ یہی بنیاد واساس ہے جو اس سے

انحراف اختیار کرتا ہے وہ سلسلہ سوختہ ہو جاتا ہے اور سوکھے پیڑ کی مانند صرف اس کا ڈھانچہ باقی رہ جاتا ہے۔ نہ اس پر ہرے بھرے پتے دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی کوئی کھٹایا میٹھا کوئی پھل رہتا ہے کہ جسم سے جب قوت نمو دکشید کرلی جائے تو اس میں کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ کی صیانت کی جائے، اسکے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ امام احمد رضا نے زمانہ کے حالات کے پیشِ نظر اس کی کوشش فرمائی اور اس کوشش میں آپ کامراں بھی ہوئے۔ اس بنیاد پر اصولی انداز میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہر خانقاہ اور ہر سلسلہ کی ضرورت کا نام ہے امام احمد رضا محدث بریلوی۔ امام احمد رضا نے جو بھی کام کیا، جو خدمات انجام دیں ان میں ان کا خلوص تھا، انکا پیار تھا، شگفتگی تھی اسی خلوص و پیار نے امام احمد رضا کو مجدد قادریت کے منصب پر فائز کردیا، اس منصب کے تعلق سے جو تقاضے ان کے صامنے آئے انہوں نے اسے پورا کیا اور نہایت ہی خوبصورتی سے اسے پورا کیا اور سیدنا غوث پاک کی ایسی مدح سرائی کی کہ بڑے بڑے نامور ادیب و شاعران سے بہت پیچھے رہ گئے اور پھر ان میں ان کے ساتھ چلنے کی طاقت و توانائی بھی باقی نہ رہی۔ ذیل میں مدح سرائی کے چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ حیرت و استعجاب میں پڑ جائیں گے اسکی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے یہ شاعری اپنے ذوقِ طبع یا تلذذِ فن کے اعتبار سے نہیں کی تھی بلکہ اس کے پسِ منظر ایک عظیم مقصد تھا اسی لئے امام احمد رضا شعری تقاضوں کے پابند نہ رہے بلکہ انہوں نے شاعری کو اپنے مقاصد جلیلہ اور فوائد عظیمہ کے تابع کردیا وہ مقصد اپنے پیغامِ عشق کو گھر گھر تک پہونچانا ہے اور قادریت کے فروغ و ارتقاء کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ہے۔ امام احمد رضا یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کے سبھی لوگ اپنے بزرگوں اور اپنے اسلاف کے نقوشِ قدم کی پیروی کریں اور خانقاہوں سے جڑے رہیں اور معمولات اہل سنت پر قائم رہیں تاکہ عشق کا فیضان جاری و ساری رہے۔ اسی مقصد کے تحت آپنے سرکار قادریت کی بارگاہ میں منظوم خراج عقیدت پیش کی اور پھر اس کے ہر ایک شعر و مصرعہ میں تاثیری کیفیت کی تمام تر توانائیاں پیدا کردیں، ان توانائیوں میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

الف ۔۔۔اصلیت: اس سے مراد یہ ہے کہ شاعری میں جو جذبہ یا خیال پیش کیا جائے وہ اصلیت اور واقعیت پر مبنی ہو، یعنی اس جذبہ یا خیال کا جو بھی صحیح رنگ وروپ اور صحیح خدوخال ہو بعینہ وہی پیش کردیئے جائیں ۔اس میں کسی طرح کے غلو اور افراط سے کام نہ لیا جائے کہ اردو شاعری میں اس طرح کے جذبات جو افراط پر مبنی ہوتے ہیں وہ رد کردیئے جاتے ہیں اور جس شاعری میں تفریط پائی جاتی ہے وہ شاعری کسی دور میں پسندیدہ نہ رہی ہے ۔یہ بات روز روشن کی مانند واضح ہے کہ امام احمد رضا کی شاعری میں نہ افراط پایا جاتا ہے اور نہ ہی تفریط کی ان کے یہاں گنجائش ہے۔ کیونکہ انہوں نے شاعری کا استعمال شاعری حیثیت سے نہیں کیا بلکہ اسے ذریعہ اظہار کے طور پر استعمال کیا ہے ۔اعلیٰحضرت خود ارشاد فرماتے ہیں کہ

بس خامۂ خامِ نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احباء ناطق تھا ناچار اِس راہ پڑا جانا

اس شعر میں امام احمد رضا نے صاف طور پر یہ بات واضح فرمادی کہ شاعری نہ میری طرز ہے اور نہ ہی میرا رنگ ہے بلکہ دوستوں کا دل رکھنے کے لئے بطور مجبوری اس راہ پر چلنا پڑا اور اسے اپنانا پڑا ۔کیا یہ رویہ صرف اسی موضوع کے ساتھ خاص ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہر ایک مدعا کو پیش کرنے کے لئے اسے اپنایا تاکہ اپنے سامعین کے دلوں میں ترغیب اور ذوق وشوق نمایاں کرسکیں اور کسی موضوع کے تعلق سے ان کے دلوں میں نرم رویہ پیدا کرسکیں ۔چونکہ یہاں مقصد خوشگوار ماحول میں اپنے پیغامات کو گھر گھر پہونچانا ہے ۔اسی لئے آپ نے بغیر کسی تصنع کے اپنے جذبات اور خیالات ہم جیسے کم علموں کے سامنے رکھ دیا۔۔

ب ۔۔۔سادگی ہر دور میں پسندیدہ رہی ہے ۔بعض موقعوں پر سادگی وہ کام کرجاتی ہے جہاں تصنع اور تکلف کام نہیں کرپاتا ہے ۔شاعری اگرچہ مرصع سازی اور نگینہ جوڑنے جیسا دشوار کام ہے مگر سادگی فطری زیب وزیبائش ہے ۔اس لئے وہ اثر اندازی اور سحر انگیزی میں کچھ زیادہ ہی رول ادا کرتی ہے ۔یہی سبب ہے اردو ادب وتنقید میں اس کی اہمیت زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ سادگی فطرت کی عکاس اور قدرت کی صنعت کاری کا آئینہ دار ہوتی ہے ۔میرے اور آپ کے

امام سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس سادگی سے پورے طور پر کام لیا ہے۔ آپ کی تمام شاعری میں یہی وصف غالب ہے۔ البتہ جہاں بدائع وصنائع کی ضرورت محسوس ہوئی آپ نے ان کا بھی استعمال کیا اوراس سے پوراپورا فائدہ اٹھایا۔ جن لوگوں نے ان کی شاعری سے لطف ومزہ اٹھایا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہونگے اوراس پر دودو چار کی طرح یقین رکھتے ہونگے۔۔

ج۔ اسلوب یہ بات سب کومعلوم ہے کہ ہر شاعر کا الگ الگ اسلوب ہوا کرتا ہے اور شاعری کا جداگانہ انداز ہوا کرتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شاعری کا بھی ایک اسلوب الگ ہے اور سب شاعروں سے ان کا بھی ایک انداز ہے، جو نادر بھی ہے اور نایاب بھی، اچھوتا بھی ہے اور شگفتہ بھی، ان کا اپنا اسلوب ہے جس کے وہ خود موجد بھی ہیں اور خاتم بھی، بعد کے شاعروں نے اسے اپنانے کی کوشش کی ہے اور کر بھی رہے ہیں اس کے باوجود یہ شعراء پورے طور پر اس اسلوب کی پیروی نہ کر سکے، یہ اسلوب اس قدر کامیاب ہوا کہ ان کے زمانہ سے لے کر اب تک ان کی شاعری گنگنائی جارہی ہے۔ ان کا لکھا ہوا سلام پڑھا جارہا ہے اوران کے منقبتی اشعار بھی نہایت ہی ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں اور ارباب ذوق ان اشعار کو سن کر محظوظ ہورہے ہیں۔ اس شاعری کو وجود میں آئے ہوئے پون صدی گزرجانے کے باوجود اس کی تاثیری کیفیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ میرے امام کا اسلوب شعروسخن مقبول ترین اسلوب ہے۔ جو اب تک نہ میلا ہوا ہے اور نہ ہی کبھی میلا ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کے پسِ منظر ان کا خلوص ہے، ان کی محبت ہے، ان کا پیار ہے اوران کا سوزقلب ہے جو پورے طور پر لفظوں کے پیکر میں ڈھل گیا ہے اوراس کے ایک ایک روزن سے جھانکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ انہیں تینوں خصوصیات نے یعنی ''اصلیت'' سادگی'' اور ''نادرونایاب اسلوب کے آپسی تال میل اور حسنِ امتزاج نے ان کی شاعری کو پُرتاثیر بنادیا اور اس کی سحرانگیزی کو کہیں سے کہیں تک پہونچادیا، اسی پاکیزہ شاعری کے ذریعہ امام احمد رضا نے حضرت سیدنا غوث پاک کی مدح سرائی کی ان کے شخصی اوصاف اور انفرادی امتیازات نیز کرشماتی کمالات اس طرح واضح فرمادیئے کہ اسکے سنتے ہی ہر ایک دل میں ان کی محبت نے اپنی جگہ بنالی

اور پھر وہاں سے روح کی گہرائیوں میں جا بسی۔ اسی لئے آج ان سے منسلک افراد اپنے گلے میں ان کی محبت کا طوق ڈالے ہوئے ہیں، نہ صرف ڈالے ہوئے ہیں بلکہ اس طوق غلامی پر فخر و مباہات کا اظہار بھی کر رہے ہیں اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ آخرت بنائے ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں لوگوں میں اس طرح کا ذوق وشوق اور ترغیبی کیفیت بھی امام احمد رضا کی کوششوں کا اثر و نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ خود امام احمد رضا نے اس نظریہ کی وضاحت اس طرح فرمائی آپ تحریر کرتے ہیں کہ

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

دیکھئے یہ نظریہ کتنا وسیع نظریہ ہے، جس نے قادریت کو بھی وسیع کر دیا ہے اور پھر اسے دور دور تک پھیلا دیا ہے۔ اس بنیاد پر امام احمد رضا کو "مجدد قادریت" کہنا نہ صرف جائز و درست ہے بلکہ میرا امام اس لقب کا صحیح معنی میں مستحق ہے اور انہیں کی شخصیت پر یہ لقب جچتا بھی ہے۔ میں اپنے اس مقالہ کے آخر میں امام احمد رضا کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں جن میں پُر تاثیر شاعری کے تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر، ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

☆☆☆

اور محبوب ہیں، ہاں پر سبھی یکساں تو نہیں
یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا

تاجِ فرقِ عرفا کس کے قدم کو کہیے
سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا

☆☆☆

اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹادیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا
حق سے بد ہو کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے
ارے میں خوب سمجھتا ہوں معما تیرا

یہ اشعار آپ کے سامنے ہیں ان پر غور کریں اور پھر تجزیہ کریں کہ ان میں تاثیری کیفیت کے تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بات پر بھی اپنی توجہ مبذول کریں کے ان اشعار کا ''تجدید قادریت'' اور اس کی توسیع سے کس حد تک تعلق ہے؟ مذکورہ بالا اشعار کے تعلق سے اپنی سوچ کا زاویہ بدلنا ہوگا اور اسے ضرورت و ماحول اور زمانہ کے بدلتے ہوئے مزاج تک وسیع کرنا ہوگا، قاری اور سامع دونوں کے حوالہ سے ایک سادہ سا تاثر یہی سامنے آتا ہے کہ یہ اعلیٰحضرت کی لکھی ہوئی منقبت ہے اِسے پڑھیے رہئیے اور آگے بڑھ جائیے۔ یہ تاثر ہے اور ضرور ہے مگر سائنس کے اس انقلابی دور میں اس تاثر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی

ہے کہ اس تاثر کو ان رشتوں سے منسلک کر کے دیکھیے جہاں سے اس تاثر کو جاں بخش حیات مل سکتی ہے وہ رشتے ضرورت اور ماحول ہیں، یہ شاعری اس وقت وجود میں آئی جب استعماریت پورے طور پر شباب پر تھی اور برطانوی مزاج سے ہم آہنگ مزاج اپنے پاؤں پورے ہندوستان میں پسارے ہوئے تھا اور اپنے خونی پنجوں سے خوش اعتقادی کو نچوڑ رہا تھا مسلمانوں کے دلوں سے عشق ومحبت، خلوص وپیار اور بزرگوں کے تعلق سے حسن عقیدت نکال باہر کرنا چاہتے تھے اس طرح یہ قوتیں مسلمانوں کو سوکھے ہوئے پتوں کی مانند بے وقار اور بے وزن کر دینا چاہتی تھیں اگر امام احمد رضا چاہتے تو ان حالات سے چشم پوشی اختیار کر سکتے تھے، مگر انہوں نے قطعی ایسا نہیں کیا اس لئے کہ انہیں قوم کی امامت اور ملت کی پیشوائی کی ذمہ داری نبھانی تھی ۔وہ اور لوگ ہوا کرتے ہیں جو حالات سے چشم پوشی کر کے صرف اپنی دنیا میں مست رہتے ہیں اور جاں بخش جرعات پیتے رہتے ہیں اور پھر تلخی کام ودہن سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے ہیں ۔میرا امام آگے بڑھا اور قیادت کی باگ ڈور اپنے مقدس ہاتھوں میں تھام لیا۔قلم ودوات سنبھال لئے اور پھر تحفظِ ناموسِ رسالت، صیانت عشق ومحبت تجدیدِ قادریت اور توسیعِ برکاتیت کی ایسی تحریک چلائی کہ اس کے اثرات بہت دور دور تک جا پہونچے اور ہر ایک مسلمان اس کے خوشگوار اثرات کے سبب اپنے قلب وجگر میں ٹھنڈک محسوس کرنے لگے ۔اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضور سیدی آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا کو اپنے خدا کے سپرد کیا کیا کہ ان کی ہر تحریک، اصول ونظریات اور مسلک کامیاب وکامراں ہو گئے ۔انہیں کی تحریک کا یہ خوشگوار اثر ہے کہ آج خانقاہیں آباد ہیں اور مدارس مکاتب برقرار ہیں اور ہم جس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں عشق ومحبت اور خوش اعتقادی کی بہاریں نظر آتی ہیں جب تک یہ سبز شادابی، ہری بھری وادیاں، اور لہلہاتے کھیت کھلیان رہیں گے امام احمد رضا کی یادیں تازہ ہوتی رہیں گیں کیونکہ میرا امام ان افراد وشخصیات میں نمایاں طور شامل ہے جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا تھا ۔۔کہ

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

ماخذ و مراجع

۱	سورۂ آل عمران، پارہ ۴	
۲	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام اہل سنت الشاہ مولانا احمد رضا خاں، ۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۰ء
۳	سنن ابن ماجہ، ص: ۲۸۷	ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی ۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ
۴	روح المعانی جلد سوم نصف آخر ص: ۳۷	ابو الفضل، شہاب الدین علامہ سید محمود آلوسی، ۱۲۷۰ھ وفات
۵	مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالسنۃ	ابو عبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی المتوفی ۷۳۷ھ
۶	حدیث افتراق امت کا تحقیقی مطالعہ	شیخ اسید الحق نبیرہ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ
۷	مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام	ابو عبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی المتوفی ۷۳۷ھ
۸	مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام	ابو عبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی المتوفی ۷۳۷ھ
۹	فتح القدیر باب البغاۃ جلد ۶/ ص: ۹۳	شیخ کمال الدین معروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ
۱۰	فتاویٰ تاتارخانیہ باب احکام المرتدین، ج ۴، ص: ۲۳۲،	عالم بن العلاء الحنفی المتوفی ۷۸۶ھ
۱۱	درمختار جلد ۳، ص: ۴۵۵	علامہ محمد بن علی الحصکفی ۱۰۲۵ھ تا ۱۰۸۸ھ
۱۲	سورۂ نسا پارہ ۵	
۱۳	روح المعانی، ج: ۴/ ص: ۱۲۹، نصف چہارم اول	ابو الفضل، شہاب الدین علامہ سید محمود آلوسی، ۱۲۷۰ھ وفات
۱۴	الدوانی علی العقائد العضدیہ، ص: ۴	ابن اسعد صدیقی معروف بجلال الدوانی
۱۵	شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری صاحب تصانیف کثیرہ
۱۶	حدیث افتراق امت، ص: ۵۰	شیخ اسید الحق نبیرہ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ
۱۷	شرح فقہ اکبر، ص: ۱۹۲	ملا علی قاری صاحب تصانیف کثیرہ
۱۸	حدیث افتراق امت، ص: ۵۱	شیخ اسید الحق نبیرہ حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ
۱۹	شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۱	ملا علی قاری صاحب تصانیف کثیرہ
۲۰	سورۂ نسا پارہ، ۵	
۲۱	ترجمہ قرآن کنز الایمان، ص: ۱۱۶	امام احمد رضا خاں، محقق، محدث، فاضل بریلوی
۲۲	روح المعانی، ج: ۴/ ص: ۶۰۷، نصف اول	ابو الفضل، شہاب الدین علامہ سید محمود آلوسی، ۱۲۷۰ھ وفات
۲۳	سورۂ انعام، پارہ ۷	
۲۴	تفسیرات احمدیہ	حضرت ملا جیون صاحب نور الانوار علیہ الرحمۃ

۲۵	اشعۃ اللمعات، باب الاعتصام، ص:۱۴۱	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۲۶	سورۂ آل عمران، ص:۶۷	
۲۷	ترجمہ قرآن، کنزالایمان، ص:۶۷	امام احمد رضا خاں، محدث، امام اہل سنت علیہ الرحمۃ
۲۸	شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض، ص:۴۷۲	ملا علی قاری صاحب تصانیف کثیرہ
۲۹	نسیم الریاض، ج:۴/ص:۴۷۹	شہاب الدین، الخفاجی المصری
۳۰	حدوث الفتن، ص:۵۵	محمد احمد مصباحی، صدر مدرس الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
۳۱	سیف الجبار، ص:۵۰	فضل رسول بدایونی، علامہ، سیف اللہ المسلول
۳۲	فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۷۷	احمد رضا خاں، امام اہل سنت، محقق، محدث بریلوی
۳۳	فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۱۰۶	احمد رضا خاں، امام اہل سنت، محقق، محدث بریلوی
۳۴	النبراس شرح عربی شرح العقائد	محمد عبدالعزیز الفرہاری
۳۵	اصلاح فکر و اعتقاد، ص:۱۰۹	یٰسین اختر مصباحی، مولانا، علامہ، انشا پرداز
۳۶	فتاویٰ رضویہ، ج:۶/ص:۱۰۴	احمد رضا خاں، امام اہل سنت، محقق، محدث بریلوی
۳۷	غنیۃ الطالبین، ص:۹۰	سید عبدالقادر جیلانی غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۸	سورۂ ہود پارہ ۱۲	
۳۹	روح المعانی، ج:۷/ص:۲۳۱، نصف ثانی	سید محمود آلوسی، علامہ، مفسر، محقق
۴۰	روح المعانی، ج:۷/ص:۱۳۱، نصف ثانی	سید محمود آلوسی، علامہ، مفسر، محقق
۴۱	منقولات، ص:۷۱	
۴۲	پیغام رضا بابت مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۱۴۳	محمد رحمت اللہ صدیقی، مولانا، صحافی
۴۳	نہایہ علی البدایہ، ص:۱۳۶	
۴۴	الجواہر البیان اُردو، ص:۷۸	
۴۵	جام نور دہلی بابت اکتوبر ۲۰۰۷ء	خوشتر نورانی، مولانا، صحافی
۴۶	جام نور دہلی بابت جنوری ۲۰۰۸ء	
۴۷	ماہنامہ سنی دنیا بابت جنوری ۱۹۹۱ء	
۴۸	انوار الباری جلد ۱۱، ص:۱۰۷	
۴۹	سوانح اعلیٰ حضرت، ص:	بدرالدین احمد قادری، مولانا، مفتی، مصنف
۵۰	سوانح اعلیٰ حضرت، ص:۱۱۲	بدرالدین احمد قادری، مولانا، مفتی، مصنف
۵۱	پارہ ۳۰، سورۂ لم یکن	
۵۲	ماہنامہ حجاز جولائی ۱۹۸۹ء، ص:۵۶	یٰسین اختر مصباحی، مولانا، صحافی، مفکر

۵۳ جدید امر وتنقید اصول ونظریات، ص:۱۱۸
۵۴ حجاز دہلی جولائی ۱۹۸۹ء، ص:۵۶ — یٰسین اختر مصباحی، مولانا، صحافی، مفکر
۵۵ حجاز جدید، ستمبر-اکتوبر ۱۹۸۹ء — یٰسین اختر مصباحی، مولانا، صحافی، مفکر
۵۶ مقدمہ سوانح اعلیٰ حضرت — ارشد القادری، علامہ رئیس القلم، قائد اہل سنت
۵۷ جام نور دہلی بابت فروری ۲۰۰۶ء
۵۸ جام نور دہلی بابت اکتوبر ۲۰۰۷ء
۵۹ پیغامِ رضا ممبئی جلد۱، شمارہ۲
۶۰ پیغامِ رضا ممبئی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ء
۶۱ حدوث الفتن، ص:۱۶۹
۶۲ جام نور دہلی بابت اکتوبر ۲۰۰۹ء
۶۳ حاشیہ شرح صبائی
۶۴ شرح عقائد نسفی مع حاشیہ فیامی ص:۲۲-۲۳

☆☆☆

ق خدا نہ خدا سے جدا جیسی پاکیزہ فکر کو اپنے خصوص لب ولہجہ
ں اور گلہائے قدسی جیسے مجموعہ نعت سے ادب کے گل ولالہ کی
کی حیثیت سے جس مجموعہ میں جگہ پانے والے اداس رسول

کس نے کیا کہا

۱۔ سید اولاد رسول قدسی نشاط جاناں اور غم دوراں دونوں کے شاعر ہیں۔ (مظہر امام)

۲۔ قدسی نے شاعری میں اپنے تخیلات کو نئی سمتیں عطا کی ہیں۔ (حقانی القاسمی)

۳۔ میں تر و تازہ کو اس کے چونکانے والے تیور کی وجہ سے اردو شاعری کے سرمائے میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھتا ہوں۔ (کرامت علی کرامت)

۴۔ قدسی کی نعتیہ فکر ستھرا اسلوب بیان رکھتی ہے۔ (ڈاکٹر شہاب ظفر)

۵۔ سید اولاد رسول قدسی کی شاعری کا قابل ذکر پہلو اس کا تاریخی شعور ہے۔ (ڈاکٹر خواجہ اکرام)

۶۔ قدسی کی شاعری کا ایک نمایاں رنگ ان کی جدت پسندی ہے۔ (ڈاکٹر امجد رضا امجد)

۷۔ سید اولاد قدسی دینی اور عصری علوم کے ماہر ہیں اس لئے ان کی شاعری دوآتشہ ہو گئی ہے۔ (سید محمد اشرف)

قدسی کی کتابوں کے نام

۱۔ نعتیہ مجموعے: انوار قدسی، گلہائے قدسی، گل ولالہ، لب ولہجہ، نوح گفتگو، خدا نہ خدا سے جدا

۲۔ غزلیہ مجموعے: زرق برق، تر و تازہ۔

۳۔ نظم: بلو بلو

RAZA